امام زین العابدین علیہ السلام

تالیف:

مفتی غلام رسول جماعتی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

زاویہ پبلشرز
زاویہ پبلشرز
دربار مارکیٹ • لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

امام زین العابدین علیہ السلام

◆

تالیف:

مفتی غلام رسول جماعتی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

دربارِ عالیہ نقشبندیہ علی پور سیداں ○ نارووال

◆

زاویہ پبلشرز
8-C دربار مارکیٹ - لاہور
Ph: 042-37248657- 37112954
Mob: 0300-9467047- 0321-9467047- 03004505466
Email:zaviapublishers@gmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں
2013ء

بار اول..........1100

ہدیہ..........300

زیرِ اہتمام..........نجابت علی تارڑ
کمپوزنگ..........ایمان گرافکس (عبدالقادر)

﴿لیگل ایڈوائزرز﴾

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339
رائے صلاح الدین کھرل ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-7842176

﴿ملنے کے پتے﴾

راولپنڈی کے ہول سیل ڈسٹری بیوٹر

اِسلامِک بُک کارپوریشن
فضل داد پلازہ - اقبال روڈ - کمیٹی چوک ۰ راولپنڈی 051-5536111

سلام بک شاپ، مین ایم اے جناح روڈ، کراچی	021-32212167
مکتبہ برکات المدینہ، کراچی	021-34219324
مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ، حیدر آباد	022-2780547
مکتبہ رضویہ آرام باغ، کراچی	021-32216464
مکتبہ سبحانیہ، اردو بازار، لاہور	0315-4318640
نورانی ورائٹی ہاؤس، بلاک نمبر 4، ڈیرہ غازی خان	0321-7387299
کتب خانہ حاجی نیاز احمد، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان	0313-8461000
مکتبہ بابا فرید چوک چٹی قبر پاکپتن شریف	0301-7241723
مکتبہ غوثیہ عطاریہ اوکاڑہ	0321-7083119
مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد	041-2631204
مکتبہ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد	0333-7413467
مکتبہ سخی سلطان حیدر آباد	0321-3025510
مکتبہ قادریہ سرکلر روڈ گوجرانوالہ	055-4237699

امام زین العابدین علیہ السلام کا فرمان

- اہلِ بیت رسول کے ساتھ جو اللہ کے لیے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اپنے سایہ رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا۔
- ہم اہلِ بیت رسول کے ساتھ جو اس لیے محبت کرتا ہے کہ اللہ اس کو آخرت میں بدلہ عطا فرمائے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرمائے گا۔
- ہم اہلِ بیت رسول کے ساتھ جو کسی دنیاوی غرض کے لیے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کا رزق وسیع فرما دے گا۔

(نور الابصار)

مفتی غلام رسول
(لندن)

فہرست

✿	تذکرۂ مصنف	11
✿	تعارف	15
✿	کتاب کا مآخذ	18
✿	تقدیم	23
✿	غدیر خم کے مقام پر حضور کا خطبہ ارشاد فرمانا	31
✿	سوال:	35
✿	امام حسن اور معاویہ بن خدیج کا مکالمہ	41
✿	اہلِ بیت کی توہین کرنے والا منافق ہے	41
✿	حضرت علی علیہ السلام ہر مومن کے مولیٰ ہیں	49
✿	امام زین العابدین علیہ السلام	54
✿	ولادت باسعادت	54
✿	امام زین العابدین کی ولادت کے متعلق پیشگوئی	56
✿	امام زین العابدین اور علم حدیث	57
✿	نمبر ۲: علم حدیث بلحاظ روایت	62
✿	امام زین العابدین اور علم فقہ	70

✿	امام زین العابدین علیہ السلام اور امامت	73
✿	فرزدق کا قصیدہ	76
✿	حضرت معاویہ امام حسن علیہ السلام کے نائب تھے	86
✿	امام زین العابدین علیہ السلام اور واقعہ کربلا	92
✿	واقعہ کربلا	94
✿	امام حسین علیہ السلام مکہ مکرمہ میں	96
✿	حضرت مسلم بن عقیل کی کوفہ روانگی	102
✿	عبیداللہ بن زیادہ کوفہ میں	103
✿	امام مسلم کی شہادت	107
✿	محمد اور ابراہیم کی شہادت	109
✿	امام حسین علیہ السلام کی کوفہ روانگی	113
✿	حر بن یزید امام کے سامنے	117
✿	امام حسین علیہ السلام کربلا میں	120
✿	امام حسین علیہ السلام نے یزید کی بیعت کا ہرگز اقرار نہیں کیا	124
✿	پانی پر پابندی لگا دی	126
✿	امام حسین علیہ السلام کا اپنے ساتھیوں سے خطاب	127
✿	حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی بیماری میں اضافہ	130
✿	حر کا امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا	134
✿	مسلم بن عوسجہ کی شہادت	137

❁	حضرت وہب بن عبداللہ کی شہادت	138
❁	حضرت حر کی شہادت	142
❁	شہزادہ حضرت علی اکبر کی شہادت	143
❁	شہزادہ حضرت قاسم کی شہادت	146
❁	حضرت عباس علمبردار کی شہادت	148
❁	حضرت علی اصغر کی شہادت	150
❁	حضرت امام عالی مقام حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت	153
❁	شمر کا اپنی فوج کو کہنا کہ حسین کو قتل کر دو	157
❁	امام حسین علیہ السلام کی شہادت	161
❁	اہلِ بیت کی کوفہ روانگی	164
❁	قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے نزدیک یزید پلید کافر ہے	173
❁	امام زین العابدین علیہ السلام کی مدینہ منورہ میں واپسی	176
❁	اہلِ مدینہ کا یزیدی حکومت سے منحرف ہونا	179
❁	امام زین العابدین علیہ السلام کا صبر	202
❁	امام زین العابدین علیہ السلام کی عبادت	206
❁	امام زین العابدین علیہ السلام کے اخلاق	212
❁	امام زین العابدین علیہ السلام کی سخاوت	216
❁	امام زین العابدین علیہ السلام کی کرامات	223
❁	امام زمین العابدین علیہ السلام کے ارشادات	233

✿	وفات	238
✿	اولادِ امجاد	242
✿	امام ابو جعفر امام باقر علیہ السلام	243
✿	امام زید علیہ السلام	263
✿	محمد نفس ذکیہ کا خروج	268
✿	عبداللہ الباہر	272
✿	عمر الاشرف علیہ السلام	272
✿	حسین الاصغر علیہ السلام	273
✿	علی الاصغر علیہ السلام	273
✿	اختتامیہ	274

* * * *

تذکرۂ مصنف

فخرالمدرسین جامع المعقول والمنقول حضرت مفتی غلام رسول جماعتی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت 1923ء میں موضع ڈھینگرانوالی (کوٹلی خورد) تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں ہوئی۔ آپ کا نسبی تعلق قوم جنجوعہ سے ہے۔ آپ کے والد گرامی جلال الدین ایک نہایت متقی پابند صوم وصلوٰۃ بزرگ تھے۔ جن کی تربیت نے اس گوہر تابدار کی چمک دمک کو بڑھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

ابتدائی تعلیم

مفتی صاحب نے کم عمری میں "لِلہ شریف" ضلع جہلم کی دینی درسگاہ میں حفظ قرآن حکیم مکمل کیا اور ابتدائی کتب کا درس لیا۔

اساتذہ کرام

آپ نے حاصلانوالہ ضلع گجرات میں برصغیر کے مشہور و معروف ماہر فنون عالم دین استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سلطان احمد رحمۃ اللہ علیہ سے درسِ نظامی کا مروجہ نصاب اول تا آخر پڑھا۔ مولانا سلطان احمد کا شمار رئیس المناطقہ حضرت مولانا میر محمد اچھروی لاہور کے ممتاز شاگردوں میں ہوتا ہے۔ حضرت اچھروی کے استاذ رئیس العلماء حضرت شیخ الجامعہ غلام محمد گھوٹوی ہیں اور حضرت شیخ الجامع حضرت مولانا فضل حق رامپوری رحمۃ اللہ علیہ

کے لائق ترین شاگرد ہیں۔ حضرت فضل حق رامپوری رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبدالحق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور وہ حضرت امام المناطقہ علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین تھے۔ یوں حضرت صاحب کا علمی سلسلہ علمائے خیرآباد سے جاملتا ہے۔

تدریس

تحصیل علوم سے فراغت کے بعد آپ نے چار سال تک جامعہ غوثیہ لالہ موسیٰ گجرات میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ اس کے بعد آپ دارالعلوم نقشبندیہ، دربارِ عالیہ علی پور سیداں شریف، نارووال سیالکوٹ میں بحیثیت صدر مدرس و مفتی 26 سال تک فرائض سرانجام دیے۔ ملک کے نامور ممتاز علماء و دانشور حضرات نے وہاں آپ سے اکتسابِ علم کیا۔ صاحبزادگانِ علی پور شریف کے علاوہ محقق العصر علامہ مفتی محمد خان قادری (لاہور)، علامہ محمد رشید گجراتی، علامہ محمد بشیر رضوی (کھاریاں) اور متعدد علماء نے آپ سے کسبِ فیض کیا۔ درس و تدریس اور فتویٰ نویسی پر دن رات کام کرنے کی وجہ سے آپ علیل ہو گئے تو 1983ء میں علاج کے لیے برطانیہ تشریف لے گئے۔ صحت یاب ہونے کے بعد دوبارہ علی پور شریف تشریف لائے۔ 1985ء میں علاج کے سلسلہ میں دوبارہ برطانیہ چلے گئے۔ دورانِ علاج جامع مسجد مہر ملت برمنگھم میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ 1985ء میں ہی علماء اہلِ سنت کی متفقہ رائے سے سنی حنفی شرعی کونسل قائم کی گئی جس میں فتویٰ نویسی کے لیے مقرر ہوئے۔

تصنیف

آپ نے برطانیہ میں مسلمانوں کو پیش آنے والے مسائل پر 800 صفحات پر مشتمل فتاویٰ برطانیہ تصنیف فرمایا۔ جو فقہ حنفی کا اہم ذخیرہ ہے۔ بعد ازاں آپ لندن

تشریف لے گئے۔ مفکر اسلام شہزادہ غوثِ اعظم حضرت پیر سید عبد القادر جیلانی مدظلہ العالی کے حکم پر دار العلوم قادریہ جیلانیہ والتھم سٹو لندن میں صدر مدرس مقرر ہوئے اور تادمِ آخر وہاں تدریس و فتویٰ نویسی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ برطانیہ میں اقامت کے دوران دو ہزار سے زائد فتاویٰ آپ کے قلم سے لکھے گئے۔ مفتی صاحب نے درجنوں کتب تصنیف فرمائی ہیں جن کی فہرست کتاب ہذا کے آخر میں موجود ہے۔ مفتی صاحب کی زندگی کی آخری کتاب ”مسئلہ تفضیل“ پر ہے۔ جس کا مسودہ مکمل کرنے کے بعد جلد ہی آپ کا وصال ہوگیا۔ انشاء اللہ عنقریب منظرِ عام پر آرہی ہے۔

بیعت

آپ حضرت پیر سید افضل حسین شاہ جماعتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ مئی 1993ء میں آپ کے پیر و مرشد سجادہ نشین علی پور شریف نے سالانہ عرس کے موقع پر دستارِ خلافت عطا فرمائی۔

محبت اہلِ بیت

مفتی صاحب حقیقی معنیٰ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق تھے، اہلِ بیت کے خادم و وفادار تھے۔ جب اُن پاک ہستیوں کا تذکرہ ہوتا تو آپ کی آنکھیں چھم چھم برسنا شروع کر دیتی تھیں۔ مفتی صاحب قبلہ کو اپنے والدین اور اساتذہ کی تربیت سے ایسا رنگ چڑھایا کہ آپ کی ساری زندگی آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف اور ان کی عزت و ناموس کے دفاع کے لیے وقف تھی۔

وصالِ باکمال

18 اکتوبر 2010ء بروز جمعۃ المبارک 87 سال کی عمر میں لندن میں آپ کا

وصال ہوا۔ آخری وقت مفتی صاحب کو وضو کروایا گیا، آپ نے ناخن کاٹنے کا حکم فرمایا، پھر نماز ادا فرمائی اور ساتھ ہی آپ کی روح جسمِ عنصری سے پرواز کرگئی۔

آپ کی نعش اقدس آپ کے آبائی گاؤں لائی گئی اور وہیں دفن کیے گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے جنازہ مبارک کے روح پرور مناظر دیکھنے کے لیے مندرج ذیل ویب سائٹس ملاحظہ فرمائیں:

www.google.com:-Janaza of Mufti Ghulam Rasool

1: www.sunnionline.com

2: www.yanabi.com

3: www.qadrimedia.com

اللہ تعالیٰ اہلِ بیت پاک کے صدقے مفتی صاحب کی قبر پر کروڑوں رحمتوں کا نزول فرمائے۔ (آمین)

سید محمد انور حسین شاہ کاظمی

مہتمم دارالعلوم قادریہ جیلانیہ

شاہدرہ ٹاؤن لاہور

* * *

تعارف

زیر نظر کتاب میں امام زین العابدین علیہ السلام کے حالات زندگی بیان کیئے گئے ہیں آپ اہل بیت اطہار میں سے ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں اور آئمہ اہل بیت میں سے چوتھے امام ہیں آپ کی امامت پر تمام مسلمان متفق ہیں آپ واقعہ کربلا میں ابتداء سے لے کر انتہا تک موجود رہے آپ نے میدان کربلا میں اپنے باپ‘ بھائیوں‘ چچاؤں‘ چچازاد بھائیوں اور اپنے غلاموں کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھا ان کے لاشے کرب و بلا کے میدان میں پڑے ہوئے دیکھے جن پر مٹی اور گرد و غبار پڑ رہا تھا اور محرم کی دس تاریخ کو بوقت عصر یہ بھی دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں اور بچیاں اپنی جان بچانے کے لئے ایک خیمے سے دوسرے خیمے کی طرف دوڑ رہی ہیں اور یزیدی ظالم بلند آواز سے کہہ رہے ہیں کہ ان کے خیموں کو آگ لگا دو‘ امام زین العابدین نے کوفیوں اور یزیدیوں کا یہ وحشیانہ ظلم بھی دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کو برہنہ سر اونٹوں پر سوار کرایا گیا پھر انہیں آپس میں رسیوں سے جکڑ دیا گیا اور کوفہ کے بازاروں میں انہیں ننگے سر پھرایا گیا خود امام زین العابدین جو بیمار تھے کھڑے بھی نہ ہو سکتے تھے ان کو بھاری زنجیروں میں جکڑ دیا گیا پھر جب اہل بیت کے اس قافلہ کو قیدی بنا کر دمشق کی طرف لے جایا گیا تو راستے میں یزیدیوں نے ہر طرح سے تکلیفیں دیں۔ ان کو بھوکا اور پیاسا رکھا‘ امام زین العابدین نے دمشق میں یزید کے دربار میں یہ بھی دیکھا کہ آپ کے والد

گرامی (امام حسین) کے چہرے پر یزید ملعون چھڑی سے ضربیں لگا رہا تھا۔ اور ساتھ یہ بھی کہہ رہا تھا کہ میں نے امام حسین کو شہید کرا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگِ بدر کا بدلہ لے لیا ہے آپ کے سامنے ہی ایک یزیدی کتے نے سیدہ زینب، سیدہ فاطمہ بنت علی کے ساتھ توہین آمیز گفتگو کی لیکن اس کے باوجود امام زین العابدین نے عظیم صبر و تحمل سے کام لیا۔ امام زین العابدین اپنے علم و فضل کے لحاظ سے بے مثال تھے۔ ابن شہاب زہری (المتوفی ۱۲۴ھ) اور یحییٰ بن سعید انصاری (المتوفی ۱۴۳ھ) جیسے عظیم محدث آپ کے ہی شاگرد تھے۔ آپ کی عبادت کی تو کوئی انتہا نہ ہی تھی تمام مؤرخین اور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ امام زین العابدین ہر شب و روز ایک ہزار رکعت نفل ادا کرتے تھے۔ امام زین العابدین اپنے اخلاق اور کردار میں یکتا تھے اور اپنے حسن و جمال میں بھی بے مثال تھے جو شخص آپ کو دیکھتا وہ دیکھتا ہی رہ جاتا۔ لوگوں کا دیکھنا تو کجا، آپ کو تو منیٰ و عرفات، مزدلفہ، صفا و مروہ کی پہاڑیوں اور حجر اسود، حل و حرم کے مقامات بھی دیکھتے رہتے۔

لو یعلم الرکن من قد جاء یلثم
لخر یلثم منه ماوطئ القدم

اگر رکن (حجر اسود) کو علم ہو جائے کہ کون اس کا بوسہ لینے آیا ہے تو وہ گر کر اس خاک کے بوسے لے جس پر ان (زین العابدین) کے قدم آئے ہیں۔

یہ علی بن حسین ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں جن کے نور ہدایت سے ساری امتیں ہدایت حاصل کرتی ہیں اور یہ بھی قریب ہے کہ رکن حطیم ان کی ہتھیلی کو پہچان کر انہیں روک لے جب کہ اسے مس (چھونے) کے لئے تشریف لائیں۔

واقعہ کربلا کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام ہر وقت غم سے رہتے اور فرمایا

کرتے کہ یعقوب علیہ السلام نے تو ایک بیٹے کو صرف گم کیا ان کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سفید ہو گئیں میں نے تو اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے گھر کے اٹھارہ افراد دشمنوں کے ہاتھوں سے ذبح ہوتے ہوئے دیکھے ہیں تم میری طرف دیکھو کہ میرا غم کی وجہ سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے آپ کی خدمت میں جب کھانا پیش کیا جاتا تو فرماتے میں کیسے کھاؤں میرے والد گرامی (امام حسین علیہ السلام) تو دنیا سے بھوکے پیاسے چلے گئے ہیں' علامہ ابن عتبہ (المتوفی ۸۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی شخصیت تمام کے درمیان متفقہ ہے چنانچہ خارجی لوگ بھی آپ کے ساتھ اس طرح عقیدت رکھتے ہیں جیسا کہ شیعہ اور شیعہ اس طرح جیسا کہ معتزلہ اور معتزلہ اس طرح جیسے کہ عوام الناس اور عوام الناس اس طرح جیسے کہ خواص گویا کہ آپ کی فضیلت و برتری میں کسی کو بھی کلام نہیں ہے تمام ہی آپ کی عزت وعظمت کے قائل ہیں۔

مفتی غلام رسول (لندن)

* * *

کتاب کا مآخذ

میں نے اپنی اس کتاب (امام زین العابدین) میں زیادہ تر یہ کوشش کی ہے کہ اس میں کتب شیعہ کی روایات ذکر نہ کی جائیں بایں وجہ میں نے علامہ ابن سعد (المتوفی ۲۳۰ھ) ابن جریر طبری (المتوفی ۳۱۰ھ)، علامہ ابن اثیر (المتوفی ۶۳۰ھ)، حافظ ابن کثیر (المتوفی ۷۷۴ھ) کے مروی روایات پر اعتماد کیا ہے کیونکہ ان حضرات کا مسلک کے لحاظ سے اہل شیعہ سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے چنانچہ ان میں سے ابن سعد بہت بڑے صاحب علم تھے۔ سیر و مغازی کے معاملہ میں ان پر محدثین و مفسرین اعتماد کرتے ہیں آج تک کسی نے بھی ان کے متعلق شیعہ یا رافضی ہونے کا اظہار نہیں کیا، خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ محمد بن سعد ہمارے نزدیک اہل عدالت میں سے تھے اور ان کی حدیث ان کی صداقت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ وہ اپنی اکثر روایات میں چھان بین سے کام لیتے ہیں۔ علامہ ابن خلکان (المتوفی ۶۸۱ھ) لکھتے ہیں کہ وہ سچے اور قابل اعتماد تھے، حافظ ابن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ) کہتے ہیں کہ وہ بڑے ثقہ اور محتاط حفاظ حدیث میں سے ہیں بہرصورت محمد بن سعد پائے کے محدث مفسر اور مورخ ہیں لیکن ان کے اساتذہ میں سے محمد بن عمر واقدی (المتوفی ۲۰۷ھ) اور ابو منذر ہشام بن محمد بن السائب الکلبی (المتوفی ۲۰۶ھ)، وغیرہ پر اصحاب جرح و تعدیل نے سخت کلام کی ہے اور ان کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اگرچہ سیرت

اور غزوات کی تاریخ کے معاملہ میں محدثین نے ان پر اعتماد بھی کیا ہے لیکن جب ابن سعد کے اساتذہ ضعیف ہیں تو بایں وجہ ان کے کچھ مرویات بھی غیر قابل اعتماد ہیں چنانچہ ان کی وہ روایت مجروح ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ امام زین العابدین نے یزید معلون کو امیر المومنین کہا تھا کیونکہ اس روایت میں واقدی کے علاوہ اس کا استاد ابن ابی برہ (المتوفی ۱۶۲ھ) متفقہ طور پر تمام محدثین کے نزدیک ضعیف اور کذاب ہے لہٰذا یہ روایت ابن ابی برہ کے کذاب ہونے کی وجہ سے موضوع اور غیر معتبر ہے اور اسی طرح ابن سعد کی ایک اور روایت جو بحوالہ زہری منقول ہے جس میں ہے کہ مروان اور عبدالملک دونوں کے امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ اچھے تعلقات تھے یہ روایت بھی خلاف واقعہ ہونے کی وجہ سے مجروح اور ضعیف ہے غرضیکہ ابن سعد خود تو بہت زیادہ وسعت علمی رکھتے ہیں لیکن ان کے اساتذہ بہت کمزور ہیں بایں وجہ ابن سعد سے بعض روایات میں تساہل ہوا ہے اور میں نے ان کے طبقات کو اس لئے ماخذ بنایا ہے کہ وہ شیعہ نہیں ہیں بلکہ اہل سنت و جماعت ہیں دوسرے ابن جریر طبری ہیں جن کی تاریخ طبری کو میں نے اپنی کتاب کا ماخذ بنایا ہے، آپ کا اسم گرامی محمد بن جریر بن یزید طبری اور کنیت ابوجعفر ہے یہ بہت بڑے عالم اور مجتہد ہونے کے بھی مدعی تھے خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ابن جریر علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے آپ کے معاصرین میں سے کوئی شخص بھی آپ کا ہمسر نہ تھا آپ قرآن پاک کے حافظ، مفسر، احکام قرآن کے ماہر، عظیم محدث، ناسخ و منسوخ سے آگاہ تاریخی اخبار و واقعات کے زبردست عالم تھے، قاضی شمس الدین ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ابن جریر خود مجتہد تھے کسی کے مقلد نہیں تھے ابو اسحاق شیرازی (المتوفی ۴۷۶ھ) نے بھی ان کو طبقات الفقہاء میں مجتہدین میں شمار کیا ہے اور ان کے مقلدین کو جریریہ کہا ہے، لیکن ان کا یہ مسلک زیادہ دیر تک

قائم نہ رہ سکا، علامہ بکی (المتوفی ۷۷۱ھ) نے کہا ہے کہ یہ پہلے شافعی مسلک تھے بعد میں علیحدہ فقہی مسلک کی بنیاد رکھی جو کہ تھوڑی مدت کے بعد ختم ہو گیا، ابن جریر کی تاریخ طبری کو جیسے کہ شہرت حاصل ہوئی اسی طرح آپ کی تفسیر کو بھی بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی ہے ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ جو لوگوں میں کتب تفسیر متداول ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح تفسیر ابن جریر ہے کیونکہ اس میں جو اقوال منقول ہیں وہ صحیح سند کے ساتھ مذکور ہیں علامہ یاقوت حموی (المتوفی ۲۲۶ھ) ابن خزیمہ (المتوفی ۳۱۱ھ) اور محدث ابن خالویہ (المتوفی ۳۷۰ھ) نے بھی تفسیر ابن جریر کی بہت تعریف ذکر کی ہے، علامہ نووی (المتوفی ۶۷۶ھ) اور علامہ سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) بھی لکھتے ہیں کہ تفسیر ابن جریر جیسی کوئی کتاب فن تفسیر میں تصنیف نہیں کی گئی ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابو جعفر تاریخ نگاروں میں سب سے زیادہ اعتماد کے لائق ہیں، حدیث میں محدث، فقہ میں مجتہد مانے جاتے ہیں ان کا مذہب اہل سنت والجماعت ہے اور ابن کثیر یہ بھی لکھتے ہیں کہ میں نے شیعی روایات سے بچنے کے لئے زیادہ تر ابن جریر پر اعتماد کیا ہے۔ علامہ ابن اثیر تاریخ کامل کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ اصحاب رسول کے مشاجرات (باہمی تنازع) کے معاملہ میں میں نے ابن جریر طبری پر ہی دوسرے تمام مورخین کی بہ نسبت زیادہ اعتماد کیا ہے، ابن خلدون جنگ جمل کے واقعات بیان کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ میں نے واقعات کا خلاصہ دوسرے مؤرخین کو چھوڑ کر طبری کی تاریخ سے نکالا ہے کیونکہ وہ زیادہ قابل اعتماد ہے اس سے ظاہر ہے کہ ابن جریر طبری اہل سنت تھے شیعہ نہیں تھے بعض لوگوں نے حدیث غدیر خم کے معاملہ میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بنا پر ان کو شیعہ کہہ ڈیا ہے حالانکہ اہل سنت میں کون ہے۔ جس کا کوئی قول کسی فقہی مسئلے یا کسی حدیث کی تصحیح کے معاملہ میں شیعوں سے نہ ملتا ہو اس سے تو لازم آئے گا کہ اہل

سنت بھی شیعہ ہوں حدیث غدیر خم میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بنا پر ان کو شیعہ نہیں کہا جا سکتا باوجودیکہ حدیث غدیر خم صحیح ہے جیسے کہ عنقریب بحث تقدیم میں آرہا ہے اصل بات یہ ہے کہ ان کے ہم عصروں میں ایک اور شخص محمد بن جریر طبری کے نام سے معروف و مشہور تھا اور وہ شیعہ تھا جو ان کی بدنامی کا باعث بنا لوگوں نے ان دونوں میں فرق نہیں کیا ان کو بھی شیعہ کہا جانے لگا حالانکہ شیعہ طبری کا نام محمد بن جریر بن رستم ہے اور ان کا نام محمد بن جریر بن یزید ہے یہ اہل سنت تھے آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں مشہورترین درج ذیل ہیں۔

۱۔ تاریخ الامم والملوک

۲۔ کتاب القرآت

۳۔ کتاب التنزیل

۴۔ اختلاف العلماء وتاریخ الرجال

۵۔ احکام شرائع الاسلام

۶۔ التبصر فی اصول الدین

۷۔ تفسیر ابن جریر وغیرہ۔

اور تیسرے عزالدین ابن اثیر ہیں جن کی تاریخ الکامل کو میں نے مآخذ بنایا ہے یہ ابن خلکان کے ہم عصر تھے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ابن اثیر حدیث کے حفظ اور اس کی معرفت اور اس کے متعلقات میں امام تھے قدیم و جدید تاریخ کے حافظ تھے اور اہل عرب کے انساب اور ان کے حالات سے باخبر تھے یہ بھی مسلک کے لحاظ سے اہل سنت و جماعت تھے اسی وجہ سے وہ اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ وہ معاملات جن میں صحابہ کرام کا باہمی تنازع وغیرہ ہوا ان کے بیان میں میں نے

نہایت تحقیق اور احتیاط سے کام لیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان کا شیعیت سے کسی قسم کا تعلق نہیں تھا۔ اور میری اس کتاب کا چوتھا مآخذ ''البدایہ والنہایہ'' تاریخ اسلام کے کتب میں سے ایک بہترین اور عمدہ کتاب ہے۔ حافظ ذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) ابن کثیر کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ محدث اور مضبوط مفسر ہیں، یہ علامہ ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) کے شاگرد ہونے کی وجہ سے قدرے مسلک اہل سنت سے ہٹے ہوئے ہیں لیکن شیعہ کے سخت مخالف ہیں بایں وجہ یزید کی صفائی پیش کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں اور وہ لوگ جو از قسم خوارج و نواصب ہیں وہ ابن کثیر کی کتب کو بہت پسند کرتے ہیں لہٰذا ''البدایہ والنہایہ'' کو اکثر مقامات میں مآخذ بنایا گیا ہے۔ بہر حال اس کتاب۔ (امام زین العابدین) میں شیعہ روایات سے کوئی روایت ذکر نہیں کی گئی بلکہ مسلک اہل سنت وجماعت کے مطابق جو صحیح روایات ہیں وہ ذکر کی گئی ہیں۔

مفتی غلام رسول (لندن)

* * * *

تقدیم

میں نے اس کتاب (امام زین العابدین) میں جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے حالات اور واقعات زندگی کو مرتب کیا ہے، امام زین العابدین علیہ السلام آئمہ اہل بیت رسول سے ہیں، ان کی محبت فرائض دینیہ سے ہے چنانچہ قرآن پاک میں ہے: "قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى" آپ فرما دیجئے میں تم لوگوں سے تبلیغ نبوت پر کوئی اجرت نہیں چاہتا لیکن اہل قرابت کی مؤدت (محبت) اور حافظ ابن کثیر (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ امام بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) نے سعید بن جبیر (المتوفی ۹۵ھ) سے نقل کیا ہے کہ الا المودۃ فی القربیٰ کے معنی یہ ہیں کہ میری قرابت میں میری محبت کو ملحوظ رکھو یعنی میرے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آو۔ اسماعیل بن عبدالرحمن سدی (المتوفی ۱۲۷ھ) نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) کو قید کر کے شام کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو راستہ میں ایک شامی نے امام زین العابدین کو دیکھ کر کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تم لوگوں کو ختم کر دیا۔ تو امام زین العابدین نے فرمایا کیا تو نے قرآن پڑھا ہے۔ بولا کہ ہاں آپ نے فرمایا حم (سورۃ الشوریٰ) بھی پڑھی ہے وہ بولا جب میں نے قرآن پڑھا ہے تو سورۃ شوریٰ بھی پڑھی ہے تو آپ نے فرمایا کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

وہ شخص بولا کہ کیا اہل قرابت آپ ہی لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا: ہاں۔

(رواہ ابن جریر، صواعق محرقہ ص ۶۸ھ، در منثور ص ۷ ج ۶، الشرف المؤبد ص ۷۱)

سوال:

اسماعیل بن عبد الرحمٰن سدی کی اس روایت کو بیان کرنے والے ابن جریر طبری ہیں جو کہ شیعہ ہیں لہٰذا یہ روایت غیر معتبر ہے۔

جواب:

ابن جریر دو ہیں ایک اہل سنت ہیں جن کی تفسیر ابن جریر مشہور ہے اور دوسرا شیعہ ہے۔ سدی کی مذکورہ روایت جو ابن جریر نے ذکر کی ہے یہ ابن جریر اہل سنت ہیں چنانچہ صاحب تفسیر مواہب الرحمٰن لکھتے ہیں کہ ابن جریر دو ہیں ایک اہل سنت ہیں جن کی تفسیر مشہور ہے) ابن جریر طبریؒ (المتوفی ۳۱۰ھ) کے زمانہ میں اس شہر میں ایک دوسرا شخص اسی نام کا تھا اور وہ بھی رسمی علم رکھتا تھا لیکن وہ در پردہ شیعہ تھا اور اس نے اپنے تقیہ (جھوٹ) سے لوگوں کو دھوکا دینا چاہا تھا لیکن اس سے نمازوں کا جماعت سے ادا کرنا اور دین کے شرائط پر قائم ہونا ٹھیک نہ ہو سکا بلکہ جمعہ و جماعت سے غافل رہتا اور طریقہ سنت پر قائم نہ ہو سکتا تھا جیسے کہ بدعتی اور منافقوں کا حال ہوتا ہے اور شراب کی لت بھی اس کے چھپائے نہ چھپ سکی آخر اس کا فسق و فجور کھل گیا اور لوگ اس کے بارے میں مختلف ہو گئے بعض اس کے ہوا خواہ رہے اور بہتوں نے اس کو ترک کیا جیسے کہ ہمیشہ دنیا کے لئے بدعتی کا حال ہوتا ہے کیونکہ جو بدعت قائم ہوئی وہ قیامت تک نہیں مٹے گی جیسے کہ حدیث شریف میں آگاہ کیا گیا ہے تو اس کی یہی صورت ہوتی ہے کہ بعضے بدطنیت اس کے ہوا خواہ باقی رہتے ہیں اسی طرح اس ابن جریر طبری شیعہ کے بھی ہوا خواہ کچھ لوگ باقی رہے جو مسلمانوں میں فساد ڈالنے کے واسطے اس کے خراب اقوال بیان کرتے رہے اور حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس شخص کا نام و حال صاف بیان کیا ہے اور یہی وہ ابن جریر طبری ہے جس نے کھلے پاؤں پر مسح کرنا جائز کہا

تھا اور تقیہ کر کے سنی بنا تھا۔ (تفسیر مواہب الرحمان ص ۳۰۲ پ ۲۶)

اس سے ظاہر ہے کہ ابن جریر طبری دو ہوئے ہیں ایک اہل سنت ہیں اور دوسرا شیعہ ہے اور ابن جریر نے جو سدی سے روایت ذکر کی ہے وہ ابن جریر اہل سنت ہیں لہٰذا سدی کی یہ مذکورہ روایت صحیح ہے جس کا معنی یہ ہے کہ آیت کریمہ "قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۔" میں اہل قرابت سے مراد علی، فاطمہ اور ان کی اولاد ہے۔

سوال:

یہ آیت کریمہ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۔ سورہ شوریٰ میں ہے جو کہ مکیہ ہے لہٰذا یہ آیت بھی مکی ہوئی ہے جب یہ مکہ میں نازل ہوئی تھی اس وقت تو حسنین کریمین پیدا بھی نہ ہوئے تھے بلکہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء کا نکاح بھی حضرت علی مرتضیٰ سے نہ ہوا تھا کیونکہ یہ نکاح جنگ بدر کے بعد ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا ہے اور یہ آیت کریمہ قبل از ہجرت مکہ میں نازل ہو چکی تھی لہٰذا امام زین العابدین کا یہ ارشاد کہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی ہے، کیسے صحیح ہوا۔

جواب:

یہ آیت اگرچہ مکہ میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم قیامت تک عام ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد جو قیامت تک ہونے والی ہے۔ تمام کو شامل ہے چنانچہ صاحب تفسیر مواہب الرحمان لکھتے ہیں کہ اگرچہ سبب نزول ایک امر خاص ہوتا ہے لیکن حکم آیت کا عام ہوتا ہے۔ جب آیت کریمہ کا حکم عام ہوا تو مطلب یہ بنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت تک اس حکم کے اعلان کا حکم دیا تھا کہ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۔ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کچھ اجرت

نہیں چاہتا لیکن تم میری قرابت سے مودت (محبت) رکھو چنانچہ اہل بیت علی، فاطمہ، حسن اور حسین مقدم ہیں۔ (تفسیر مواہب الرحمان ص ۵۸ پ ۲۵)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت کریمہ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ اگرچہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم عام ہے مکہ مکرمہ کے ساتھ تخصیص نہیں ہے جس جگہ جس زمانہ میں حضور کے اہل قرابت ہوں گے ان کو یہ حکم شامل ہوگا خواہ وہ مکہ میں ہوں یا مدینہ منورہ میں ہوں یا کسی اور جگہ ہوں یا اس کا جواب اس طرح سمجھیئے کہ آیت مؤدۃ اگرچہ مکہ میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم متاخر ہوا ایسے جیسے کہ سورحم السجدہ کی یہ آیت:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا
وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾

مکہ میں مؤذنین (اذان دینے والوں) کے حق میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم متاخر ہوا ہے کیونکہ اذان کی مشروعیت اور ابتداء مدینہ منورہ میں ہجرت کے پہلے سال ہوئی ہے، چنانچہ صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ اذان دینے والا بھی اس میں داخل ہے کیونکہ وہ دوسروں کو نماز کی طرف بلاتا ہے اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ آیت مؤذنوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس دعا الی اللہ کے بعد عمل صالحاً آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آذان و اقامت کے درمیان دو رکعت نماز پڑھ لے، علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

و عن عائشه رضی اللہ عنہا ما کنا نشك و ان هذا الایة
نزلت فی المؤذنین.

کہ ہم شک نہیں کرتے کہ یہ آیت اذان دینے والوں کے بارے میں اتری

ہے نیز دیگر تفاسیر میں بھی ہے کہ یہ آیت اذان دینے والوں کے حق میں اتری ہے۔ (تفسیر کشاف ص ۴۵۳ ۴، تفسیر ابی السعود ص ۱۴۱ ج ۸، مدارک التنزیل ص ۷۵ ۴، درمنثور ص ۳۶۴ ج ۵، احکام القرآن ابن العربی ص ۲۱۳ ج ۲ روح المعانی آلوسی ص ۱۲۲ ج ۲۴، سیرت حلبیہ ص ۱۰۰ ج ۲)

اب یہ آیت وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا الایۃ اگرچہ مکہ میں اتری ہے لیکن اس کا حکم مدینہ منورہ تک موخر ہوا ہے بلکہ قیامت تک عام ہے اسی طرح آیت مؤدۃ اگرچہ مکہ مکرمہ میں اتری ہے۔ لیکن اس کا حکم بھی مدینہ منورہ تک مؤخر ہوا ہے بلکہ قیامت تک عام ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے کہ آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے تبلیغ نبوت و رسالت پر کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر تم میرے اہل قرابت و اہل بیت سے محبت رکھو حضرت قبلہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آیت مؤدۃ میں مراد حضرات علیؑ، فاطمہ و حسنین علیہم السلام ہیں، یہ ضروری امر نہیں ہے کہ بروقت نزول آیت محکوم علیہ کے کل افراد موجود ہوں اور نہ یہ کہ اس وقت کے موجودہ افراد پر بھی حکم محصور ہو مثلاً بنی اسرائیل کے متعلق بعہد موسوی تورات میں پیشین گوئی مندرج تھی کہ تم دو دفعہ ارتکاب جرم و معاصی کرو گے اور سزا پاؤ گے اور پھر فرمایا:

وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝٨

ترجمہ: ”اور اگر پھر تم شرارت کرو تم ہم پھر عذاب کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کا قید خانہ بنایا ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے تیسری مرتبہ شرارت کی جیسے کہ یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تیسری مرتبہ شرارت کی تھی، تو ہم پھر عذاب دیں گے اس آیت میں یہود مدینہ بنو قریظہ اور بنو نضیر سے خطاب ہے جو نزول تورات کے کئی صدیوں کے بعد مدینہ منورہ میں موجود ہوئے اور ان کے لئے حکم باری تعالیٰ ہوا کہ وَاِنْ عُدْتُّمْ

عُدْنَا۔ یعنی اگر تم فساد کی طرف عود اور رجوع کرو گے تو ہم بھی سزا اور عذاب دیں گے اور چونکہ انہوں نے فساد کی طرف عود کیا اور حضور کی رسالت کو نہ مانا لہٰذا من جانب اللہ سزا دیئے گئے بنو قریظہ قتل کئے گئے اور بنو نظیر پر جزیہ عائد کیا گیا اور وطن سے نکالے گئے۔ اسی طرح الفاظ قربیٰ میں حسنین پاک علیہم السلام داخل ہیں گو وہ اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے اور آل کساء کے بارے میں بلحاظ قرابت کاملہ جو احادیث مسطورہ بالا نقل متواتر سے ثابت ہے، یہ کہنا کہ آیت مودۃ انہی کی شان میں نازل ہوئی، صحیح ٹھہرا۔

(تصفیہ مابین سنی و شیعہ ص ۶۱)

اس سے ظاہر ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جب کوئی آیت اترے اس کا حکم جن افراد پر ہو رہا ہے وہ تمام اس وقت موجود ہوں جیسے کہ یہ حکم وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا۔ بوقت نزول تورات یہود پر ہو رہا تھا لیکن جن یہود کے لئے حکم تھا وہ اس وقت تو موجود نہیں تھے یعنی بنو قریظہ اور بنو نضیر۔ یہ تو بعد میں ہوئے حکم پہلے تھا اسی طرح آیت مؤدۃ اگرچہ پہلے مکہ میں اتر چکی تھی اور حسنین کریمین بعد میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے تو یہ حکم آیت مؤدۃ کا ان کو شامل ہوا لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ آیت مؤدۃ آل کساء کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

سوال:

تبلیغ نبوت فرض ہے اور فرض کی ادائیگی پر اجرت کا مطالبہ نہیں ہوتا نیز اجرت کا مطالبہ شان نبوت کے خلاف ہے۔

جواب:

آیت کریمہ میں مستثنیٰ (اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ط) منقطع ہے یعنی اجراً پر پہلی کلام مکمل ہوگئی کہ میں نبوت پر کسی قسم کے اجر کا مطالبہ نہیں کرتا، کلام مکمل ہونے کے

بعد فرمایا:

اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ط

لیکن میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ میرے رشتہ داروں سے محبت رکھو گویا کہ یہاں دو حکم بیان فرمائے گئے پہلا یہ کہ میں نبوت و رسالت کی تبلیغ پر کسی قسم کا اجر وغیرہ نہیں مانگتا اور دوسرا یہ کہ میری اہل قرابت (علی، فاطمہ اور ان کی اولاد) کے ساتھ مؤدت اور محبت رکھو اب مستثنیٰ منقطع ہونے کی وجہ سے اس آخری حکم اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ط کا پہلے حکم لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ط سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے کیونکہ مستثنیٰ منقطع وہ ہوتا ہے جو مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو جیسے:

جاء فی القوم الاسدًا۔

میرے پاس قوم آئی مگر شیر نہیں آیا اس میں اسدًا مستثنیٰ ہے جو قوم کی جنس سے نہیں ہے گویا قوم پر کلام مکمل ہو گئی اس کے بعد کہا گیا:

الا اسداً اب اسد (شیر) کا قوم کے آنے سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے اسی طرح آیت مؤدت میں اجراً پر کلام مکمل ہو گئی اس کے بعد فرمایا:

اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ط

کہ میرے رشتہ داروں سے محبت رکھو لیکن اس کا ما قبل کلام اجرت وغیرہ سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے بلکہ یہ ایک علیحدہ کلام ہے کیونکہ مؤدت فی القربیٰ پہلی کلام لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ط کی جنس سے نہیں ہے۔ جب جنس سے نہیں ہے تو اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ط علیحدہ کلام ہے جس میں اہل قرابت کے ساتھ مؤدت اور محبت کا حکم فرمایا گیا ہے غرضیکہ آیت مؤدۃ میں اہل قرابت سے مراد علی، فاطمہ اور ان کی اولاد ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ ان کے ساتھ مؤدت اور پائیدار محبت رکھی جائے چنانچہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے بھی اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو

پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ جان لے کہ میں حسن ہوں اور فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ (آخر آیت تک) پھر فرمایا میں بشیر اور نذیر کا فرزند ہوں اور میں اہل بیت نبوت سے ہوں جن کی محبت و دوستی اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض فرمائی ہے اور اس بارے میں اس نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ نازل فرمائی۔ (صواعق محرقہ ص ۱۶۸)

اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام بھی سمجھتے تھے کہ اس آیت کریمہ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ کا حکم عام ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل قرابت اور اولاد کو شامل ہے اسی لئے امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمۃ الزہرا اور ان کی اولاد کے متعلق فرمایا کہ ان کی محبت میری محبت ہے بلکہ اپنے قریبی رشتہ داروں کے متعلق فرمایا جو ان کے ساتھ محبت نہیں رکھتا وہ مومن نہیں ہے چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عباس بن عبد المطلب سے روایت کی ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جب قریش باہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔

اور جب ہم سے ملتے ہیں تو ایسے منہ سے جیسا کہ اجنبی ہیں، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت غصہ آیا اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی انسان کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا جب تک وہ اللہ اور رسول کے واسطے تم لوگوں سے محبت نہ کرے۔ (تفسیر مواہب الرحمان ص ۵۹ پ ۲۵، مشکوٰۃ ص ۵۷۰)

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچاؤں اور دیگر قریبی رشتہ داروں سے اگر کوئی شخص محبت نہیں رکھتا وہ مومن نہیں ہو سکتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد، فاطمۃ الزہراء، حسین اور حسن

سے جو محبت نہیں رکھتا وہ کیسے مومن ہو سکتا ہے حضرت عبداللہ بن عمر (المتوفی ۷۳ھ) نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا کہ تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وخوشنودی کو آپ کی اہل بیت میں طلب کرو۔

(رواہ البخاری)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: واللہ صلہ قرابت رکھنے میں مجھے اپنی قرابت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت زیادہ محبوب ہے ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر کا جو حال تھا کہ خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر محبت کرتے تھے ایسا ہی ہر مسلمان کو ہونا چاہئے اسی واسطے حضرت ابوبکر وعمر بعد از انبیاء و مرسلین سب مومنوں سے افضل ہوئے ہیں۔ (تفسیر مواہب الرحمان ص ۶۰ پارہ ۲۵)

یہاں سے ظاہر ہوا کہ جو مسلمان اہل بیت رسالت سے زیادہ محبت رکھے گا اس کو دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ برتری حاصل ہو گی چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۳ھ) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (المتوفی ۲۴ھ) کو بعد از انبیاء تمام اہل ایمان پر فضیلت اس وجہ سے ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے زیادہ محبت رکھتے تھے اور ان کی زیادہ عزت وعظمت کیا کرتے تھے۔

غدیر خم کے مقام پر حضور کا خطبہ ارشاد فرمانا

امام احمد نے اپنی سند صحیح کے ساتھ یزید بن جان سے روایت کی ہے کہ حصین بن میسرہ نے زید بن ارقم (المتوفی ۶۶ھ) کو کہا کہ آپ نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے وہ ہم سے بھی بیان فرمایئے تو زید بن ارقم نے کہا کہ مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک تالاب ہے جس کو غدیر خم کہا جاتا ہے وہاں ایک روز (حجۃ الوداع کے

موقع پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے پس اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی اور نصیحت و وعظ فرمایا پھر فرمایا میں تم میں ثقلین (دو بھاری چیزیں) چھوڑنے والا ہوں ان دونوں میں سے اول کتاب اللہ ہے جس سے ہدایت و نور ہے، پس تم لوگ کتاب اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑو دوسری میری اہل بیت ہے میں تم کو اپنی اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔

(تفسیر مواہب الرحمان ص ۱۰ پ ۴۵)

اس خطبہ میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:-

کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہٗ و عاد من عاداہ۔ (مشکوۃ ص ۵۶۵)

ترجمہ: ”جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں خداوند! جو علی سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علی سے عداوت (دشمنی) رکھے اس سے تو بھی عداوت (دشمنی) رکھ۔“

اس سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کے ساتھ محبت اور دوستی رکھنا لازم ہے۔

ایک مرتبہ مولیٰ علی علیہ السلام نے حاضرین مجلس کو قسم دی اور فرمایا کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد من **کنت مولاہ فعلی مولاہ** سنا ہو وہ گواہی دے اس وقت انصار سے بارہ افراد موجود تھے جنہوں نے گواہی دی لیکن ایک شخص جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی اس نے گواہی نہ دی حضرت امیر کرم اللہ وجہہ (المتوفی ۴۰ھ) نے فرمایا کہ تم کیوں گواہی نہیں دیتے تم نے بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن رکھا ہے وہ بولا میں نے سنا تو ہے لیکن بھول گیا ہوں حضرت علی علیہ السلام نے دعا کی اے پروردگار اگر یہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کے چہرے پر برص کے نشان ظاہر کر دے جسے عمامہ بھی نہ ڈھانپ سکے

راوی کا بیان ہے کہ بخدا میں نے وہ شخص دیکھا ہے اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان برص (سفید داغ) کے نشان تھے۔

حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں میں بھی اس مجلس میں حاضر تھا میں نے بھی یہ حدیث سن رکھی تھی لیکن اس کی گواہی نہ دی بات چھپائے رکھی خداوند تعالیٰ نے مجھے بصارت سے محروم کر دیا کہتے ہیں وہ ہمیشہ گواہی نہ دینے پر اظہار شرمندگی کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش و مغفرت طلب کیا کرتے تھے۔ (شواہد النبوت ص ۳۹۳)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت علی کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان (**من کنت مولاہ فعلی مولاہ**) پر لوگوں سے شہادت اور گواہی کا مطالبہ کرنا گویا کہ لوگوں کے سامنے اس بات کا ظاہر کرنا ہے کہ علی کی محبت رسول کی محبت ہے اور علی سے دشمنی رسول سے دشمنی ہے اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھو کہ وہ تم کو اپنی نعمتوں سے پالتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے مجھ کو محبوب رکھو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت کو محبوب رکھو۔

(تفسیر مواہب الرحمان ص ۶۰ پ ۲۵)

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت کے ساتھ محبت رکھو! اب ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت فرض ہے چنانچہ قرآن پاک میں ہے اے رسول آپ فرما دیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ تجارت (سودا) جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسندیدہ مکان:

اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ
فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٤﴾

ترجمہ: "(یہ چیزیں) اللہ اور اس کے رسول اور اس کے راستہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو (انتظار کرو) یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت (راہ) نہیں دیتا۔"

اس آیت سے ثابت ہے کہ ہر مسلمان پر اللہ اور اس کے رسول کی محبت فرض عین ہے کیونکہ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! جب تم ایمان لے آؤ ہو اور یہ بھی کہتے ہو کہ ہماری اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت ہے تو اب اس کے بعد اگر تم کسی دنیاوی چیز یا کسی غیر کی محبت کو اللہ اور اس کے رسول کی محبت پر ترجیح دو گے تو خوب سمجھ لو کہ تمہارا ایمان اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت کا دعویٰ بالکل غلط ہو گا اور تم عذاب الٰہی سے ہرگز نہ بچ سکو گے۔ آیت کریمہ کے آخری حصہ سے بالکل بات ظاہر ہے کہ جس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت نہیں ہے یا مذکورہ اشیاء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر ترجیح دیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہے بلکہ کافر ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ' اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب اور پیارا نہ ہو جاؤں۔ (بخاری ص ۷ ج، مشکوٰۃ ص ۱۲)

حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتنی محبت ہے تو آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے مال' ہماری اولاد' ہمارے باپ' ہماری ماں اور سخت پیاس کے وقت پانی سے بھی بڑھ کر ہمارے نزدیک محبوب ہیں۔ (شفا شریف ص ۱۸ ج ۲)

غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت عین ایمان ہے تمام فرائض اور جملہ اعمال حسنہ کی مقبولیت کا مدار بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے اسلام کے فرائض میں سے سب سے اہم تو نماز ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت قطعاً نماز سے بھی اہم ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے

ہوتا ہے کہ غزوہ خیبر کی واپسی میں منزل صہبا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز عصر پڑھ کر مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے زانوئے مبارک پر سر اقدس رکھ کر آرام فرمایا مولیٰ علی نے ابھی نماز عصر نہ پڑھی تھی آنکھ سے دیکھ رہے تھے کہ وقت جا رہا ہے جب وقت اور تنگ ہونے پر آیا، مضطرب ہوئے کہ اگر اٹھتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند میں خلل آتا ہے اور اگر بیٹھا رہتا ہوں تو نماز جاتی ہے آخر محبت کا پہلو غالب آیا آپ نے نماز عصر قضاء ہونے کو گوارا کر لیا مگر زانو مبارک نہ ہٹایا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اب وقت مغرب ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے مولیٰ علی کو مضطرب پایا سبب دریافت فرمایا مولا علی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے نماز عصر نہیں پڑھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کی بارگاہ میں عرض کی اے اللہ، علی'' تیرے رسول کے کام میں تھا اور سورج کو حکم دیا پلٹ آ۔ فوراً ڈوبا ہوا سورج واپس آیا وقت عصر ہو گیا مولا علی نے نماز عصر ادا فرمائی پھر سورج ڈوب گیا۔ اس سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و عظمت نماز سے بھی زیادہ اہم ہے۔

سوال:

ابن جوزی نے اس حدیث پر جرح کی ہے اور اس حدیث کو صرف ضعیف ہی نہیں کہا بلکہ موضوع (من گھڑت) کہا ہے۔

جواب:

یہ حدیث نہ ضعیف ہے اور نہ ہی موضوع ہے بلکہ صحیح ہے اور ابن جوزی[1] کے

---

[1] ابن جوزی (المتوفی ۶۵۴ھ) لکھتے ہیں کہ میرے نانا کا اس حدیث کو موضوع کہنا دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ یہ حدیث دیگر طرق سے بھی مروی ہے جس میں وہ راوی نہیں ہیں جن پر میرے نانا نے اعتراض کیا ہے کیونکہ میرے نانا نے فضل مرزوق والی سند پر اعتراض کیا ہے اور ابن عقدہ =

نواسے ابن جوزی نے جو جرح کی ہے وہ غلط اور بے بنیاد ہے چنانچہ بدر الدین عینی (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ علامہ ابن جوزی کی اس حدیث پر جرح غیر معتبر ہے اور ابوجعفر طحاوی (المتوفی ۳۲۱ھ) نے اس حدیث کی اسناد کے متعلق کہا ہے: هذان الحديثان ثابتان و رواتهما ثقات کہ یہ دونوں حدیثیں (یعنی دونوں سندوں کے ساتھ) ثابت ہیں اور ان کے راوی ثقہ (مضبوط) ہیں۔

(عمدۃ القاری ص ۱۴۶ ج ۷)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں کہ علامہ ابن جوزی کی اس حدیث پر جرح غلط ہے اور یہ حدیث (رد شمس) صحیح ہے۔

(مدارج النبوت ص ۲۵۴ ج ۲)

اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفی ۱۱۷۶ھ) نے ازالۃ الخفاء میں علامہ محمد بن یوسف دمشقی کی کتاب مزیل اللبس عن رد الشمس کی یہ عبارت ذکر کی ہے:

> اعلم ان هذا الحديث رواه الطحاوی فی كتابة
> شرح مشكل الاثار عن اسماء بنت عميس رضی اللہ عنہا
> من طريقين فقال هذا ان الحديثان ثابتان و

= کے متعلق کہا ہے کہ وہ متہم اور رافضی ہے سبط ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ حدیث دوسرے طریقے سے صحیح ہے جس سند میں طالوت بن عباد ہے کہ اس سند میں کوئی راوی بھی ضعیف نہیں ہے بلکہ تمام ثقہ اور صحیح ہیں نیز ابن عقدہ کے متعلق میرے نانا کا یہ کہنا کہ وہ رافضی ہے یہ بھی غلط ہے کیونکہ ابن عقدہ مشہور عادل ہے وہ اہل بیت رسول کے فضائل میں حدیثیں روایت کرتا ہے اس کو رافضی کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ (تذکرہ الخواص ص ۵۴)

بہرصورت سبط ابن جوزی کہتے ہیں کہ ہر صورت میں حدیث رد شمس صحیح ہے سورج کا واپس لوٹانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے اور حضرت علی کی کرامت ہے۔ ۱۲ (مفتی غلام رسول)

رواتها ثقات۔

یعنی تم جان لو کہ اس حدیث کو ابو جعفر طحاوی نے اپنی کتاب مشکل الآثار میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں اور ان دونوں کے روایت کرنے والے ثقہ ہیں اور اس حدیث کو قاضی عیاض (المتوفی ۵۴۴ھ) نے شفا میں اور حافظ ابن سید الناس (المتوفی ۷۳۴ھ) نے بشریٰ اللبیب میں اور حافظ علاء الدین مغلطائی (المتوفی ۷۶۲ھ) نے اپنی کتاب الزہد میں نقل کیا ہے اور ابو الفتح ازدی (المتوفی ۳۲۸ھ) نے بھی اس حدیث کو صحیح بتایا ہے اور ابو زرعہ عراقی ۲۶۴ھ) اور علامہ جلال الدین سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) نے الدر المنتشرہ میں اس حدیث کو حسن بتایا ہے۔ اور حافظ احمد بن صالح (المتوفی ۲۴۸ھ) نے فرمایا کہ تم کو یہی کافی ہے اور علماء کو اس حدیث سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے کیونکہ یہ نبوت کے بہت بڑے معجزات میں سے ہے اور حدیث کے حفاظ نے اس بات کو برا جانا ہے کہ ابن جوزی نے اس حدیث کو کتاب الموضوعات میں ذکر کیا ہے۔

پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی (المتوفی ۱۳۵۶ھ) ابن جوزی کے متعلق لکھتے ہیں کہ ابن جوزی اور اس کی کتاب الموضوعات دونوں ہی غیر معتبر ہیں چنانچہ ابن اثیر (المتوفی ۶۳۰ھ) نے تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ کان کثیر الوقیعة فی الناس کہ ابن جوزی کی زبان سے کوئی بھی نہیں چھوٹا اسی طرح ابو الفداء ایوبی (المتوفی ۷۳۲ھ) نے مختصر فی اخبار البشر میں کہا ہے اور ابو محمد عبد اللہ بن اسعد یافعی نے مراۃ الجنان میں لکھا ہے کہ ۵۹۵ھ میں ابن جوزی کو واسط کے قید خانہ سے پانچ سال بعد نکالا گیا اور اس ذلت و رسوائی کا باعث اس کا انکار تھا اہل اللہ و مشائخ عصر پر بالخصوص قطب الاولیاء و تاج المفاخر الذی خضعت لقدمہ رکاب الاکابر الشیخ محی الدین

عبد القادر قدس اللہ روحہ ونور ضریحہ وانکار ابن الجوزی علیہ وعلی غیرہ من الشیوخ اہل المعارف والنور من جملتہ الخذلان وتلبیس الشیطان والغرور حافظ ذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) میزان اعتدال میں لکھتے ہیں کہ راوی ابان بن یزید العطار کو احمد بن حنبل (المتوفی ۲۴۱) یحییٰ بن معین (المتوفی ۲۳۳ھ) اور نسائی (المتوفی ۳۰۳ھ) نے ثقہ کہا ہے لیکن ابن جوزی اس کو ضعیف کہتا ہے یہ ابن جوزی میں عیب ہے کہ وہ کسی کا ذکر خیر نہیں کرتا' نیز ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ **و قلت له و هم کثیر فی توالیفه** کہ ابن جوزی اپنی تصنیفات میں کثیر الغلط سیئ الحفظ اور وہمی تھا ابن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲) لسان المیزان میں لکھتے ہیں کہ ابن جوزی صحیح اور غیر صحیح میں فرق نہیں کرتا علامہ ابن صلاح (المتوفی ۶۴۳) اپنی کتاب علوم الحدیث میں لکھتے ہیں کہ وہ احادیث جن کے موضوع ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے ابن جوزی نے ان کو موضوعات میں رکھ دیا ہے اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی (المتوفی ۷۷۴ھ) اپنی کتاب الباعث الحثیث میں لکھتے ہیں کہ ابن جوزی نے الموضاعات میں صحاح کو موضوعات میں رکھ دیا ہے علامہ سخاوی (المتوفی ۹۰۲) نے فتح المغیث میں لکھا ہے کہ ابن جوزی نے بخاری (المتوفی ۲۵۶) اور مسلم (المتوفی ۲۶۱ھ) کے حسان وصحاح کو بھی موضوعات شمار کر دیتا ہے علامہ سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) تدریب الراوی میں لکھتے ہیں کہ ابن جوزی کتاب الموضوعات میں غیر موضوع کو موضوع قرار دیتا ہے۔

(تصفیہ ما بین سنی وشیعہ ص ۶۷_۷۱)

اس سے ظاہر ہے کہ ابن جوزی جرح کرنے میں نہایت متشدد ہے اس کی زبان سے کوئی بھی نہیں چھوٹا یہ خود بھی غیر معتبر ہے اور اس کی کتاب الموضوعات بھی غیر معتبر ہے لہٰذا حدیث رد شمس کے متعلق جو اس نے کہا ہے کہ یہ موضوع ہے یہ غلط ہے بلکہ حدیث رد شمس صحیح ہے متعدد علماء محدثین نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور اس پر

ابن جوزی (المتوفی ۵۹۷ھ) نے جو جرح کی ہے وہ غلط ہے یہ حدیث صحیح ہے اور تمام محدثین اس کو صحیح کہہ رہے ہیں نیز درج ذیل محدثین نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے طبرانی (المتوفی ۳۶۰ھ) حاکم (المتوفی ۴۰۵ھ) خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۲ھ) حافظ ابن مردویہ (المتوفی ۴۱۰) علامہ قسطلانی (المتوفی ۹۲۳ھ) علامہ عبدالباقی زرقانی (المتوفی ۱۱۲۸ھ) اور ابن حجر مکی نے بھی اس حدیث کو صواعق محرقہ ص ۱۲۶ میں ذکر کیا ہے اور ان اکابر آئمہ کا ذکر کیا ہے جو اس کی صحت کے قائل ہوئے ہیں اور پھر ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا کہ ہمارے مشائخ کی ایک جماعت نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ عراق میں علامہ ابومنصور المظفر بن ازدی کی مجلس وعظ میں حاضر تھے وہ عصر کے بعد اسی حدیث ردشمس اور اہل بیت کے فضائل بیان فرما رہے تھے کہ آسمان پر اس قدر بادل چھا گئے کہ انہوں نے سورج کو چھپا لیا یہاں تک کہ لوگوں کو گمان ہوگیا کہ سورج غروب ہو گیا ہے دفعتہً علامہ موصوف نے منبر پر کھڑے ہو کر سورج کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اے سورج جب تک میں مدح آل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختم نہ کروں ہرگز غروب نہ ہونا جب تک میں ان کی صفت وثناء کروں تو بھی اپنی باگ موڑے رکھا اے سورج کیا تو بھول گیا ہے کہ جب تو ان کے واسطے لوٹ آیا تھا اور غروب ہونے سے ٹھہر گیا تھا تو چاہئے کہ اس وقت بھی ان کی اولاد اور نسل کے لئے غروب ہونے سے توقف کر، فرماتے ہیں کہ بادل فوراً ہٹ گیا اور سورج صاف طور پر نظر آنے لگا۔ بہرصورت حدیث ردشمس سند ومتن کے لحاظ سے صحیح ہے جس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت نماز سے بھی زیادہ اہم ہے نیز بخاری شریف میں سعید بن معلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یاد فرمایا میں نے جواب نہ دیا جب میں نماز سے فارغ ہوا تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا (اب فارغ ہو کر حاضر بارگاہ ہوا ہوں) حضور نے ارشاد فرمایا: کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا:

اَسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ

ترجمہ: "اللہ اور رسول کے پاس حاضر ہو جاؤ جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی۔"

اس سے بھی ثابت ہوا کہ اگر آدمی نماز پڑھ رہا ہو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بلائیں تو بلا تاخیر نماز چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اس سے جیسے یہ ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و محبت نماز سے زیادہ اہم ہے اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و عظمت فرض عین ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! میری محبت کی وجہ سے میری اہل بیت کے ساتھ محبت رکھو جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و عظمت فرض ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کی محبت و عظمت بھی فرض ہے، جس طرح حضور کا ادب و احترام فرض ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کا ادب و احترام بھی فرض ہے۔ قاضی عیاض (المتوفی ۵۴۴ھ) لکھتے ہیں کہ اس پر تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرنے والا یا ان کی ذات یا ان کے خاندان یا ان کے دین یا ان کی کسی خصلت (مبارکہ) میں نقص بتانے والا یا اس کی طرف اشارہ کنایہ کرنے والا یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بدگوئی کے طریقے پر کسی چیز سے تشبیہ دینے والا یا آپ کو عیب لگانے والا یا آپ کی شان کو چھوٹی بنانے والا یا آپ کی تحقیر کرنے والا، بادشاہ اسلام کے حکم سے قتل کر دیا جائے گا اور وہ مرتد قرار دیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اس مسئلہ میں علمائے امصار اور سلف صالحین کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایسا شخص کافر قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اطہار کی شان میں تنقیص کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے والا ملعون ہیں۔ (شفا شریف ص ۴۲۶ ج ۲)

اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین یا تنقیص شان کرتا ہے وہ معلون ہے اہل بیت کا ادب و احترام بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ضروری اور

لازم ہے۔

امام حسن اور معاویہ بن خدیج کا مکالمہ

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں میرے اہل بیت کے حقوق کے بارے میں کوتاہی نہ کرنا یہ بھی فرمایا کہ حسین سے جو لڑے اس سے میں لڑنے والا ہوں اور یہ بھی فرمایا: اشتد غضب الله علی من آذانی فی عترتی۔ کہ اللہ کا اس شخص پر سخت غضب ہے جو مجھے میری اولاد کے بارے میں اذیت اور تکلیف دیتا ہے نیز فرمایا خدا کی قسم ہم اہل بیت سے جو شخص بغض رکھے گا اسے اللہ تعالیٰ ضرور دوزخ میں داخل کرے گا۔ (فتاوی مظہری ص ۳۱۴)

علامہ علی احمد شلبی لکھتے ہیں کہ طبرانی (المتوفی ۳۶۰ھ) نے اپنی کتاب الاوسط میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہمارے اہل بیت کے ساتھ جو بغض اور حسد رکھے گا وہ قیامت کے دن حوض کوثر سے کوڑوں کے ساتھ دفع کیا جائے گا۔

(سیدہ زینب ص ۲۰)

اہلِ بیت کی توہین کرنے والا منافق ہے

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں کہ معاویہ بن خدیجہ (یہ بھی امیہ خاندان سے تھا) حضرت مولیٰ علی علیہ السلام پر سب وشتم کیا کرتا ایک مرتبہ یہ مدینہ منورہ آیا اور وہاں حضرت امام حسن علیہ السلام اور آپ کے چند اصحاب بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی نے امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور یہ معاویہ بن خدیج ہے جو مولیٰ علی کو سب وشتم کرتا ہے آپ نے فرمایا اس کو بلاؤ جب معاویہ بن خدیج کو بلایا گیا وہ

حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم معاویہ بن خدیج ہو اس نے کہا کہ ہاں میں معاویہ بن خدیج ہوں' حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کیا تم حضرت علی علیہ السلام کو سب وشتم (گالی گلوچ) کرتے ہو یہ سن کر معاویہ بن خدیج نہایت شرمندہ ہوا پھر امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں قیامت کے دن حضرت علی علیہ السلام حوض کوثر پر ہوں گے اور وہاں سے منافقوں کو دفع کر رہے ہوں گے اور قیامت کے دن تم کو بھی حضرت علی علیہ السلام سے واسطہ پڑے گا تم بھی اپنی پیاس بجھانے کے لئے حضرت علی علیہ السلام کے پاس جاؤ گے اور تم ان کے محتاج ہو گے۔ (تمہیں کچھ شرم ہونی چاہئے)

(فتاوی عزیزیہ ص ۳۲۷)

اس سے ثابت ہوا کہ قیامت کے دن حوض کوثر پر حضرت مولیٰ علی علیہ السلام متعین ہوں گے آپ مسلمانوں کو حوض کوثر کی طرف جانے کی اجازت دیں گے اور منافقوں کو حوض کوثر کی طرف جانے کی اجازت نہیں دیں گے' امام حسن علیہ السلام نے معاویہ بن خدیج سے کہا کہ تمہیں مولیٰ علی علیہ السلام کی توہین کرتے ہوئے شرم ہونی چاہئے قیامت کے دن تم ان کے محتاج ہو گے اگر تمہارا یہی رویہ رہا تو تم منافقوں میں شمار ہو گے اور مولیٰ علی علیہ السلام تم کو حوض کوثر کے قریب تک نہ جانے دیں گے چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی یہ بھی لکھتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام نے (معاویہ بن خدیج سے) کہا اور مجھ کو گمان نہیں کہ تم حوض پر وارد ہو گے اس واسطے کو ان (مولیٰ علی) کو برا کہنے سے تم فاسق اور بدعتی ہو گئے اور فاسق اور بدعتی حوض (کوثر) پر وارد نہ ہو سکیں گے۔ (فتاوی عزیزیہ ص ۲۲۷)

نیز شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (المتوفی ۱۱۳۹ھ) لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے کبھی حضرت علی کے متعلق شکوہ وشکایت نہیں کیا اس کی کیا وجہ ہے تو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضرت علی کے متعلق سنا

ہے آپ نے فرمایا:

> ما ترضی ان تکون منی[1] منزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: "کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے نزدیک ایسے ہو جاؤ جیسے کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھے سوائے نبوت کے کیونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

چونکہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو اہل بیت کی حفاظت کیلئے مدینہ منورہ رہنے کا حکم دیا تو حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم

---

[1] حدیث پاک میں لفظ من دونوں جگہ ابتدائیہ اتصالیہ ہے ابتدائیہ محضہ نہیں ہے اس کا متعلق یا تو فعل خاص سے ہوگا جیسے کہ علامہ طیبی (المتوفی ۷۴۳ھ) نے شرح مشکوٰۃ میں ذکر کیا ہے کہ منی متبداء کی خبر ہے اور من اتصالیہ ہے اور خبر کا متعلق خاص ہے اور باء زائدہ ہے: ای انت متصل بی. کہ اے علی تم میرے ساتھ اس طرح متصل ہو جیسے کہ حضرت ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ متصل تھے یعنی جیسے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا اس طرح تمہارا تعلق میرے ساتھ ہے یا اس کا متعلق فعل عام ہوگا جیسے کہ سید سیر شریف (المتوفی ۸۱۶ھ) نے شرح مفتاح کے حواشی میں ذکر کیا ہے:

ای انت منزلة کائنة منی کمنزلة هارون.

اب حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ اے علی تمہارا وجود میرے نزدیک اس طرح ہے جیسے کہ ہارون کا وجود حضرت موسیٰ کے نزدیک تھا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر تشریف لے جاتے تو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا جاتے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جب جنگ پر تشریف لے گئے تو اپنے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنا گئے تاکہ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کریں بایں وجہ حضور نے تشبیہ دے کر فرمایا جو مقام حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں تھا وہی مقام تمہارا ہماری بارگاہ میں ہے۔ ۱۲ مفتی غلام رسول (لندن)

اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم میرے نزدیک اس طرح ہو جاؤ جیسے کہ ہارون حضرت موسیٰ کے نزدیک تھے نیز سعد بن ابی وقاص نے کہا کہ میں نے جنگ خیبر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا عطین الرایۃ غدا رجلاً یفتح اللہ علی یدیہ
یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ۔

(بخاری ج ۲ غزوہ خیبر)

ترجمہ: ”کل میں اس آدمی کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے گا
وہ اللہ و رسول کا محب بھی ہے اور محبوب بھی۔“

راوی نے کہا کہ لوگوں نے یہ رات بڑے اضطراب میں گزاری کہ دیکھئے کل جھنڈا کس کو دیا جاتا ہے تو سعد نے کہا پھر تو ہم لوگ سر اٹھا کر دیکھنے لگے یعنی منتظر تھے کہ کس کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے پاس علی کو بلاؤ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بلائے گئے اور اس وقت آپ کی آنکھیں دکھتی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنے دہن مبارک کا تھوک ڈال دیا اور دعا فرمائی تو فوراً انہیں ایسی شفا حاصل ہوگئی کہ گویا کہ انہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ (زرقانی ص ۲۲۲)

اور سعد بن ابی وقاص نے یہ بات بھی کہی کہ جب آیت (مباہلہ) نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو بلایا اور کہا:

اللھم ھولاء اھل بیتی۔ (فتاوی عزیزیہ ص ۱۱۵)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود سنا ہے کہ وہ حضرت علی کے متعلق یہ ارشادات مذکورہ فرما رہے تھے۔

تو اب میرے لیے کب جائز ہے کہ میں آپ کے متعلق شکوہ شکایت یا چہ

مگوئیاں کروں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو اہل بیت اطہار کی شان میں تنقیص کرتا ہے یا توہین کرتا ہے وہ منافق ہے۔ قیامت کے دن حوض کوثر پر نہیں جا سکے گا۔ علامہ مستغفری نے ایک صالح شخص سے روایت کی ہے کہ اس کا بیان ہے کہ ایک رات میں نے دیکھا کہ قیامت برپا ہے اور تمام مخلوق مقام حساب پر جمع ہے میں پل صراط کے نزدیک پہنچا اور وہاں سے گزر گیا اچانک میری نظر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی جو حوض کوثر کے کنارے جلوہ فگن ہیں اور حضرت حسنین لوگوں کو پانی پلا رہے ہیں میں بھی ان کے پاس گیا اور پانی کے لیے عرض کی لیکن انہوں نے مجھے پانی نہ دیا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ انہیں فرمائیے مجھے پانی پلائیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تجھے پانی نہیں دیں گے میں نے عرض کی کیوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے فرمایا تمہارے پڑوس میں ایک شخص رہتا ہے جو علی علیہ السلام کی بدگوئی کرتا ہے اور تو اسے منع نہیں کرتا میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جان سے نہ مار دے اس لیے مجھے اس کو منع کرنے کی طاقت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک چھرا دیا اور فرمایا جاؤ اسے قتل کر دو میں نے خواب میں ہی اسے قتل کر دیا اور واپس حضور کی خدمت میں چلا آیا اور عرض کی حضور میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل و تکمیل کر دی ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے حسن اسے پانی دو حضرت حسن علیہ السلام نے مجھے پانی دیا میں نے پیالہ پکڑا لیکن مجھے پتہ نہیں کہ میں نے پانی پیا یا نہیں اس کے بعد خواب سے بیدار ہو گیا میں نے اسی خوف کی حالت میں وضو کیا اور نماز ادا کرنے میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ لوگوں میں کہرام مچا ہوا تھا کہ فلاں شخص کو آج سوتے میں ہی قتل کر دیا گیا ہے اور حاکم وقت کے اہلکار آ کر بے گناہ ہمسائیوں کو پکڑ کر لے گئے میں نے دل میں کہا سبحان اللہ یہ خواب تو میں نے دیکھا ہے جو خدا تعالیٰ نے سچ کر دیا ہے۔ پھر میں اٹھ کر حاکم کے پاس گیا اور کہا کہ یہ کام تو میں نے کیا ہے اور یہ لوگ بالکل بے گناہ ہیں۔ حاکم نے کہا کہ

ظالم یہ کیا کہتے ہوئے میں نے کہا: یہ خواب میں نے دیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے سچا کر دیا ہے میرا بھی کیا گناہ ہے پھر میں نے وہ خواب حاکم کو سنایا جس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے اٹھ اور چلا جا تو اور یہ سب لوگ بے گناہ ہیں۔ (شواہد النبوت ص ۲۹۸)

ثابت ہوا کہ جو شخص حضرت علی علیہ السلام یا دیگر اہل بیت کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے قیامت کے دن اس کو حوض کوثر پر نہیں جانے دیا جائے گا اور نہ ہی اس کو حوض کوثر سے پانی دیا جائے گا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے علی کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا اور جس نے مجھے محبوب رکھا اس نے اللہ کو محبوب رکھا:

و من ابغض علیا فقد ابغضنی و من ابغضنی فقد ابغض اللہ۔

ترجمہ: ”اور جس نے علی سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ سے بغض رکھا۔“

(مستدرک ص ۱۳۰ ج ۳)

ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق اچھی گفتگو نہیں کر رہا تھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے تو علی کو پہچانتا نہیں ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے بیٹے ہیں۔

وا شارا الی قبرہ ﷺ واللہ ما اذیت الا ھذا فی قبرہ۔

ترجمہ: ”اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ خدا کی قسم تو نے حضرت علی علیہ السلام کے متعلق ناشائستہ گفتگو کر کے ان کو تکلیف پہنچائی ہے جو اس قبر میں آرام فرما رہے ہیں۔“

ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ دونوں حضرات اہل بیت رسول کا انتہائی احترام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت امام حسن ؑ حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد خلافت میں ان کے دروازے پر تشریف لے گئے اور وہاں جا کر دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر دروازہ پر کھڑے تھے اور حاضر ہونے کا اذن مانگ رہے ہیں اور اتفاق سے ان کو حاضر ہونے کی اجازت نہ ملی حضرت حسن ؑ یہ خیال کر کے واپس چلے گئے کہ جب انہوں نے اپنے بیٹے کو اجازت نہیں دی تو مجھے کب دیں گے۔ حضرت عمر فاروق ؓ کو معلوم ہوا کہ امام حسن ؑ اس خیال سے واپس چلے گئے ہیں تو حضرت عمر فاروق ؓ ان کے پاس گئے اور عرض کیا کہ مجھے آپ کے تشریف لانے کی اطلاع نہ ہو سکی۔ حضرت امام حسن ؑ نے فرمایا کہ میں اس خیال سے واپس آ گیا کہ جب آپ نے اپنے بیٹے کو اجازت نہیں دی تو مجھے کب دیں گے۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا کہ آپ اس سے زیادہ مستحق اذن ہیں:

وھل انبت الشعر فی الراس بعد اللہ الا انت۔

ترجمہ: "اور یہ بال سر پر اللہ تعالیٰ کے بعد کس نے اگائے سوائے تمہارے۔" (صواعق محرقہ ص ۱۷۷)

یعنی تمہاری بدولت ہی راہ ہدایت ملی اور تمہاری برکت سے ہی اس مرتبہ کو پہنچے نیز حضرت عمر فاروق ؓ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ تشریف لایا کریں تو بغیر اجازت تشریف لایا کریں۔

امام احمد نے براء بن عازب (المتوفی ۶۷ھ) سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ غدیر خم میں قیام پذیر ہوئے تو آپ نے حضرت علی ؑ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دو مرتبہ فرمایا تم نہیں جانتے ہو کہ میں ہر مومن کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ عزیز

اور پیارا ہوں سب نے کہا ہاں تو فرمایا:

اللھم[1] من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔

---

[1] سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ جب حضور ﷺ حجۃ الوداع سے فارغ ہوئے تو غدیر خم کے مقام پر صحابہ کرام کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے فرمایا:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔

یہ حدیث صحیح ہے نیز سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ ابو اسحاق ثعلبی (المتوفی ۴۲۷ھ) نے اپنی تفسیر میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضور کا یہ ارشاد "**من کنت مولاہ فعلی مولاہ**" شہروں اور گاؤں میں لوگوں کے پاس پہنچا تو حارث بن نعمان الفہری اپنی ناقہ پر سوار ہوا اور مدینہ منورہ آیا اور اپنی ناقہ کو مسجد کے دروازے پر بٹھایا پھر مسجد میں داخل ہوا اور حضور ﷺ کو کہنے لگا: یارسول اللہ ﷺ آپ نے ہم کو حکم کیا کہ کلمہ پڑھو ہم نے کلمہ توحید پڑھا آپ نے ہم کو کہا کہ پانچ نمازیں پڑھو، روزے رکھو، زکوٰۃ دو اور حج کرو ہم نے نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے، زکوٰۃ دی، حج کیا آپ ان باتوں پر راضی نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ نے علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔

آپ نے اپنے بھائی کو تمام لوگوں پر فضیلت دی آپ کا یہ کہنا اپنی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ راوی نے کہا کہ حضور ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا آپ نے فرمایا: **واللہ الذی لا الہ الا ھو**۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے میری طرف سے نہیں ہے آپ نے یہ تین دفعہ فرمایا۔ حارث یہ سن کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ یہ جو کہہ رہے ہیں اگر یہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر یا **عذاب الیم** اتار۔ راوی کہتا ہے اللہ کی قسم ابھی وہ اپنی ناقہ تک نہیں پہنچا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر گرا جو اس کے سر پر پڑا اور دُبر (پاخانہ کی جگہ) سے نکل گیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ اتاری:

سال سائل بعذاب واقع للکافرین۔ (تذکرۃ الخواص ص ۳۷)

سوال یہ کہ سورۃ مکی ہے اور واقعہ حارث تو مدینہ سے متعلق ہے لہٰذا یہ واقعہ صحیح نہیں ہے جواب یہ کہ واقعہ صحیح ہے بڑے بڑے محدثین اس کو ذکر کر رہے ہیں رہی یہ بات کہ سورۃ مکی ہے =

اے اللہ! جس کا میں دوست ہوں اس کا علی بھی دوست ہے۔ اے اللہ اس سے محبت رکھ جو علی سے محبت رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن ابی طالب تم صبح و شام خوش رہو اور تمہیں ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت کا دوست اور محبوب ہونا مبارک ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۵۶۵، البدایہ والنہایہ ص ۳۵۰ ج ؟؟)

حضرت علی علیہ السلام ہر مومن کے مولیٰ ہیں

ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس دو دیہاتی لڑتے ہوئے آئے آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے فیصلہ کر دیا تو ان میں سے ایک نے کہا یہ کیا فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان، تو یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کا گریبان پکڑ کر فرمایا جانتا ہے یہ کون ہیں **ھذا مولاك و مولیٰ کل مؤمن** کہ یہ تیرے مولیٰ ہیں اور ہر مومن کے مولیٰ ہیں جس کے یہ مولیٰ نہیں ہیں وہ مومن نہیں۔ (صواعق محرقہ ص ۱۷۷)

= تو اس کا جواب یہ ہے اگرچہ یہ سورۃ مکہ میں اتری ہے لیکن اس کا حکم متاخر ہوا ہے جیسے کہ ہم پہلے آیت مؤدۃ کی بحث میں ذکر کر آئے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مکہ میں بھی اتری ہو اور مدینہ منورہ میں بھی جیسے کہ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** ایک مرتبہ مکہ میں اتری ہے اور ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں اتری ہے۔ غرضیکہ حدیث **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** صحیح ہے حسان بن ثابت جو کہ صحابی رسول ہونے کے علاوہ شاعر رسول بھی ہیں وہ بھی فرماتے ہیں: **فمن کنت مولاہ فھذا ولیہ**۔ قیس بن سور بن عبادہ انصاری نے مقام صفین میں حضرت علی کی شان میں کہا ہے:

یوم قال النبی من کنت مولاہ فھذا مولاہ۔ ۱۲ (تذکرہ الخواص ص ۳۹)

مفتی غلام رسول (لنڈن)

حضرت عمر فاروق فرمایا کرتے تھے:

لا یفتین احد فی المسجد و علی حاضر۔

ترجمہ: ”حضرت علی علیہ السلام کی موجودگی میں کوئی شخص مسجد میں فتویٰ نہ دیا کرے۔“

(الاستعیاب ص ۴۷۵ ج ۲)

ابی حزن بن اسود سے روایت ہے کہ ایک مجنونہ عورت نے نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ جنا لوگوں نے اس پر زنا کا الزام لگایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ چھ ماہ کے بعد بھی بچہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ (القرآن پ ۲۶)

ترجمہ: ”اور بچہ کے حمل میں رہنے اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے۔“

یعنی دودھ چھڑانے کی مدت دو سال (۲۴ ماہ) ہے اور حمل میں رہنے کے ۶ ماہ ہیں کل تیس ماہ ہوئے نیز مجنون مرفوع القلم ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے رجم کا حکم واپس لے لیا اور فرمایا:

لو لا علی لھلك عمر۔

ترجمہ: ”اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔“ (الاستیعاب ص ۴۷۴ ج ۲)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اس وقت حضرت علی نہ ہوتے تو میں (عمر) ایک بے گناہ عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دینے کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کا ہر لحاظ سے احترام کرتے اور ہر معاملہ میں ان کو ترجیح دیتے اور لوگوں کو بھی کہتے کہ اہل بیت رسول کی عزت و احترام

کرو اور ان کو تکلیف وغیرہ دینے سے بچو۔ حافظ ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا تھا:

لا یحبك الا مومن ولا یبغضك الا منافق۔

ترجمہ: "تجھ سے محبت نہیں رکھے گا مگر مومن اور بغض نہیں رکھے گا مگر منافق۔" (البدایہ والنہایہ ص ۳۵۵ ج ۷)

حضرت ابو سعید خدری (المتوفی ۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ ہمارے صحابہ کرام کے نزدیک حضرت علی علیہ السلام سے بغض رکھنا منافق کی علامت تھی۔ بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت کے ساتھ محبت رکھنا فرض اور ان کا ادب و احترام کرنا لازم اور ضروری ہے۔ ان کے ساتھ کسی قسم کا بغض وعناد رکھنا کفر ونفاق کے مترادف ہے اسی لیے امام زین العابدین علیہ السلام نے اس شامی سے کہا تھا جس نے آپ کے سامنے ہتک آمیز الفاظ استعمال کیے تھے کہ کیا تو نے قرآن پاک میں یہ آیت قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا نہیں پڑھی جس میں اللہ تعالیٰ نے ہم اہل بیت رسول کی محبت کو فرض کر دیا ہے۔ حضرت ابن عباس (المتوفی ۶۸ھ) فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ آپ کے قریبی لوگ کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب کی گئی ہے فرمایا: علی، فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے۔ (علیہم السلام)

(صواعق محرقہ ۱۶۸، زرقانی شرح مواہب لدنیہ ص ۳۰)

جب اہل قرابت سے مراد حضرت علی، حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہم السلام ہیں تو علامہ یوسف نبہانی (المتوفی ۱۳۵۰ھ) لکھتے ہیں:

وبنوھما الی یوم القیامۃ داخلون علی کل حال۔

(الشرف المؤید ص ۸۵)

ترجمہ: ”اور قیامت تک ہونے والی حسن اور حسین کی اولاد بھی اس آیت میں داخل ہے۔“

بہرصورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام آل اور اولاد کے ساتھ محبت رکھنا لازم اور فرض ہے۔

امام شافعی (المتوفی ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

یا اهل بیت رسول الله حبکم
فرض من الله فی القرآن انزله

ترجمہ: ”اے رسول اللہ کے اہل بیت، تمہاری محبت خدا کی طرف سے فرض ہے اور خداوند قدوس نے یہ حکم قرآن میں نازل فرمایا ہے۔“

اسی طرح ایک مرتبہ خارجیوں نے امام شافعی پر الزام لگایا کہ آپ رافضی (شیعہ) ہیں تو آپ نے خارجیوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

لو کان رفضاً حب آل محمد
فلیشهد الثقلان انی رافض

ترجمہ: ”اگر آل رسول کی محبت کا نام تمہارے نزدیک رافضی ہونا ہے، تو تمام دنیا کے جن اور انسان گواہ ہو جائیں کہ اس معنی میں یقیناً میں رافضی ہوں۔“

یہ تھے سیدنا امام شافعی (المتوفی ۲۰۴ھ) جو کہ اہل سنت و جماعت کے عقیدے کا ذکر کر رہے تھے کہ اہل بیت و اولاد رسول کی محبت فرض ہے، اس کا تعلق رفض یا شیعت سے نہیں ہے اگر کوئی جہالت یا خارجیت و ناصبیت کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ اہل بیت رسول کی محبت رفض اور شیعت سے ہے تو امام شافعی فرماتے ہیں کہ مجھے بھی رافضی سمجھ

لے حالانکہ میرا تو رفض اور شیعت سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے تو امام شافعی کی کلام سے بھی ثابت ہوا کہ اہل بیت کی محبت فرض ہے اور ان کا ادب و احترام بھی لازم اور ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو اہل بیت رسول کی محبت اور ان کے ادب و احترام کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

* * *

امام زین العابدین علیہ السلام

آپ آئمہ اہل بیت سے چوتھے امام ہیں۔ آپ کا نام علی ہے، کنیت ابو محمد ہے اور مشہور لقب سجاد اور زین العابدین ہیں۔

ولادت باسعادت

آپ مدینہ منورہ میں ہجری کے تینتیسویں سال پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی امام حسین بن ابی طالب ہیں۔ والدہ ماجدہ کا نام شہر بانو ہے علامہ زمخشری (المتوفی ۵۳۸ھ) اپنی کتاب ربیع الابرار میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (المتوفی ۲۳ھ) کے دور خلافت میں جب ملک فارس سے مال غنیمت آیا تو اس مال غنیمت میں فارس کے بادشاہ یزدجرد خسرو پرویز کی تین بیٹیاں بھی گرفتار ہو کر آئیں جب قیدیوں کو فروخت کیا گیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی فروخت کرنے کو کہا لیکن مولیٰ علی علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کا تعلق جب شاہی خاندان سے ہے تو ان سے وہ معاملہ نہیں کیا جانا چاہیے جو دوسرے عام قیدیوں کے ساتھ کیا جا رہا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر کیا صورت ہونی چاہیے تو مولا علی علیہ السلام نے کہا کہ ان کی قیمت بتائی جائے جب قیمت بتائی گئی تو مولا علی علیہ السلام نے تمام قیمت ادا کر دی پھر مولا علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شہزادی کو محمد بن ابوبکر (المتوفی ۳۸ھ) کے ساتھ منسوب کیا جن سے قاسم الفقیہ

(المتوفی ۱۰۱ھ) پیدا ہوئے اور دوسری شہزادی کو عبداللہ بن عمر (المتوفی ۷۳ھ) کے ساتھ منسوب کیا جن سے سالم بن عبداللہ (المتوفی ۱۰۶ھ) پیدا ہوئے اور تیسری شہزادی حضرت شہر بانو کو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ منسوب کیا جن کے بطن اطہر سے امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(شذرات الذہب ص ۱۰۶ ج ۱، وفیات الاعیان ص ۲۶۷، البدایہ والنہایہ ص ا ج ۹)

ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان نے امام زین العابدین علیہ السلام کو کہا کہ میں اپنی والدہ اور والد کے لحاظ سے قریشی ہوں لیکن آپ کی والدہ شہر بانو تو قریشیہ نہیں تھیں تو اس کے جواب میں امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد گرامی حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس معاملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی ہے چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

و قد اعتق رسول الله ﷺ صفیته بنت حیی بن اخطب و تزوجها۔

ترجمہ: "اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء (پیروی) ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفیہ بنت حیی بن اخطب کو آزاد فرمایا اور ان سے نکاح فرمایا۔" (وفیات الاعیان ص ۲۶۹ ج ۳، البدایہ والنہایہ ص ۱۰۸ ج ۹)

یعنی امام زین العابدین نے فرمایا کہ میرے والد گرامی نے اس معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و اقتداء کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد فرمایا اور پھر ان سے نکاح کیا اسی طرح حضرت علی علیہ السلام نے حضرت شہر بانو کو آزاد کیا پھر ان کا نکاح حضرت امام حسین علیہ السلام سے کیا تو امام زین العابدین علیہ السلام نے عبدالملک کو کہا اس لحاظ سے تمہارے لیے یہ کوئی برتری کی بات نہیں ہے بلکہ ہمارے لیے برتری ہے کہ

ہمارے معاملہ میں اتباع رسول ہے۔ جس طرح عبدالملک بن مروان (المتوفی ۸۶ھ) نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ کیا تھا اسی طرح عبدالملک کے لڑکے ہشام بن عبدالملک نے امام زین العابدین علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت امام زید علیہ السلام (المتوفی ۱۲۱ھ) کے ساتھ مکالمہ کیا اور حضرت زید کو کہا آپ ہمارے ساتھ خلافت میں جھگڑتے ہیں حالانکہ آپ کی والدہ تو کنیز تھیں۔ امام زید علیہ السلام نے ہشام کو کہا اگر تم کہو تو میں خاموش ہو جاتا ہوں اگر تم چاہو تو میں جواب دیتا ہوں۔ ہشام (المتوفی ۱۲۵ھ) نے کہا آپ جواب دیجئے تو فرمایا مائیں اپنے بیٹوں کو ان کے مقاصد سے منع نہیں کرتیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ (ہاجرہ علیہا السلام) حضرت سارہ کی کنیز تھیں اللہ نے آپ کے بیٹے اسماعیل کو نبی بنایا اور تمام عربوں کا باپ بنایا اور آپ کی نسل سے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرمایا کیا اب بھی تو مجھے اس معاملہ میں کچھ کہے گا تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں حضرت فاطمہ اور حضرت علی کا بیٹا ہوں۔ (شذرات الذہب ص ۱۶۴ ج ۱)

امام زین العابدین کی ولادت کے متعلق پیشنگوئی

امام زین العابدین کی پیدائش سے پہلے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتا دیا تھا کہ میرے بیٹے حسین کے گھر ایک بیٹا زین العابدین ہو گا چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابوالزبیر نے کہا کہ ہم جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (المتوفی ۷۴ھ) کے پاس تھے وہاں علی بن حسین (امام زین العابدین) تشریف لائے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے پس آپ کے پاس امام حسین آئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا سر اور منہ چوما اور اپنے سینے سے لگایا پھر اپنے پاس بٹھایا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

میرے اس بیٹے (حسین) کے ہاں اللہ بیٹا دے گا جس کا نام علی ہو گا قیامت کے دن حاملین عرش فرشتوں سے ایک فرشتہ آواز دے گا کہ سید العابدین کھڑا ہو تو وہ (زین العابدین) کھڑا ہو گا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۰۶ ج ۹)

اس سے ثابت ہوا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتا دیا تھا کہ امام حسین کا بیٹا زین العابدین بھی ہو گا اس کا قیامت کے دن لقب سید العابدین ہو گا۔

امام زین العابدین اور علم حدیث

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام اپنے باپ امام حسین اور اپنے چچا امام حسن علیہ السلام اور اپنے دادا پاک حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں نیز ابن عباس، عائشہ صدیقہ، ام سلمہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کرتے ہیں اور امام زین العابدین سے روایت کرنے والے بے شمار لوگ ہیں جن میں سے مشہور درج ذیل ہیں:

محمد بن مسلم زہری، طاؤس بن کیسان، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن، ابو الزناد عاصم بن عمر بن قتادہ، عاصم بن عبید اللہ، قعقاع بن حکیم، زید بن اسلم، یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ، امام باقر علیہ السلام، امام زید علیہ السلام وغیرہ۔ امام زین العابدین علیہ السلام کے شاگردوں میں سے محمد بن مسلم زہری،[1] محدثین میں بہت اہم مقام رکھتے ہیں۔

۱-محدث زہری کے حالات:

محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب ابو بکر قرشی زہری، آپ آئمہ اسلام سے بہت بڑے عالم ہیں اور تابعی ہیں آپ کی پیدائش ۵۸ھ ہے آپ نے قرآن پاک ۸۸ ایام میں پڑھ لیا تھا۔ آپ حدیث وفقہ میں سعید بن مسیب اور امام زین العابدین کے شاگرد ہیں۔ آپ کے تعلقات =

چنانچہ سب سے پہلے حدیث کی تدوین کرنے والے ابو بکر محمد بن مسلم ابن شہاب زہری مدنی ہیں جنہوں نے یہ کام پہلی صدی ہجری کے آخری دور میں عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے کیا تھا۔ جیسا کہ حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) میں سلیمان بن داؤد سے مروی ہے کہ سب سے پہلے جس نے حدیث کی تدوین کی وہ ابن زہری ہیں اور خود ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ اس علم کو میرے مدون کرنے سے پہلے کسی نے مدون نہیں کیا تھا۔ امام مالک اور اوزاعی ان کے شاگرد تھے اور سفیان بن عینیہ کہتے ہیں کہ محدث زہری سے زیادہ اچھی حدیث کوئی نہیں بیان کرسکتا تھا امام احمد

= عبدالملک، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک کے ساتھ رہے۔ ابن وہب نے کہا کہ میں نے لیث سے سنا اس نے کہا ابن شہاب زہری کہتے ہیں جب میں کوئی چیز یاد کرلیتا تو بھولتا نہیں تھا، زہری سیب نہیں کھاتے تھے کہتے تھے کہ نسیان کرتا ہے البتہ شہد خوب پیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ ذکاوت پیدا کرتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز اور سفیان بن عینیہ کہتے ہیں کہ زہری سے زیادہ کوئی اچھی حدیث نہیں بیان کرسکتا تھا امام احمد فرماتے ہیں کہ حدیث میں تمام سے اچھی اسناد زہری کی ہے اور نسائی نے کہا کہ زہری کی اسناد جو امام زین العابدین سے وہ اپنے باپ امام حسین سے اور وہ حضرت علی سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، زیادہ صحیح ہے لیث کہتے ہیں کہ میں نے زہری سے بڑا عالم کسی کو نہیں دیکھا۔ عمر بن عبدالعزیز کہا کرتے تھے کہ زہری کا دامن تھامے رہو اس سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ مکحول سے پوچھا گیا کہ کس بڑے عالم کو تم ملے ہو کہا زہری کو۔ امام مالک فرماتے ہیں زہری جب مدینہ منورہ آتے تو وہی حدیث بیان کرتے تھے۔ محدث عبدالرزاق نے سفیان بن عینیہ سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ حجاز کے محدث تین ہیں زہری، یحییٰ بن سعید، ابن جریج۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ جو فتویٰ دیتے تھے وہ چار ہیں زہری، حکم، حماد، قتادہ اور زہری میرے نزدیک زیادہ فقیہ ہے۔ احمد بن صالح کہتے ہیں کہ زہری اپنے زمانے میں تمام سے فصیح تھے۔ محمد بن اسحاق نے زہری سے روایت کی ہے کہ علم کی ہلاکت یہ ہے کہ عالم اپنے علم کے مطابق عمل ترک کردے اور یہ بھی فرمایا کہ علم کی ہلاکت جھوٹ بولنے اور نسیان میں ہے محدث زہری کی وفات ۱۷ رمضان ۱۲۴ھ کو ہوئی۔ آپ کی کل عمر ۷۵ سال تھی۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۴۱ تا ۳۴۴ ج ۹) مفتی غلام رسول (لنڈن)

فرماتے ہیں کہ حدیث میں اچھی سند زہری کی ہے اور امام نسائی نے کہا کہ زہری کی سند جو امام زین العابدین سے ہے، وہ تمام سندوں سے صحیح ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام زین العابدین کو مقام حدیث میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی اسی لیے تمام محدثین کے نزدیک آپ کی سند تمام اسناد سے صحیح ہے۔ نیز امام زین العابدین جب حضور ﷺ کے بیٹے ہیں تو حدیث ان کے گھر کی ہوئی لہٰذا آپ کے محدث ہونے میں شک نہیں ہے۔ شیخ ولی الدین خطیب (المتوفی ۷۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ امام زین العابدین بہت بڑے عالم اور تابعی تھے۔ (اکمال فی اسماء الرجال ص ۶۱۱)

اور علم حدیث کی دو قسمیں ہیں علم حدیث بلحاظ درایت اور علم حدیث بلحاظ روایت۔

نمبر ۱: علم حدیث بلحاظ درایت اس علم کو کہتے ہیں جس میں الفاظ حدیث کے معنی و مفہوم سے عربی قواعد اور قوانین شریعت اور نبی کریم ﷺ کے احوال کا لحاظ کرتے ہوئے بحث ہوئی ہے گویا کہ علم درایت کے جو اصول ہیں ان کے ذریعے سے نفس حدیث کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اصل میں تو یہ ایک خاص ملکہ ہے جو ایک فن میں مہارت کاملہ کے بعد پیدا ہوتا ہے جیسے کہ تجربہ کار صراف کی نظر کسوٹی پر لگانے سے پہلے تاڑ جاتی ہے کہ یہ سونا کس درجہ کا ہے حقیقت میں فن درایت کے تجربہ سے ایک ملکہ یا ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس سے تمیز ہو جاتی ہے کہ یہ قول و فعل رسول ہے یا نہ، بعض محدثین نے لکھا ہے کہ وہ ایک امر ہے جو محدث کے دل پر وارد ہوتا ہے اور وہ اس کو رد نہیں کر سکتا۔

محدث ابو حاتم (المتوفی ۲۷۷ھ) سے ایک شخص نے کئی حدیثوں کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بعض کو صحیح بعض کو غلط بعض کو مدرج[1] کہا۔ سائل نے کہا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا، کیا راوی آپ سے کہہ گئے تھے انہوں نے جواب دیا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے سائل نے کہا کیا آپ علم غیب کے مدعی

ہیں انہوں نے کہا نہیں پھر سائل کو کہا کہ جاؤ جا کر یہ بات کسی صاحب فن سے دریافت کرو۔ سائل نے ابوزرعہ محدث (المتوفی ۲۶۴ھ) کے پاس جا کر دریافت کیا تو انہوں نے[1] بھی ایسا ہی کہا تب سائل کو اطمینان ہوا، اصول روایت سے چونکہ راویوں کی جانچ پڑتال ہوتی ہے اس لیے اس سے متن حدیث سے غلطی کا ارتفاع نہیں ہوتا لہٰذا نفس حدیث کی جانچ پڑتال کے لیے اصولی درایت قائم کئے گئے ہیں اور اصول درایت بے شمار ہیں لیکن ان سے بڑے بڑے درج ذیل ہیں۔

۱۔ جو حدیث قرآن کی نص صریح کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں۔

۲۔ جو حدیث خبر متواتر کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں۔

۳۔ جو حدیث مشہور تاریخی واقعہ کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں۔

۴۔ جو حدیث مشاہدات کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں۔

۵۔ جو عقل سلیم کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں اور عقل سلیم کے خلاف سے مراد ہر شخص کا عقل نہیں ہے بلکہ علماء اور ماہرین فن حدیث اگر خلاف عقل کہیں تو پھر یہ بات معتبر ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل حدیث کو عام لوگ خلاف عقل کہتے ہیں حالانکہ وہ اس کا مفہوم نہیں سمجھتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح تک سوتا رہا ہے اور نماز کو نہیں اٹھا تو آپ نے فرمایا کہ شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا ہے، ابن قتیبہ (المتوفی ۲۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ یہ حدیث خلاف عقل نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ پیشاب کرنے سے مراد خراب کرنا ہے۔ اہل عرب خرابی کے لیے مجازاً پیشاب کا لفظ بولتے ہیں۔

---

[1] ۱۔ مدرج اس کی دو قسمیں ہیں ایک مدرج الاسناد، دوسری مدرج المتن، مدرج الاسناد جس کی سند میں تبدیلی کی گئی ہو، مدرج المتن، متن حدیث میں صحابی یا تابعی کا قول ملا دیا گیا ہو۔ ۱۲، مفتی غلام رسول (لنڈن)

۶۔ جس حدیث کو ایسا راوی بیان کرے جو اس حدیث کے مضمون کا طرف دار ہو یعنی دوسرے کے خلاف اپنے عقیدے کے اثبات کے لیے حدیث پیش کرے یہ حدیث بھی صحیح نہیں۔

۷۔ جو حدیث اجماع قطعی کے خلاف ہو وہ بھی صحیح نہیں۔

۸۔ جو حدیث مختلف فیہ مسئلہ کی ایسی تشریح کرے جو تقاضائے وقت کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں۔

۹۔ جس حدیث میں معمولی نیکی پر بڑا ثواب یا معمولی گناہ پر بڑے عذاب کی دھمکی دی گئی ہو وہ صحیح نہیں۔

۱۰۔ جس حدیث میں ایک اہم امر کا ذکر کیا گیا ہو اگر وہ فی الواقع ہوتا تو عام لوگ اس کو جانتے ایسے مضمون والی حدیث کو اگر ایک یا دو آدمیوں نے ذکر کیا ہے تو وہ صحیح نہیں۔

۱۱۔ اگر کوئی حدیث ایک واقعہ یا مضمون واحد سے تعلق رکھتی ہے جو متعدد طرق سے مروی ہے مگر وہ متعدد طرق سے موصول شدہ روایات اور معنی کے لحاظ سے باہمی متغائر ہیں جن سے ایک معتبر امر ثابت نہیں ہوتا تو ایسی حدیث بھی صحیح نہیں۔

۱۲۔ جس حدیث میں رکاکت (کمزوری) لفظی ایسی ہو جو قواعد عربیہ کے لحاظ سے مستحسن نہیں یا رکاکت معنوی ایسی ہو کہ وقار نبوت و رسالت کے خلاف ہے تو یہ حدیث بھی صحیح نہیں۔

۱۳۔ جس حدیث میں کسی امر معقول کو محسوس کی شکل میں یا محسوس کو کسی امر معقول کی صورت میں بیان کیا گیا کہ اس طرح کا وقوع نہ ہوا ہو ایسی حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔

۱۴۔ جس حدیث کا راوی اس کے موضوع (من گھڑت) ہونے کا خود اقرار کر لے وہ بھی صحیح نہیں۔

۱۵۔ جس حدیث میں دنیا سے اس قدر بے رغبتی دلائی گئی ہو یا آخرت سے اس قدر خوف دلایا گیا ہو کہ اول تو انسان اس پر عمل کرنے سے فطرتاً معذور ہے اگر کوئی بمشکل اس پر کار بند ہو تو تمام دنیا اور اس کے اسباب کا درہم برہم ہونا لازم آئے۔ ایسی حدیث بھی صحیح نہیں۔

۱۶۔ جو حدیث حیات کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں۔

۱۷۔ جو حدیث ایسے علوم متعارفہ کے مخالف ہو کہ جن کے اصول مشاہدوں اور بے شمار تجربوں کے بعد قائم ہوئے ہوں اور ان سے ہمیشہ ایک ہی سے نتیجے برآمد ہوتے ہوں جن میں غلطی نہیں ہوتی، ایسی حدیث بھی صحیح نہیں۔

۱۸۔ تمام اسرائیلی روایات کا انبار خواہ دلیل منطقی طور پر ہو یا معقولات اور منظنونات طریق پر ہو جس حدیث میں یہ روایات ہوں وہ صحیح نہیں۔

نمبر ۲: علم حدیث بلحاظ روایت

یہ ہے کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک احادیث کے اتصال کی کیفیت سے بحث کی جاتی ہے اس حیثیت سے کہ ضبط و عدالت کے باب میں راویوں کے کیا حال ہیں اور یہ کہ سند کے متصل یا منقطع ہونے کے لحاظ سے کیا کیفیت ہے اس اصول روایت کو علم اصول حدیث بھی کہا جاتا ہے اور علم اصول حدیث پر سب سے پہلے حسین بن عبدالرحمن (المتوفی ۳۶۰ھ) نے ایک کتاب "المحدث" لکھی۔ محدث حاکم (المتوفی ۴۰۵ھ) نے اس کی تکمیل کرنی چاہی وہ بھی نہ کر سکے۔ خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۲ھ) کفایۃ الجامع لادب الشیخ والسامع لکھی، قاضی عیاض (المتوفی ۵۴۴ھ) نے الماع لکھی،

ابو حفص میانجی نے ما لا یسع المحدث لکھی، علامہ ابن الصلاح (المتوفی ۶۴۲ھ) نے اسی موضوع پر المقدمہ تصنیف کیا اور حافظ ابن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ) نے مقدمہ کا خلاصہ نخبۃ الفکر کے نام سے لکھا، غرضیکہ اصول روایت سے راویوں کی جانچ پڑتال ہوتی ہے اور راویوں کی جانچ پڑتال کرتے وقت علم اصول حدیث کے امدادی علوم سے اسماء الرجال کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے کیونکہ اسماء رجال کے فن سے راویوں کی عمر اور ان کا لقب، حسب ونسب، قوم ووطن، ولادت، وفات، علم وفضل، دیانت وتقویٰ، حفظ وذکاوت اور صحت ومرض وغیرہ کا علم ہوتا ہے گویا کہ اسماء الرجال کی بحث کے بغیر حدیث کے راویوں کا پتہ مشکل ہے، اس کے ذریعہ سے ہی احادیث کے مراتب اور رراویوں کے مراتب کا پتہ لگتا ہے اور اسی فن سے ہی حدیث کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کا پتہ معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اسماعیل بن عیاش نے ایک شخص سے بطور امتحان سوال کیا کہ کس سنہ میں تم نے خالد بن معدان سے سن کر روایت کی ہے تو اس نے جواب دیا ۱۱۳ھ میں تو اسماعیل بن عیاش نے کہا ''خوب'' اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم نے اس کی وفات کے سات سال بعد اس سے سنا ہے کیونکہ اس کا انتقال ۱۰۶ھ میں ہوگیا تھا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ یہ ہے کہ حاکم نے محمد بن حاتم الکشی سے ان کی ولادت کے بارے میں پوچھا جبکہ انہوں نے عبد بن حمید (المتوفی ۲۴۹ھ) سے ایک حدیث بیان کی تو انہوں نے اپنی ولادت کا سال ۲۶۰ھ بتایا اس پر حاکم نے کہا انہیں دیکھیے انہوں نے عبد بن حمید سے ان کی وفات کے تیرہ سال بعد سنا ہے یہی وجہ ہے کہ حفص بن غیاث القاضی کہا کرتے تھے کہ جب تم کو کسی راوی کے بارے میں شبہ ہو تو اس کے سنہ اور سال کے ذریعے حساب کرو یعنی اس کی عمر اور جس راوی کے واسطے سے اس نے روایت کی ہے اس راوی کی عمر کو سامنے رکھو، سفیان ثوری (المتوفی ۱۶۱ھ) فرمایا کرتے تھے کہ جب راویوں نے دروغ گوئی سے کام لینا شروع کیا تو ہم

نے ان کے لیے تاریخ کا استعمال شروع کیا۔ اسماء رجال کے فن پر سب سے پہلے کام کرنے والے محدث شعبہ (المتوفی ۱۶۰ھ) ہیں جنہوں نے اس فن کے اصول مقرر کیے مگر کوئی مستقل کتاب تصنیف نہیں کی اس فن میں سب سے پہلے مستقل تصنیف کرنے والے یحیٰ بن سعید قطان (المتوفی ۱۹۸ھ) ہیں اور اسی سلسلہ میں علامہ ابن سعد (المتوفی ۲۳۰ھ) نے "طبقات" لکھی۔ امام احمد بن جنبل (المتوفی ۲۴۱ھ) نے کتاب العلل و الرجال لکھی۔ یحیٰ بن معین (المتوفی ۲۳۸ھ) علی بن مدینی (المتوفی ۲۳۴ھ) نے بھی تصنیفیں کیں۔ ابن ابی حاتم (المتوفی ۳۲۷ھ) نے کتاب الجرح و التعدیل لکھی، عجلی (المتوفی ۲۶۱ھ) ابن حبان (المتوفی ۳۵۴ھ)، ابن شاہین (المتوفی ۳۸۵ھ)، عقیلی (المتوفی ۳۲۲ھ)، نسائی (المتوفی ۳۰۳ھ) نے بھی تصنیفیں کیں، بخاری نے تاریخ صغیر و کبیر لکھی، مسلم بن حجاج نے کتاب الاسماء و الکنیٰ لکھی، ابن عدی (المتوفی ۳۶۵ھ) نے کامل ابن عدی لکھی، دارقطنی (المتوفی ۴۶۰ھ) لکھتے ہیں کہ اسماء رجال کے فن میں کامل ابن عدی ہی کافی ہے۔ حافظ ابونعیم اصفہانی (المتوفی ۴۳۰ھ) نے "تاریخ نیشاپوری" لکھی، خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۲ھ) نے تاریخ بغداد لکھی، ابن ماکولا (المتوفی ۴۸۰ھ) نے الاکمال فی مشتبہ الانساب و الرجال لکھی، ابن عساکر (المتوفی ۵۷۱ھ) نے تاریخ دمشق لکھی۔ حافظ عبدالغنی مقدسی (المتوفی ۶۰۰ھ) نے الاکمال، حافظ جمال الدین (المتوفی ۷۴۲ھ) نے تہذیب الکمال لکھی، حافظ ابن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ) نے تہذیب الکمال، حافظ جمال الدین مزی کو اضافہ فوائد کے ساتھ مرتب کر کے تہذیب التہذیب لکھی پھر اس کا خلاصہ تقریب التہذیب کے نام سے لکھا، حافظ شمس الدین ذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) نے بھی اسماء الرجال میں میزان الاعتدال اور تذکرہ الحفاظ کو تصنیف کیا۔ علامہ نووی، علامہ سیوطی اور دیگر محدثین نے بھی اسماء الرجال کے سلسلہ میں کتابیں تصنیف کیں۔ جیسے کہ اسماء الرجال کے فن کے علاوہ

راویوں کی جانچ پڑتال نہیں ہو سکتی، اسی طرح راویوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے علم حدیث کے امدادی فن جرح و تعدیل کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جرح و تعدیل وہ علم ہے جس میں راویوں پر جرح و تعدیل ایسے مخصوص الفاظ سے کی جاتی ہے جس سے راویوں کا پتہ بھی چل جاتا ہے اور اسی کے نتیجہ میں حدیث کے صحیح حسن، ضعیف یا موضوع (من گھڑت) ہونے کا بھی پتہ لگ جاتا ہے۔ جرح و تعدیل کرنے میں امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین (المتوفی ۲۳۳ھ) علی بن المدینی (المتوفی ۲۳۴ھ) کو امام تصور کیا گیا ہے۔ بعض دفعہ یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک محدث نے راوی کو مجروح قرار دیا ہے تو دوسرے نے اس کو ثقہ کہا ہے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض دفعہ ایک راوی نے روایت اپنی کتاب سے دیکھ کر ذکر کی ہوتی ہے تو دوسرے محدث کے نزدیک دیکھ کر روایت کرنا کمزوری ہے کیونکہ اس کا حافظہ قوی نہیں ہے، لہٰذا اس نے جرح کر دی اور دوسرے محدث نے کہا کہ یہ راوی قوی ہے کیونکہ اس کا کتاب سے دیکھ کر روایت کرنا احتیاط پر مبنی ہے اور بعض دفعہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے اور بعض دفعہ تعدیل جرح پر مقدم ہوتی ہے۔ اگر جرح کے الفاظ سخت ہیں اور جو راوی میں عیب بیان کیا گیا ہے وہ بڑا عیب ہے اور جرح بیان کرنے والا عالم مقدس ہے اور جرح کرنے میں تعصب اور معاصرت کو بھی دخل نہیں ہے تو جرح مقدم ہے اور اگر اس کے خلاف ہے تو تعدیل مقدم ہے۔ بہر صورت اصول روایت کے لحاظ سے راویوں کا علم ہوتا ہے کہ یہ ثقہ ہیں یا غیر ثقہ ان کی مروی روایات صحیح ہیں یا نہیں، اگر راوی اعلیٰ درجے کے ہوئے تو ان کی حدیث صحیح ہوگی کیونکہ ثقہ راویوں کے اعتبار سے حدیث معتبر ہوگی ظاہر ہے کہ جب حدیث کی اسناد صحیح ہوں گی تو حدیث بھی صحیح ہوگی گویا کہ مدار صحت اسناد ہے چنانچہ عبداللہ بن مبارک (المتوفی ۱۸۱ھ) فرمایا کرتے تھے کہ اسناد دین کے لوازمات میں سے ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو جو جس کے دل میں آتا کہہ دیتا ابن سیرین

(المتوفی ۱۱۰ھ) یہ تاکید کرتے تھے کہ یہ حدیث دین ہے۔ تو دیکھو کہ دین کو کس سے حاصل کر رہے ہو۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ اسناد مومن کا ہتھیار ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی قوت ہے جس کے ذریعے محدث حق میں ملائے ہوئے باطل کو چھانٹ کر پھینک دیتا ہے، لہٰذا اس بات کی معرفت ضروری ہے کہ کون سی حدیث اپنی سندوں کے لحاظ سے کامل الشروط ہونے کی بناء پر واجب العمل قرار پاتی ہیں اس لیے کہ حدیث پر عمل کرنا واجب اس وقت ہوگا جب اس بات کا یقین ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی نسبت کرنا صحیح ہے اور اس یقین کے حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ راویان حدیث کے ضبط و عدالت کی کماحقہ، آگاہی حاصل ہو جائے اور راویان حدیث کے عدالت و ضبط کا ثبوت محدثین کی ان تصریحات سے ملتا ہے جو راویوں کو جرح و غفلت سے بری کرتے ہوئے ان کی تعدیل بیان کریں اور ان محدثین کی تصریحات ہی ہمارے لیے راویوں کے رد و قبول کی دلیل بنتی ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اصول روایت کے لحاظ سے راویوں کا علم اور حدیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا بھی علم ہوتا ہے اگر تمام سند میں تمام راوی ثقہ ہوئے تو حدیث صحیح ہوگی کیونکہ کتب حدیث میں جتنی احادیث ہیں وہ مستند ہیں یعنی ان کی اسناد بیان کی گئی ہیں اور تمام محققین محدثین لکھتے ہیں کہ تمام سندوں سے صحیح سند زہری کی امام زین العابدین سے ہے چنانچہ ابوبکر بن شیبہ (المتوفی ۲۳۵ھ) فرماتے ہیں۔ **اصح الاسانید کلھا الزھری عن علی بن الحسین عن ابیه عن جدہ** کہ تمام سندوں سے صحیح سند وہ ہے جو (ابن شہاب الدین) زہری امام زین العابدین سے وہ اپنے والد امام حسین سے وہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت کریں اور امام احمد فرماتے ہیں کہ تمام سندوں سے اچھی اور عمدہ سند زہری کی ہے اور نسائی کہتے ہیں کہ تمام سندوں سے اچھی سند وہ ہے جو زہری امام زین العابدین سے وہ اپنے والد وہ اپنے دادا علی وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کریں

(البدایہ و النہایہ ص ۳۴۲ ج ۹. شرح نخبتہ الفکر ص ۵۸) علامہ دمیری (المتوفی ۸۰۸ھ) اور ابن علامہ ابن خلکان (المتوفی ۶۸۱ھ) لکھتے ہیں کہ امام زین العابدین حدیث بیان کرنے میں نہایت معتمد علیہ اور صادق الراویہ تھے۔ آپ بہت بڑے عالم اور فقیہہ اور اہل بیت رسول میں بے مثل تھے۔

(حیوۃ الحیوان ص ۱۲۱ ج ۱، تاریخ ابن خلکان ص ۳۲۰ ج ۱)

اس سے ظاہر ہے کہ احادیث رسول میں جتنی اسناد ہیں تمام اسناد سے صحیح سند امام زین العابدین کی ہے۔

سوال:

شذرات الذہب میں ہے کہ محدث زہری کہتے ہیں کہ امام زین العابدین سے زیادہ فقیہہ کوئی نہیں ہے لیکن وہ قلیل الحدیث ہیں یعنی ان سے یہ احادیث کم مروی ہیں اب سوال یہ ہے کہ اگر امام زین العابدین کی سند تمام سندوں سے اچھی ہے تو پھر ان سے حدیث کم کیوں مروی ہے؟

جواب:

شذرات الذہب کی یہ روایت علامہ ابن سعد (المتوفی ۲۳۰ھ) کی روایت کا مقابلہ نہیں کر سکتی ابن سعد طبقات میں فرماتے ہیں کہ امام زین العابدین کثیر الحدیث ہیں چنانچہ ابن کثیر، علامہ ابن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ امام زین العابدین كان ثقة مامونا كثير الحديث عاليا رفيعا ورعاً۔ کہ آپ ثقہ، امین، کثیر الحدیث، عالی مرتبت اور پرہیزگار تھے (البدایہ والنہایہ ص ۱۰۴، طبقات ابن سعد ص ۲۲۲ ج ۵، تہذیب التہذیب ص ۳۰۵ ج ۷) نیز شذرات الذہب کی روایت یا اس کی مثل جس سے قلیل الحدیث ہونا ثابت ہوتا ہے عقل اور نقل کے خلاف ہے کیونکہ

جہاں تک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق ہے وہ تو امام زین العابدین کے گھر کی چیز ہے کیونکہ امام زین العابدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے (امام حسین) کے بیٹے ہیں جتنا علم حضور کی حدیث کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کو ہے اور کسی کو نہیں ہو سکتا اسی لیے آپ کی سند کو تمام اسناد سے صحیح قرار دیا گیا ہے اور ابن سعد نے بھی اسی لیے امام زین العابدین کو کثیر الحدیث کہا ہے۔ جب امام زین العابدین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے ہیں تو آپ سے زیادہ آپ کے زمانہ میں دوسرے کسی شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کا علم نہیں ہو سکتا۔ محدث زہری کے پاس جو حدیث رسول کے علم کی فراوانی تھی وہ بھی اس وجہ سے کہ محدث زہری امام زین العابدین کے شاگرد تھے۔ نیز حدیث کی ترتیب و تدوین کا جہاں تک تعلق ہے اس کی ابتداء محدث زہری سے ہوئی ہے چنانچہ علامہ ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کے کہنے پر سب سے پہلے جس نے حدیث کی تدوین اور اسے لکھا وہ ابن شہاب زہری ہیں۔ خود زہری کا بیان ہے کہ اس علم کو میرے مدون کرنے سے پہلے کسی نے مدون نہیں کیا اور جس زمانے میں زہری نے تدوین حدیث کا سلسلہ شروع کیا تھا وہ ظاہر ہے کہ اموی حکومت کا دور تھا چنانچہ زہری کے عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک کے ساتھ اچھے خاصے تعلقات تھے۔ ادھر دوسری طرف امام زین العابدین واقعہ کربلا کے بعد الگ تھلگ ہو گئے تھے آپ کے پاس لوگ آنے سے حکومت وقت کی وجہ سے بھی گھبراتے تھے۔ محدث زہری کی آمدورفت بھی اس وجہ سے تھی کہ وہ حکومت وقت کے بادشاہوں کے ساتھ اپنی عقل مندی کی وجہ سے تعلقات بحال رکھے ہوئے تھے۔ لہٰذا وہ امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس بھی آتے رہتے اور دوسرے لوگ تو حکومت وقت سے خائف تھے کہ اگر ہم امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس گئے تو ہم بھی زیر عتاب ہو جائیں گے۔

یہ زیادہ ممکن ہے کہ اس وجہ سے محدثین نے برملا طور پر امام زین العابدین سے روایات کم ذکر کی ہوں ورنہ جہاں تک ذخیرہ حدیث کا تعلق ہے وہ تو امام زین العابدین کے پاس جتنا تھا اتنا اور کسی کے پاس نہیں تھا۔ اسی وجہ سے علامہ ابن سعد کہتے ہیں کہ امام زین العابدین کثیر الحدیث تھے یعنی آپ کے پاس حدیث رسول کا ذخیرہ بے شمار تھا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ محدثین وقت نے امام زین العابدین سے روایات حکومت وقت کے خوف کی وجہ سے کم ذکر کی ہوں۔ چنانچہ علماء نے اموی اور عباسی حکومت کے کرتوت ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض محققین نے کہا ہے کہ ترك المحدثین لفظ الآل عند الصلوٰة علی خاتمہ الارسال لغلبة الامرية و العباسية لا نھم یمنعون عن ذالك بك یسبرن وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون کہ صلوٰۃ پڑھتے وقت محدثین نے خاتم الرسل کی اولاد کو چھوڑ دیا کیونکہ حکومت امویہ اور عباسیہ کا غلبہ تھا یہ دونوں حکومتیں آل پر درود پڑھنے سے روکتی تھیں بلکہ سب شتم (گالی گلوچ) کرتی تھیں اور اب جاننا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ (نبراس حاشیہ نمبر ا ص ۱۰)

جب یہ لوگ آل رسول پر درود پڑھنے سے روکتے تھے کہ صرف یہ پڑھو: "صلی اللہ علیہ وسلم" اور آل کو چھوڑ دو تو لوگوں کو آلِ رسول کے پاس جانے سے بھی روکتے تھے۔ محدث زہری چونکہ زیادہ سمجھدار تھے لہٰذا شاہی حکومت کے ساتھ ان کے تعلقات اچھے تھے وہ ان کو امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس حدیث رسول حاصل کرنے کے لیے جانے سے نہ روکتے تھے چونکہ زہری امام زین العابدین کے پاس آتے جاتے اور حدیث رسول حاصل کرتے رہتے بایں وجہ ان کی سند امام زین العابدین سے تمام سندوں سے صحیح ہے اور ان کی مروی احادیث امام زین العابدین سے تمام حدیثوں سے صحیح ہیں۔ جب امام زین العابدین سے مروی احادیث تمام

احادیث سے صحیح اور ان کی سند تمام سندوں سے صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کثیر الحدیث تھے اور امام زین العابدین علیہ السلام سے روایات کے کم مروی ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگ حکومت وقت کے خوف کی وجہ سے امام زین العابدین علیہ السلام سے کم روایتیں کرتے تھے آپ سے کم روایات مروی ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ امام زین العابدین قلیل الحدیث تھے بلکہ امام زین العابدین کثیر الحدیث تھے۔ بہر صورت ثابت ہوا کہ امام زین العابدین اہل بیت رسول سے. بہت بڑے عالم، جلیل القدر تابعی، کثیر الحدیث اور آپ کی سند تمام اسناد سے صحیح تر اور آپ سے مروی احادیث تمام احادیث سے زیادہ صحیح ہیں۔

امام زین العابدین اور علم فقہ

امام زین العابدین. بہت بڑے عالم اور بہت بڑے فقیہ تھے۔ زہری کہتے ہیں کہ ما رایت افقہ منہ (نور الابصار ص ۲۴۵، نبراس حاشیہ نمبر ۲ ص ۵۱۸ شذرات الذہب ص ۱۰۵) کہ میں نے آپ سے زیادہ کوئی فقیہہ نہیں دیکھا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ (المتوفی ۱۹۸ھ) نے محدث زہری سے روایت کی ہے کہ میں امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے فرمایا زہری کس معاملہ میں تم بات کر رہے تھے۔ میں نے کہا کہ ہم لوگ روزے کا تذکرہ کر رہے تھے آخر میں ہمارا اتفاق اس بات پر ہوا کہ روزوں میں واجب صرف ماہ رمضان کے روزے ہیں۔ امام زین العابدین نے یہ سن کر فرمایا زہری بات اس طرح نہیں ہے جیسے کہ تم کہہ رہے ہو بلکہ اصل بات یہ ہے کہ روزہ چالیس قسم پر ہے ان میں سے دس واجب ہیں، دس حرام ہیں اور چودہ ایسے ہیں کہ روزہ رکھنے والے کو اختیار ہے چاہے روزہ رکھے یا افطار کرے یعنی

چھوڑ دے اور تین روزے اذن، تادیب (ادب سکھانا) اور اباجت کے ہیں اور روزے سفر اور مرض کے بھی ہیں۔ زہری کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے بیٹے ان کی تفصیل بیان فرمائیے۔ تو آپ نے فرمایا واجب یہ ہیں:

۱۔ روزے رمضان کے
۲۔ روزے قضاء رمضان کے
۳۔ روزے قتل خطاء کے کفارہ کے
۴۔ روزے کفارۂ ظہار کے
۵۔ روزے کفارہ یمین (قسم) کے
۶۔ احرام کی حالت میں سر منڈوانے کے کفارے کے روزے
۷۔ حرم میں شکار کرنے کے بدلے میں روزے
۸۔ تمتع کے دم کے بدلے میں روزے
۹۔ اعتکاف کے روزے

اور حرام یہ ہیں:

۱۔ عیدالفطر کے دن روزہ
۲۔ عیدالاضحیٰ (قربانی کی عید) کے دن روزہ
۳۔ ۴۔ ۵۔ ایام تشریق کے تین روزے۔
۶۔ شک کے دن روزہ
۷۔ ایام وصال کے روزے
۸۔ سکوت اور خاموشی کے روزے
۹۔ گناہ کے لیے نذر ماننے کا روزہ
۱۰۔ تمام زمانے کا روزہ

اور وہ روزے جن میں روزہ رکھنے والے کو اختیار ہے خواہ روزہ رکھے یا چھوڑ دے وہ یہ ہیں:

۱۔ جمعہ کے دن روزہ رکھنا

۲۔ جمعرات کو روزہ رکھنا

۳۔ سوموار کے دن روزہ رکھنا

۴۔ ۵۔ ۶۔ ایام بیض کے روزے[1]

۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲۔ رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے

۱۳۔ عرفات کے دن روزہ رکھنا

۱۴۔ عاشورہ کے دن روزہ رکھنا

۱۔ اذن کا روزہ کہ نفلی روزہ عورت اپنے مالک سے اجازت لے کر رکھے۔

۲۔ تادیب کا روزہ کہ بچہ جب قریب البلوغ ہو تو اس کو بطور تعلیم و تادیب روزہ رکھنے کا حکم کیا جائے۔

۳۔ اباحت کا روزہ، جس نے ماہ رمضان میں روزہ کی حالت میں بھول کر کھایا اللہ نے اس کے لیے یہ مباح کر دیا اور اس کا روزہ مکمل ہو گیا۔

۱۔ مسافر اور مریض کا روزہ اس میں اختلاف ہونے کی وجہ سے اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ بعض نے کہا کہ روزہ رکھنا چاہیے۔

۲۔ بعض نے کہا اگر چاہے روزہ رکھے اگر چاہے افطار کرے۔

۳۔ بعض نے کہا کہ روزہ نہ رکھے، امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ مسافر اور مریض کے لیے ہمارا یہ حکم ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۱۵ ج ۹)

---

[1] ایام بیض کے روزے ہر ماہ میں تیرہ، چودہ، پندرہ دن کو روزے رکھنا۔ ۱۲۔ مفتی غلام رسول (لندن)

یہ روزہ کی کل چالیس صورتیں ہوئیں۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے امام زین العابدین علیہ السلام سے عرض کیا کہ نماز کے متعلق کچھ فرمائیے تو آپ نے فرمایا کہ نماز کا افتتاح (شروع) تکبیر کے ساتھ ہے اور نماز کی برہان قرأت ہے اور اس کا خشوع مقام سجدہ پر نگاہ رکھنا ہے اور اس کی تحلیل (دنیاوی کاموں کا حلال ہو جانا) سلام ہے اور نماز کا جوہر تسبیح ہے اور اس کا تمام اور مکمل ہونا محمد اور آل محمد پر درود بھیجنا ہے۔ غرضیکہ امام زین العابدین بہت بڑے فقیہہ تھے۔

امام زین العابدین علیہ السلام اور امامت

آئمہ اہل بیت کل بارہ ہیں سب سے

۱۔ اول امام حضرت مولا علی علیہ السلام ہیں
۲۔ پھر حضرت امام حسن علیہ السلام
۳۔ پھر امام حسین علیہ السلام
۴۔ پھر امام زین العابدین علیہ السلام
۵۔ پھر امام باقر علیہ السلام
۶۔ پھر امام جعفر صادق علیہ السلام
۷۔ پھر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
۸۔ پھر امام علی رضا علیہ السلام
۹۔ پھر امام محمد تقی علیہ السلام
۱۰۔ پھر امام نقی علیہ السلام

١١۔ پھر امام حسن عسکری علیہ السلام

١٢۔ پھر امام مہدی علیہ السلام جو قریب قیامت تشریف لائیں گے۔

یہ آئمہ اہل بیت طریقت و ولایت اور دین اسلام کے امام ہیں اور امام زین العابدین چوتھے امام ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام منصب امامت پر فائز ہوئے چنانچہ میدان کربلا میں جب تمام احباب اور جوانانِ اہل بیت شہید ہو گئے صرف امام حسین اور آپ کے ایک فرزند امام زین العابدین علیہ السلام باقی رہ گئے جو بیمار اور نہایت ہی کمزور تھے اور خیمہ میں لیٹے ہوئے تھے کہ امام حسین علیہ السلام نے دشمن کی طرف جانے کا ارادہ فرمایا تو سیدہ زینب علیہا السلام نے دیکھا کہ امام زین العابدین کھڑے ہونے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن کمزوری کی وجہ سے کھڑے ہوتے ہیں پھر بیٹھ جاتے ہیں سیدہ زینب علیہا السلام نے پوچھا میرے چاند کیا بات ہے؟ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بھی اپنے ابا جان سے پہلے اپنی جان قربان کرنا چاہتا ہوں آپ مجھے بھی ہتھیار لگاؤ اور گھوڑے پر سوار کر کے گھوڑے کو میدان جنگ کی طرف ہانک دو اگر میرے بابا میرے سامنے شہید ہوئے تو مجھے بہت تکلیف ہو گی اور سب مل کر میرے لیے دعا بھی کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دشمن کا مقابلہ کرنے کی طاقت دے۔ یہ باتیں امام زین العابدین علیہ السلام اپنی پھوپھی پاک سیدہ زینب علیہا السلام سے کر رہے تھے کہ امام حسین علیہ السلام بھی خیمہ میں تشریف لے آئے اور امام زین العابدین علیہ السلام کی بات سن کر فرمایا بیٹا میں تمہیں ہرگز کبھی میدان جنگ میں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ تمہارے سوا اب اہل بیت کی ان مستورات کا کوئی محرم باقی نہیں رہ گیا ہے۔ میرے پاس جو میرے باپ اور نانا کی امانتیں ہیں وہ کس کے سپرد کی جائیں گی۔ میری نسل اور حسینی سیدوں کا سلسلہ کس سے چلے گا، میرے بعد میرا جانشین تمہارے سوا اب کون ہو گا؟ بیٹا زین العابدین یہ ساری امیدیں تمہاری ذات سے وابستہ ہیں لہٰذا

اے جان پدر تم ہرگز ہرگز میدان جنگ کا قصد نہ کرو امام زین العابدین علیہ السلام نے عرض کیا کہ کیا آپ کے بعد میرا سینہ شدت غم کی وجہ سے پھٹ نہ جائے گا، حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا تم امام کے بیٹے ہو امام بننا ہے ضبط و صبر سے کام لو، حضرت زین العابدین علیہ السلام نے کہا ابا جان میرے دل کو کیسے قرار آئے گا، امام حسین علیہ السلام نے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا خدا صبر و قرار دے گا پھر امام حسین علیہ السلام نے حضرت زین العابدین علیہ السلام کو بہت سی وصیتیں فرمائیں اور اپنے سینے کے باطنی علوم و اسرار سے انہیں سرفراز فرما کر اپنا جانشین بنایا پھر اس کے بعد امام حسین دشمن کے مقابلہ میں تشریف لے گئے۔

(سوانح کربلا ص ۲۰۳، معرکہ کربلا ص ۴۸۲)

اس سے ثابت ہوا کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصب امامت پر امام زین العابدین علیہ السلام فائز ہوئے اور آپ ہی طریقت و ولایت کے چوتھے امام ہیں۔ صاحب شواہد النبوت لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد محمد بن حنفیہ امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ میں تمہارا چچا ہوں اور تم سے عمر میں بھی بڑا ہوں اس لیے امامت کا زیادہ حقدار میں ہوں آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلاح (ہتھیار وغیرہ) مجھے دے دیں امام زین العابدین علیہ السلام نے کہا اے چچا خدا سے ڈرو اور جس چیز کے تم سزاوار نہیں ہو اس کا دعویٰ نہ کرو۔ دوسری دفعہ محمد بن حنفیہ نے مبالغہ سے کام لیا تو امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا اے چچا آؤ حاکم کے پاس چلیں جو ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا وہ کون سا حاکم ہے آپ نے فرمایا وہ حجر الاسود ہے۔ دونوں وہاں پہنچے تو امام زین العابدین علیہ السلام نے کہا چچا حجر اسود سے بات کرو، محمد بن حنفیہ نے حجر اسود سے بات کی تو کوئی جواب نہ ملا، بعد ازاں امام زین العابدین علیہ السلام نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اللہ تعالیٰ کو اس کے صفاتی ناموں سے پکارا جس سے حجر اسود باتیں کرنے لگا. پھر امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنا چہرہ حجر اسود

کی طرف کر کے کہا، تجھے اس پروردگار کی قسم ہے جس نے اپنے بندوں کے وعدے تجھ پر لکھے ہوئے ہیں، اطلاع کر دو کہ امام حسین علیہ السلام کے بعد امامت اور وصایت کس کا حق ہے، حجر اسود کانپ اٹھا، قریب تھا کہ اپنی جگہ سے گر پڑے لیکن پھر فصیح و بلیغ زبان میں کہا اے محمد بن حنفیہ یہ چیز مسلمہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے بعد امامت اور وصایت کا حق علی بن حسین (امام زین العابدین علیہ السلام کو ہے۔ (شواہد النبوت ص ۳۱۵)

اس سے ظاہر ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام چوتھے امام ہیں اور حجر اسود نے بھی آپ کی امامت کی گواہی اور شہادت دی گویا کہ حجر اسود بھی جانتا پہچانتا تھا کہ امام زین العابدین ہی امام ہیں۔

فرزدق کا قصیدہ

بلکہ فرزدق شاعر تو کہتا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کو صرف حجر اسود ہی نہیں پہچانتا تھا بلکہ ان کو سرزمین بطحا بھی پہچانتی ہے اور خانہ کعبہ اور حل و حرم بھی پہچانتے ہیں چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ہشام بن عبدالملک اپنے والد کے دور حکومت میں حج کرنے کے لیے گیا تو جب طواف کعبہ شروع کیا اور حجر اسود کو چومنے کا ارادہ کیا تو لوگوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ حجر اسود کو بوسہ نہ دے سکا اور پیچھے ہٹ گیا اور اس کے لیے ایک کرسی رکھی گئی جس پر بیٹھ کر لوگوں کو دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ ملک شام کے وزراء اور امراء بھی تھے، اسی اثناء میں امام زین العابدین علیہ السلام کعبہ کا طواف کرنے کے لیے تشریف لائے، امام زین العابدین علیہ السلام بہت زیادہ خوبصورت تھے لوگ آپ کو دیکھتے ہی رہ جاتے تھے، آپ نے طواف شروع کیا جب حجر اسود کے قریب پہنچے تو تمام لوگ آپ کے ادب و احترام کے لیے پیچھے ہٹ گئے اور آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا تو

ایک شامی آدمی نے ہشام بن عبد الملک سے دریافت کیا کہ یہ کون ہستی ہے۔ جس کے ادب و احترام کے لیے لوگ حجر اسود سے پیچھے ہو گئے ہیں۔ ہشام نے کہا مجھے پتہ نہیں یہ اس نے تجاہل عارفانہ اس لیے کیا تا کہ شامی لوگ امام زین العابدین علیہ السلام کی طرف میلان اور التفات نہ کریں۔ ہشام کے قریب فرزدق (بہت بڑا نامی گرامی شاعر) موجود تھا اس نے کہا کہ میں جانتا ہوں یہ کون ہیں۔ شامی آدمی نے کہا فرزدق بتائیے یہ کون ہیں تو فرزدق نے امام زین العابدین علیہ السلام کی شان میں ایک فصیح و بلیغ قصیدہ پڑھا۔ ہم وہ قصیدہ البدایہ والنہایہ سے نقل کر کے ساتھ اس کا ترجمہ ذکر کرتے ہیں۔

هذا الذی تعرف البطحاء و طأته
و البیت یعرفه والحل والحرم

ترجمہ: "یہ وہ ہے کہ بطحا کی وادیاں جس کو جانتی ہیں، خدا کا گھر اور حل و حرم اس کو پہچانتے ہیں۔"

هذا ابن خیر عباد الله کلهم
هذا التقی النقی الطاهر العلم

ترجمہ: "یہ اللہ کے تمام بندوں میں سے بہترین کا فرزند ہے یہ پاک و صاف و پاکیزہ اور بلند مقام ہے۔"

اذا رأته قریش قال قائلها
الی مکارم هذا ینتهی الکرم

ترجمہ: "جب قریش اسے دیکھتے ہیں تو کہنے والے نے کہا ہے اس کے مکارم اخلاق تک کرم کی انتہا ہے۔"

ینمی الی ذروة العز التی قصرت
عن ینلها عرب الاسلام و العجم

ترجمہ: ''وہ عزت کی اس چوٹی (مقام) پر فائز ہیں جس کے حاصل
کرنے سے عرب وعجم قاصر ہیں۔''

يكاد يمسكه عرفان راحته
ركن الحطيم اذا ما جاء يستلم

ترجمہ: ''قریب ہے کہ رکن حطیم ان کی ہتھیلی کو پہچان کر انہیں روک لے
جبکہ اسے مس کرنے آئیں۔''

يغضى حياء و يغضى من مهابته
فما يكلم الاحين يتبسم

ترجمہ: ''وہ تو شرم وحیاء سے آنکھیں نیچی رکھتے ہیں لیکن اس کی ہیبت سے
لوگوں کی نگاہیں نیچی رہتی ہیں پس ان سے کوئی بات نہیں کرسکتا
مگر جب وہ تبسم فرماتے ہیں۔''

بكفه خيزران ريحها عبق
من كف اروع في عرنينه شمم

ترجمہ: ''ان کے ہاتھ میں خیزران کی چھڑی ہے جس کی خوشبو مہکتی ہے،
ایسی ہتھیلی سے کہ جو زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے۔''

مُشَتقةٌ من رسول الله نبعخه
طابت عناصر ها والخيم والشيم

ترجمہ: ''رسول اللہ سے مشتق (نکلی ہوئی) ہیں ان کی شاخ کہ جس کی
جڑیں پاکیزہ ہیں اور عادات وخصائل (بھی پاکیزہ ہیں)۔''

ينجاب نور الهدى من نور غرته
كالشمس ينجاب عن اشراقها الغيم

ترجمہ: "ان کی پیشانی کے نور سے تاریکی کا ابر (بادل) چھٹ جاتا ہے جس طرح سورج کے چمکنے سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔"

حمال اثقال اقوام اذا فدحرا
حلوا اشمائل تحلو عنده نعم

ترجمہ: "قوموں کے بوجھ اٹھانے والے ہیں جب وہ مصیبت میں پھنس جائیں جو شیریں شمائل ہیں ان کے پاس نعمتیں خوشگوار ہوتی ہیں۔"

هذا ابن فاطمة ان کنت جاهله
بجده انبیاء الله قد ختموا

ترجمہ: "اگر تو اس سے جاہل ہے تو جان لے کہ وہ فاطمہ زہراء کا بیٹا ہے اور اس کے جد پر انبیاء کا خاتمہ ہوا ہے۔"

من جده و ان فضل الانبیاء له
و فضل امته و انت له الامم

ترجمہ: "ان کے جد وہ ہیں کہ تمام انبیاء کی خصلتیں ان سے کم ہیں اور ان کی امت کی فضیلت کے مقابلہ میں تمام امتیں پست ہیں۔"

عم البریة بالاحسان فانقشعت
عنها الغوایة والاملاق والظلم

ترجمہ: "ان کا احسان تمام مخلوقات پر ہے ان کی وجہ سے گمراہی اور فقر و فاقہ اور تاریکیاں دور ہو گئی ہیں۔"

کلتا یدیه غیاث عم نفعهما
یستر کفان ولا یحروهما العدم

ترجمہ: "ان کے دونوں ہاتھ بادل ہیں کہ جن کا نفع سب کے لیے ہے وہ مسلسل برستے رہتے ہیں اور ان کے لیے رکنا نہیں ہے۔"

سهل الخليقة لا تخشى بوادره
يزينه اثنتان الحلم و الكرم

ترجمہ: "وہ نرم خو ہیں ان کی جلد بازیوں کا خوف انہیں نہیں ہے انہیں دو چیزیں ایک حلم اور دوسرا کرم (سخاوت) زینت دیتی ہے۔"

لا يخلف الوعد ميمون بغيبته
رحب الفناء اريب حين يعتزم

ترجمہ: "یہ وعدہ خلافی نہیں کرتے مبارک ہے ان کی ذات وہ مہمان نواز اور صاحب عقل وخرد ہیں۔"

من معشر حبهم دين و بغضهم
كفر و تربهم منجي و معتصم

ترجمہ: "وہ ایسے گروہ میں سے ہیں جن کی محبت دین ہے اور جن کا بغض کفر ہے، جن کا قرب نجات وحفاظت کا ذریعہ ہے۔"

يَسْتدفع السوء والبلوىٰ بحبهم
و يستزاد به الاحسان والنعم

ترجمہ: "برائی اور مصیبت ان کی محبت کی وجہ سے دفع کی جاتی ہے اور ان کی وجہ سے احسان ونعمتوں میں اضافہ طلب کیا جاتا ہے۔"

مقدم بعد ذكر الله ذكرهم
فى كل حكم و مختوم به الكلم

ترجمہ: "اللہ کے ذکر کے بعد ان کا ذکر مقدم ہے ہر فریضہ و واجب میں،

اوراسی پر گفتگو کا اختتام ہوتا ہے۔“

ان عد اهل التقیٰ کانو آئمتهم
او قیل من خیر اهل الارض قیل هو

ترجمہ: ”اگر متقیوں کو گنا جائے تو یہ ان کے آئمہ ہیں یا پوچھا جائے کہ اہل زمین سے بہترین کون ہیں تو کہا جائے گا کہ یہی ہیں۔“

لا یستطیع جواد بعد غایتهم
ولا یدانیهم قوم وان کرموا

ترجمہ: ”ان کی انتہا کے بعد کوئی سخی طاقت نہیں رکھتا اور نہ ہی کوئی قوم ان کے نزدیک پھٹک سکتی ہے اگرچہ وہ کریم ہو۔“

هم الغیوث اذا ما اذمة ازمت
والاسد اسد الشریٰ والباس محتدم

ترجمہ: ”اگر لوگ قحط کی مصیبت میں ہوں تو یہ ابر باراں ہیں اور اگر جنگ کی آگ بھڑک اٹھے تو جنگل کے شیر ہیں۔“

یأبیٰ لهم ان یحل الذم ساحتهم
خیم کریم واید بالندیٰ هضم

ترجمہ: ”مذمت ان کے میدان کے قریب آنے سے انکار کرتی ہے کریم عادتوں والے ہیں اور ایسے ہاتھ جو سخاوت سے نہیں رکتے۔“

لا ینقص العدم بسطا من اکفهم
سیان ذالك ان اثروا وان عدموا

ترجمہ: ”تنگ دستی ان کی ہتھیلیوں کی (سخاوت کرنے سے) کم نہیں کر سکتی ان کے لیے برابر ہے کہ ان کے پاس دولت ہو یا نہ ہو۔“

ای الخلائق لیست فی رقابھم
لأولیة ھذا أوله نعم

ترجمہ: ”کون سی مخلوق ہے کہ جن کی گردنوں پر خود ان کے یا ان کے
آباؤ واجداد کے احسان نہ ہوں۔“

فلیس قولك من ھذا بضائرہ
العرب تعرف من انکرت والعجم

ترجمہ: ”تیرا یہ کہنا کہ یہ کون ہے ان کے لیے کوئی ضرر رساں نہیں ہے
جن کا تو نے انکار کیا ہے ان کو عرب وعجم جانتے ہیں۔“

من یعرف الله یعرف أولیة ذا
والدین من بیت ھذا ناله الامم

ترجمہ: ”جو اللہ کو پہچانتا ہے وہ ان کی اولیت کو پہچانتا ہے اسی گھر سے ہی
تمام امتوں کو دین ملا ہے۔“

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب ہشام نے یہ مدح بھرا قصیدہ سنا تو فرزدق پر ناراض ہوا اور حکم کیا کہ فرزدق کو عسفان (مکہ اور مدینہ کے درمیان) کے مقام پر قید کر دیا جائے۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے جب یہ سنا تو آپ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کو بھیجے۔ فرزدق نے یہ رقم واپس امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دی اور ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ میں نے آپ کی تعریف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کے لیے کی ہے، کوئی انعام کے حصول کے لیے نہیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے پھر یہ رقم واپس فرزدق کو بھیج دی اور فرمایا کہ ہم تمہارے اخلاص کی قدر کرتے ہیں اور تمہیں قسم دیتے ہیں کہ یہ رقم تم قبول کر لو، فرزدق نے قبول کر لی اور پھر قید میں ہی ہشام کی ہجو لکھی جس سے یہ دو شعر ہیں:

تحسبني بين المدينة والتي
اليها قلوب للناس يهوىٰ منيها
يقلب رأساً لم يكن رأس سيد
و عينين حولاوين باد عيوبها

ترجمہ: ”تو نے مجھے مکہ اور مدینہ کے درمیان قید کر دیا ہے جس کی طرف
لوگوں کے دل جھکتے ہیں (اور وہ کہ جو انہیں پھیرنا چاہتا ہے) وہ
پھیرتا ہے ایک سر کو جو کہ سردار کا سر نہیں ہے اور اس کی دونوں
آنکھیں بھینگی ہیں جن کا بھینگا پن ظاہر ہے۔“

(البدایہ والنہایہ ص۱۰۹ ج۹)

فرزدق نے اپنے اس مدح بھرے قصیدے میں امام زین العابدین علیہ السلام کی شان بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کو صرف حجر اسود ہی نہیں پہچانتا بلکہ سرزمین بطحاء، بیت اللہ، حل و حرم بلکہ تمام عرب و عجم پہچانتا ہے اور یہ تمام ان کے امام ہونے کی گواہی اور شہادت دیتے ہیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام اور دیگر آئمہ اہل بیت کرام ولایت اور دین اسلام کے امام ہیں، چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ آئمہ اہل بیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب شریعت تھے لہٰذا آئمہ اہل بیت بھی صاحب شریعت کے نائب ہوئے اور آئمہ اہل بیت نے جو مشکل کام طریقت و ولایت کا تھا اس کو اختیار کیا، عبادت، ریاضت اور تربیت باطن میں مشغول ہوئے اسی لیے علم طریقت کے اسرار زیادہ تر آئمہ اہل بیت سے ہی منقول ہیں اور اہل سنت و جماعت نے ولایت اور طریقت کے سلاسل کو آئمہ اہل بیت کی طرف ہی منسوب کیا ہے اور حدیث ثقلین کا اشارہ بھی اسی طرف ہی ہے۔ (تحفہ اثناء عشریہ ص ۷۵)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا مطلب ظاہر ہے کہ آئمہ اہل بیت

(بارہ امام) طریقت و ولایت کے امام ہیں۔ ولایت اور طریقت کے سلسلہ میں ان کے ساتھ تمسک ضروری ہے۔ حدیث ثقلین میں اسی کی طرف اشارہ موجود ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک کتاب اللہ جس میں ہدایت اور روشنی ہے اور دوسری میری اہل بیت، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔ (صحیح مسلم ص ۲۷۹ ج ۱)

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ تحقیق میں تم لوگوں میں دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں اگر تم ان دونوں کا لحاظ رکھو گے تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے۔ ان دونوں میں ایک دوسرے سے افضل ہے ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری اولاد اور اہل بیت۔ (فتاویٰ عزیزیہ ص ۲۵۰)

حدیث ثقلین میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ طریقت اور ولایت میں اہل بیت کے ساتھ تمسک ضروری ہے کہ یہ دولت ان کے گھرانے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لیے تمام اولیاء کرام اور علمائے اسلام روحانی طور پر ان کے در و دولت کے محتاج ہیں مثلاً بایزید بسطامی جو کہ طریقت میں بہت بڑا مقام رکھتے تھے، ان کو طریقت کی دولت حضرت جعفر بن موسیٰ کاظم (المتوفی) کے گھر سے ملی، اسی طرح تمام اولیاء صوفیاء کو مقام ولایت اہل بیت رسول کے گھرانہ سے ہی ملا۔ چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اخبار الاخیار کے مقدمہ میں لکھتے ہیں جب خاتم النبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت حضرت علی علیہ السلام کی ذات گرامی تک پہنچی تو اس شجرہ علم ولایت سے درخت طوبیٰ کی مانند بے شمار شاخیں پھوٹیں جن کے کمالات ہر جانب سایہ فگن ہوئے اور ساری دنیا حضرت علی علیہ السلام کے نور جمال ولایت سے روشن ہوگئی۔ بالخصوص رسول اللہ کی اولاد پاک نے بحکم وراثت حقیقی اور مناسبت ذاتی ولایت کا پورا پورا حصہ اور فیض حاصل کیا اور اپنی عصمت ذاتی کی بناء پر ولایت معنوی کا علم بلند کرتے ہوئے ظاہری حکومت دوسرے لوگوں

کے لیے چھوڑ دی خاندانِ نبوت سے نور ولایت نہ تو کبھی منقطع ہوا نہ ہو گا اور آسمان ولایت نے بغیر ان اقطاب کے کبھی قرار نہیں پکڑا۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا قطب الاقطاب عالم، غوث بنی آدم اور مرجع جن و انس بنا کر مشرق و مغرب میں مشہور و معروف کر دیا اور حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی کو دین اسلام کا دوبارہ زندہ کرنے والا بنایا۔ اگرچہ جمال محمدی تمام آل میں تاباں و درخشاں ہے مگر محی الدین شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ میں اس کا کچھ اور ہی رنگ ہے جو حقیقتاً جمال احمدی و کمال محمدی کا مظہر اتم ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جہاں تک مقام طریقت اور ولایت کا تعلق ہے اس راستہ سے فیضان حاصل کرنا اہل بیت کے ذریعہ سے ہے اور ساری دنیا ان کے نور ولایت کی محتاج ہے۔ ان پاک حضرات نے ارادتاً دنیاوی حکومت کو دوسرے لوگوں کے لیے چھوڑ دیا جیسے کہ سب سے پہلے امام حسن علیہ السلام نے دنیاوی حکومت حضرت معاویہ کے دباؤ یا ڈر کی وجہ سے نہیں چھوڑی تھی بلکہ اپنی مرضی اور مسلمانوں کی بہتری کے لیے حکومت دنیا کو ترک فرمایا چنانچہ فتاویٰ مظہری ص ۲۱۲ میں ہے کہ جب حضرت معاویہ کی شامی فوج اور امام حسن علیہ السلام کی فوج آمنے سامنے ہوئی تو حضرت معاویہ نے ڈر اور خوف کی وجہ سے امام حسن علیہ السلام سے مشروط طور پر صلح کر لی جس میں یہ شرط بھی تھی کہ حضرت معاویہ اپنی زندگی کے بعد اپنی اولاد میں سے کسی کو بادشاہ منتخب نہیں کریں گے بلکہ یہ مسلمانوں کی مرضی پر موقوف ہو گا جسے مسلمان مناسب سمجھیں گے اس کو اپنا بادشاہ بنا لیں گے چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کے پاس اتنا جرار لشکر تھا جس سے خوف کھا کر حضرت معاویہ نے پیغام صلح بھیجا اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی پیش کردہ شرائط جن کو حضرت معاویہ تسلیم نہیں کر رہے تھے وہ بھی تسلیم کر لیں۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب الصلح میں حضرت حسن بصری (المتوفی ۱۱۰ھ) سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم امام حسن علیہ السلام حضرت معاویہ کے مقابلے میں پہاڑوں کی مانند لشکر لے کر گئے تھے اس کو

دیکھتے ہی عمرو بن عاص نے حضرت معاویہ سے کہا کہ میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں کہ وہ جب تک اپنے حریفوں کو قتل نہ کریں گے پیٹھ نہ پھیریں گے انہوں نے کہا کہ اگر ان کے لشکر نے ہمارے لشکر کو قتل کر دیا تو ہمارے پاس رعایا کا انتظام کرنے والا اور لشکریوں کی عورتوں اور ان کے مالوں کا انتظام کرنے والا کون رہ جائے گا۔ جب یہ خوف دامن گیر ہوا تو حضرت معاویہ نے بنی عبد شمس کے دو آدمیوں یعنی عبد الرحمان بن سمرہ اور عبد اللہ بن عامر کو حضرت امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں صلح کی بات چیت کرنے کے لیے بھیجا۔ جب یہ امام حسن کی خدمت میں پہنچے اور صلح کے لیے عرض کیا تو امام حسن علیہ السلام نے فرمایا ہم بنی عبد المطلب ہیں یعنی کسی سے دبنے والے نہیں ہیں پھر یہ تو سوچو کہ جنگ کی تیاری میں ہم کس قدر مال خرچ کر چکے ہیں ادھر لشکر ہے کہ جنگ کے لیے بے قرار ہے دونوں نے عرض کیا کہ معاویہ کی تو جناب کی خدمت میں یہی درخواست ہے امام حسن علیہ السلام نے صلح کی شرائط پیش فرما دیئے جن کو حضرت معاویہ نے منظور کرلیا اور امام حسن علیہ السلام نے حضرت معاویہ سے صلح کرلی۔

حضرت معاویہ امام حسن علیہ السلام کے نائب تھے

اسی مضمون کو بخاری میں حضرت سفیان بن عیینہ (المتوفی ۱۹۸ھ) سے بھی ایک روایت ہے بلکہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ نے سادہ کاغذ حضرت امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا کہ جو چاہیں شرائط تحریر فرمائیں مجھے سب منظور ہے۔ امام حسن علیہ السلام نے دیگر شرائط کے علاوہ ایک اہم شرط یہ بھی رکھی:

ليس لمعاوية بن ابی سفيان ان يعهد الی احد
من بعده عهداً بل يكون الامر من بعده شوریٰ

بین المسلمین۔

کہ معاویہ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنے بعد کسی کے لیے اس امر امارت کی وصیت کریں بلکہ ان کے بعد یہ امر مسلمانوں کے مشورے اور اتفاق سے طے پائے گا، اب اس سے ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ مشروط حکومت کرنے کے پابند تھے اسی وجہ سے علماء اہل سنت نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے جب حضرت معاویہ کو مشروط حکومت کرنے کا پابند کر دیا تو حضرت معاویہ امام حسن علیہ السلام کے حکومت کرنے میں نائب ہوئے چنانچہ ابن حجر مکی صوائق محرقہ ص ۱۳۴ پر لکھتے ہیں:

ولذا ناب معاوية عنه۔

کہ حضرت معاویہ تو امام حسن علیہ السلام کے نائب ہوئے۔

یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ حضرت معاویہ نے بعد میں ان شرائط کی پابندی کہاں تک کی۔

بہرصورت حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنی مرضی کے مطابق مسلمانوں کی بہتری کے لیے ظاہری حکومت کو ترک کر دیا اور ولایت معنوی کو اختیار فرما لیا۔ درحقیقت ظاہری حکومت کے مالک بھی اہل بیت اطہار ہی تھے اسی وجہ سے مامون الرشید نے امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم کو اپنا ولی عہد مقرر فرمایا چنانچہ شواہد النبوت ص ۳۸۱ میں ہے کہ مامون رشید (المتوفی ۲۱۸ھ) نے جب امام علی رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو آپ نے انکار کر دیا لیکن مامون رشید نے اصرار شروع کر دیا بالآخر آپ نے ولی عہد بننا قبول کر لیا اور مامون الرشید کو لکھا کہ بلاشبہ تم نے ہمارے حقوق پہچانے ہیں جو تمہارے باپ دادا نے نہیں پہچانے تھے اس لیے میں تمہاری ولی عہدی کو قبول کرتا ہوں مگر جفرؔ اور جامعہؔ کے حساب سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ امر پورا نہیں ہوگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مامون الرشید بھی یہ سمجھتا تھا کہ حکومت ظاہری کے مستحق بھی اہل بیت

اطہار ہی ہیں ۔ اگر ہم حکومت کر رہے ہیں تو یہ ان کی نیابت میں ہے، بایں وجہ اس نے امام علی رضا علیہ السلام کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا چونکہ اہل بیت اطہار نے حکومت ظاہری کو اپنی مرضی سے ترک کیا تھا، لہٰذا امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تمہارے کہنے پر بامر مجبوری ''ہاں'' کر لی ہے لیکن جفر و جامعہ کا حساب بتا رہا ہے کہ یہ امر پورا نہیں ہو گا۔ علامہ سید شریف (المتوفی ۸۱۶ ھ) نے شرح مواقف میں لکھا ہے کہ جفر اور جامعہ یہ حضرت علی علیہ السلام کی کتابیں ہیں آپ کی اولاد امجاد سے آئمہ کرام ان کتابوں کے رموز پہچانتے ہیں۔ اسی بناء پر حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ظاہری حکومت کا کام ہم سے پورا نہیں ہو گا۔

جب آئمہ اہل بیت نے اپنی مرضی سے حکومت ظاہری کو ترک کیا اور ولایت باطنی و معنوی کو اختیار فرمایا تو یہ ولایت اور طریقت کے امام ہوئے چنانچہ مجدد الف ثانی (المتوفی ۱۰۳۴ھ) بھی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والے دو راستے ہیں پہلا وہ راستہ ہے جو قرب نبوت سے تعلق رکھتا ہے اس راستہ سے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے والے دراصل انبیاء کرام ہیں اور ان کے اصحاب اور باقی امتوں میں سے جس کو بھی وہ اس ذریعہ دولت سے نوازنا چاہیں، ان میں شامل ہیں اور دوسرا راستہ قرب ولایت کا ہے جس کے ذریعے اقطاب، اوتاد، ابدال، نجباء و عام اولیاء اللہ تعالیٰ تک پہنچتے ہیں (اسی کو سلوک کا راستہ کہتے ہیں) اس راستہ کے واصلین کے پیشوا اور سردار اور ان کے فیض کے منبع حضرت علی مرتضیٰ مشکل کشاء علیہ السلام ہیں اور یہ عظیم الشان منصب آپ سے ہی تعلق رکھتا ہے اور حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء اور حضرت حسنین کریمین اس مقام میں ان کے ساتھ شامل ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مولیٰ علی علیہ السلام قبل از ظہور وجود عنصری (یعنی پیدائش سے پہلے) بھی اس مقام پر فائز تھے جیسا کہ آپ جسدی پیدائش کے بعد ہیں کیونکہ وہ اس راستہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز ان سے ہی تعلق رکھتا ہے اور اس راستہ کے واصلین آپ کے وسیلہ اور واسطہ

سے منزل مقصود تک پہنچتے رہے اور جب حضرت امیر مولیٰ علی علیہ السلام کا دور ختم ہوا تو یہ عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرت حسنین کریمین کو سپرد ہوا اور ان کے بعد وہی منصب آئمہ اثناء عشر میں ہر ایک کو ترتیب وار سپرد ہوتا رہا۔ ان آئمہ اہل بیت کے زمانہ میں اور اسی طرح ان کے انتقال کے بعد جس کو بھی ہدایت اور فیض پہنچتا ہے ان آئمہ اہل بیت کے واسطہ سے پہنچتا ہے اگرچہ وہ دوسرے لوگ اپنے زمانہ کے اقطاب و نجباء وقت ہی کیوں نہ ہوں اور سب کے ملجاء و ماویٰ تو یہی آئمہ اہل بیت ہیں کیونکہ اطراف (تمام خطوط) اپنے مرکز کے ساتھ ملحق (مل جاتے) ہیں یہاں تک کہ یہ معاملہ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تک پہنچا اور آپ کو یہ منصب مذکور سپرد ہوا اور یہ منصب آپ کے ساتھ مختص ہوا اس پر کوئی دیگر فائز نہیں ہوا۔ اب اس راستے میں جس کو ہدایت وفیض ملتا ہے خواہ وہ اقطاب اور نجباء ہی کیوں نہ ہو، آپ کے ذریعہ سے ہی ملتا ہے کیونکہ یہ مرکز ان کے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ،

افلت شموس الاولین و شمسنا
ابداً علی افق العلیٰ لا تغرب

شمس سے مراد فیضان ہدایت و ارشاد کا آفتاب ہے اور اس کے غروب ہونے کا مطلب فیضانِ مذکورہ کا عدم ہے اور جب حضرت شیخ کے وجود سے وہ معاملہ جو پہلے لوگوں سے تعلق رکھتا تھا مقرر ہوا اور وہ ارشاد و ہدایت کے وصول کا واسطہ ہوئے جیسا کہ ان سے پہلے لوگ تھے اور پھر یہ بھی ہے کہ جب تک فیض کے توسط کا معاملہ قائم ہے انہی کے وسیلہ سے ہے تو لازماً درست ہوا کہ افلت شموس الاولین و سمسنا۔

(مکتوبات ص ۱۶۵ حصہ دوم دفتر سوم)

مجدد صاحب کی کلام اور مکتوب سے بھی ثابت ہوا کہ آئمہ اہل بیت طریقت اور ولایت معنوی کے امام ہیں۔

سوال:

آپ لکھ رہے ہیں کہ آئمہ اہل بیت، طریقت و ولایت کے امام ہیں حالانکہ امام جعفر صادق علیہ السلام تو مذہب کے بھی امام ہیں۔ اسی لیے شیعہ حضرات ان کی فقہ کی تقلید کرتے ہیں جس کو فقہ جعفری کہا جاتا ہے۔

جواب:

اولاً یہ ہے اگر فقہ کے لحاظ سے امام مانا جائے گا تو پھر بقول شیعہ صرف امام جعفر صادق علیہ السلام امام مذہب ہوں گے دوسرے آئمہ اہل بیت مذہب کے امام نہ ہوں گے کیونکہ فقہ (جعفری) تو صرف امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف منسوب ہے لہٰذا اس بناء پر صرف امام جعفر صادق علیہ السلام مذہب کے امام ہوں گے دوسرے آئمہ سے کوئی بھی امام نہیں ہوگا حالانکہ امام تو بارہ ہیں صرف جعفر صادق ہی تو نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام مذہب کے امام نہیں ہیں کیونکہ مذہب میں ظن ہوتا ہے اس لیے کہ مذہب تو اجتہادی مسائل کا نام ہے اور اجتہادی مسائل میں خطاء اور صواب دونوں کا احتمال ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اذا حکم الحاکم فاجتھد نا صاب فلله اجران و اذا حکم فاجتھد فاخطاء فلله اجر۔ (سنن ابوداؤد ص ۱۴۷) یعنی جب کوئی حاکم حکم کرتے وقت اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد درست ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر اجتہاد میں اس سے غلطی ہو تو پھر اس کے لیے ایک اجر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجتہد سے غلطی بھی ہو سکتی ہے اور مذہب مسائل اجتہادیہ کا نام ہے جس میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔ چنانچہ فن اصول میں ہے کہ مجتہد جن مسائل میں اجتہاد کرتا ہے ان میں غلطی اور صواب دونوں کا احتمال ہے۔

بما تقرر من تاویل المجتهد مع احتمال انه غلط والصواب فی الجانب الآخر حتی قلنا ان المجتهد یخطئ و یصیب۔ (حسامی ص ۱۴، نورالانوار ص ۳۵۶)

جب مسائل اجتہادیہ میں ظن اور غلطی کا احتمال ہوتا ہے تو امام جعفر صادق علیہ السلام مسائل اجتہادیہ کے امام نہیں ہوں گے بلکہ دین کے امام ہوں گے کیونکہ بقول شیعہ امام جعفر صادق علیہ السلام معصوم ہیں جن سے غلطی کا صادر ہونا ناممکن ہے کیونکہ ان کا حکم نبی کا حکم ہے جس میں ہرگز خطاء کا احتمال نہیں ہے اسی وجہ سے تو امام جعفر صادق علیہ السلام کی تقلید نہ ہوگی کیونکہ تقلید مذہب (مسائل اجتہادیہ) میں ہوتی ہے، دین میں نہیں ہوتی کیونکہ تقلید دین میں ہرگز جائز نہیں ہے اسی لیے مذہب کو خدا اور رسول کی طرف نسبت کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ مسائل اجتہادیہ اور مذہب میں ظن ہے اور نہ ہی مذہب کی نسبت آئمہ کی طرف ہوگی بلکہ ان کے افعال اور اقوال تو فقہ اور دلائل کے ماخذ ہیں یہ غیب سے وصول علم شرعی کا وسیلہ ہیں۔ (تحفہ اثناء عشریہ ص ۷۵)

اس سے ثابت ہوا کہ امام جعفر صادق اور امام زین العابدین علیہما السلام اور دیگر آئمہ اہل بیت دین اور ولایت کے امام ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام اور دیگر آئمہ اہل بیت اطہار ولایت کے امام ہیں کہ انہوں نے اپنی مرضی سے دنیاوی حکومت کو ترک کیا اور باطنی حکومت اور معنوی ولایت کو اختیار کیا تو ظاہر ہے کہ یہ حضرات ولایت اور طریقت کے امام ہوئے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کو واقعہ کربلا کے بعد اہل مدینہ نے متفق ہو کر کہا کہ ہم لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں لیکن آپ نے جواب دیا کہ میں تمہاری دنیاوی حکومت کے لیے ہرگز بیعت نہیں لوں گا اسی طرح حصین بن نمیر نے یزید کی موت کے بعد کہا کہ ہم آپ کو حکومت دیتے ہیں اور آپ کی بیعت کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کسی اور آدمی کو تلاش کرو۔ مجھے یہ بات نہ کہو اور میں

تمہاری بیعت ہر گز نہیں لوں گا اور نہ ہی میں تمہارا دنیاوی بادشاہ بنوں گا۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے دنیا سے ہٹ کر ولایت اور طریقت کو اپنایا لہٰذا امام زین العابدین علیہ السلام اور دیگر آئمہ اہل بیت ولایت اور طریقت کے امام ہوئے نہ کہ اجتہادی اور تقلیدی امام ہوئے۔

امام زین العابدین علیہ السلام اور واقعہ کربلا

ہم امام زین العابدین علیہ السلام اور علم حدیث کی بحث میں لکھ آئے ہیں کہ حدیث رسول میں تمام اسناد سے صحیح سند امام زین العابدین علیہ السلام والی ہے اور آپ سے تمام مروی روایات تمام روایات سے صحیح تر ہیں اور واقعہ کربلا کے اصل راوی چونکہ امام زین العابدین علیہ السلام ہی ہیں لہٰذا آپ کے مروی روایات کی روشنی میں واقعہ کربلا کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے کیونکہ زیادہ تر آپ کی زندگی پر اثر ڈالنے والا واقعہ کربلا کا واقعہ ہی تو ہے کیونکہ اس واقعہ کربلا میں امام زین العابدین علیہ السلام شروع سے لے کر آخر تک وابستہ رہے ہیں بلکہ واقعہ کربلا کے بعد جو اس کے اثرات تھے ان سے زیادہ تر امام زین العابدین علیہ السلام متاثر تھے چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ایک آدمی نے امام زین العابدین علیہ السلام کو کہا کہ آپ ہر وقت غم ناک ہی رہتے ہیں اور آپ کے آنسو کبھی خشک نہیں ہوتے، امام زین العابدین علیہ السلام نے اس آدمی کو جواب دیا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام گم ہوئے تھے (فوت نہیں ہوئے تھے) حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں ان کے غم و فراق میں رو رو کر سفید ہو گئیں میں نے تو اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے گھر کے اٹھارہ افراد دشمن کے ہاتھوں ذبح ہوتے ہوئے دیکھے ہیں میں کیسے غم ناک نہ ہوں اور کیسے نہ روؤں تم دیکھتے نہیں ان کے غم کی وجہ سے میرے دل

کے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۰۷ ج ۹)

اور سید علی ہجویری (المتوفی ۴۶۵ھ) (داتا گنج بخش) لکھتے ہیں کہ جب میدان کربلا میں حسین بن علی کو فرزندوں سمیت شہید کر دیا گیا تو سوائے حضرت زین العابدین کے مستورات کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ وہ بھی بیمار تھے حضرت حسین ان کو علی اصغر کہا کرتے تھے جب مستورات کو اونٹوں پر برہنہ (ننگے) سر دمشق میں لے کر آئے تا کہ یزید بن معاویہ کے سامنے پیش کریں تو اسی اثناء میں کسی نے کہا اے علی (زین العابدین) اور اہل بیت رحمت عالمین، تمہاری صبح کیسی ہے امام زین العابدین نے فرمایا ہماری صبح ہماری قوم کے ہاتھوں میں ایسی ہے جیسے قوم موسیٰ کی صبح فرعون اور اس کی قوم کے ہاتھوں تھی، ان کے مردوں کو قتل کیا جاتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھا جاتا تھا۔ ہمارے لیے صبح و شام کی تفریق ختم ہو چکی ہے۔ یہ ہماری مصیبت کی حقیقت ہے۔ (کشف المجوب ص ۱۴۶)

جب واقعہ کربلا سے زیادہ متاثر امام زین العابدین علیہ السلام ہوئے ہیں اور آپ کی زندگی کے واقعات سے زیادہ اہم واقعہ کربلا کا حادثہ ہی ہے تو پھر آپ کے حالات زندگی بیان کرتے وقت اس واقعہ کا لکھنا بھی ضروری ہے۔

واقعہ کربلا

۶۰ ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کے مقام پر وفات پائی آپ کے بعد آپ کا مقرر کردہ ولی عہد آپ کا بیٹا یزید تخت سلطنت پر بیٹھا یہ نہایت فاسق و فاجر، ظالم و بدکردار بلکہ علمائے محققین کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج اور انتہائی بے ادب اور گستاخ تھا۔ محرمات کے ساتھ نکاح اور دیگر محرمات شرعیہ کو اس بے دین نے

علانیہ رواج دیا حضرت عبداللہ بن حنظلہ الغسیل نے فرمایا واللہ ہم نے یزید پر اس وقت خروج (حق کے اظہار کے لیے نکلنا) کیا جب ہم کہ یہ ڈر ہو گیا کہ کہیں یزید کی بداعمالیوں اور بدکاریوں کی وجہ سے ہمارے اوپر آسمان سے عذاب کے پتھر نہ برسنے لگیں۔

(جذب القلوب ص ۳۸)

یزید جب تخت پر بیٹھ گیا تو اس نے مدینہ کے حاکم ولید بن عتبہ بن ابوسفیان کو خط لکھا کہ تم حسین بن علی، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے میرے لیے بیعت لو اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو۔ چنانچہ یزید کا فرمان ملتے ہی ولید بن عتبہ نے امام حسین علیہ السلام کو دارالامارۃ (گورنر ہاؤس) میں بلایا اور یزید کا فرمان سنا کر آپ سے بیعت کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا:

مثلی لا یبایع سرأ وما اراك و تجرئ منی بهذا۔

کہ میری مثل شخص پوشیدہ بیعت نہیں کرتا اور تم کو یہ جرأت بھی نہیں کرنی چاہیے کہ مجھ سے بیعت کا مطالبہ کرو یہ مسئلہ تمام مسلمانوں میں حل ہونا چاہیے۔ ولید نے کہا کہ ٹھیک ہے تمام لوگوں کے اجتماع میں ہی اب یہ بات ہو گی۔ آپ تشریف لے جائیں۔ ولید کے پاس اس وقت مروان بن حکم بھی تھا، اس نے ولید کو کہا کہ اگر حسین اس وقت چلے گئے اور یزید کی بیعت نہ کی تو پھر مشکل سے ہی یہ ہمارے قابو میں آئیں گے ان کو قید کر لو تمہارے پاس سے نکلنے نہ پائیں، والا ضربت عنقه اور اگر یہ بیعت نہیں کرتے تو ان کی گردن مار دو (یعنی قتل کر دو) امام حسین علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا، یا ابن الزرقاء انت تقتلنی کہ اے زرقا کے بیٹے کیا تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے واللہ تو نے جھوٹ بکا۔ امام حسین علیہ السلام واپس تشریف لے آئے، بعد میں مروان بن حکم، ولید بن عتبہ کو کہنے لگا تم کو چاہیے تھا کہ حسین کو قتل کر دیتا تو ولید نے کہا کہ مروان ایسی بات نہ کرو تم مجھے ایسی بات کا مشورہ دیتے ہو جس میں میرے دین کی

تباہی و بربادی ہے واللہ حسین کو قتل کر کے ساری دنیا کا مال و ملک جہاں تک آفتاب طلوع وغروب ہوتا ہے، مجھے مل جائے تو مجھے منظور نہیں ہے کیا میں حسین کو ایک بیعت نہ کرنے پر قتل کروں واللہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ قیامت کے دن جس شخص سے خون حسین کی باز پرس ہوگی وہ قیامت کے دن خدا کے سامنے خفیف المیزان (یعنی دوزخی) ٹھہرے گا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۴۷ ج ۸، تاریخ کامل ابن اثیر ص ۱۵ ج ۴)

اس کے بعد ولید بن عتبہ نے یزید کو خط لکھا کہ امام حسین علیہ السلام نہ تجھ سے بیعت فرمانا چاہتے ہیں نہ تیری حکومت پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ رکھتے ہیں چنانچہ یزید نے یہ جواب سن کر غضب ناک ہو کر ولید کو دوسرا خط لکھا جس میں یہ مضمون تھا یا تو ان سے بیعت لو اگر انکار کریں تو قتل کر کے ان کا سر یہاں بھیج تاکہ ہماری عنایت تجھ پر بدستور رہے ورنہ تو بھی اپنے آپ کو سلطنت سے معزول سمجھ۔ ولید نے یہ خط دیکھ کر لاحول پڑھی اور کہا کہ یہ تو معمولی سلطنت ہے اگر ربع مسکوں بھی مجھے دے تو میں قتل شہزادہ حسین کے لیے تیار نہیں اور یہ تو محض معزولی ہے۔ اگر کوئی اور تکلیف بھی پہنچے تو گوارا کروں گا مگر اس کام کے لیے میں ہرگز تیار نہ ہوں گا۔ چنانچہ ولید نے یزید کا یہ خط (جس میں قتل کا حکم تھا) امام حسین کی خدمت میں بھیج دیا۔ امام نے یہ خط دیکھ کر اپنے مخلصین (دوستوں) سے مشورہ کیا تو آپ کو مشورہ دیا گیا کہ آپ ایسے ماحول میں مکہ مکرمہ تشریف لے جائیں تو مناسب ہے چنانچہ آپ نے مکہ مکرمہ کی روانگی کا عزم فرمایا اور رات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے اور رو کر مزار اقدس سے چمٹ گئے اور عرض کرنے لگے نانا جان! میں وہی حسین ہوں جس کے لیے ہرنی اپنا بچہ لے کر آئی تھی میں وہی دلبند فاطمہ ہوں جس کا گہوارہ فرشتے جھلاتے تھے غرض کہ اسی طرح شب بھر روتے رہے۔ دوسری رات پھر حاضر ہوئے اور اسی طرح عرض کرتے رہے پھر تہجد ادا فرما کر روضہ مقدسہ کے سامنے بیٹھے تھے کہ آنکھ لگ گئی خواب میں دیکھتے ہیں کہ نانا جان نے اٹھا کر سینہ سے

لگایا، آنکھیں چومیں اور فرمایا کہ اے لخت جگر اے نور بصر عنقریب تم کربلا پہنچنے والے ہو اور وہاں سے بھوکے پیاسے شہادت کا شربت پی کر مجھ سے ملو گے۔ تیسری رات تربت زہرا علیہا السلام پر حاضر ہوئے اور اس طرح عرض کی السلام علیک یا اماہ. اماں جان! آپ کا پیاسا حسین حلقوم کٹوانے جا رہا ہے آپ سے رخصت ہونے آیا ہے۔ اماں جان آپ کے نور بصر حسین سے اب مدینہ چھٹ رہا ہے۔ تربت زہراء سے مضطربانہ آواز آئی اے بیٹا! مشیت ایزدی میں مجال دم زدن نہیں، چند روز مصیبت اٹھا کر جلدی ہم سے ملنے والے ہو، تمہاری جدائی میں یہاں بھی بے قراری ہے۔ (اوراق غم ص ۳۱۴)

غرضیکہ ۴ شعبان ۶۰ ہجری کو جمعہ کی رات میں مدینہ منورہ سے آپ مکہ مکرمہ کے لیے اپنے اہل وعیال اور خدام کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔

امام حسین علیہ السلام مکہ مکرمہ میں

پھر امام حسین مکہ مکرمہ پہنچ کر بقیہ شعبان، رمضان، شوال اور ذی قعد نہایت امن و امان کے ساتھ رہے، چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مکہ میں لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونے لگے اور تمام لوگوں کا میلان امام حسین علیہ السلام کی طرف تھا۔

لانه السيد الكبير و ابن بنت رسول الله فليس
على وجه الارض يومئذ احد يساميه ولا يساويه۔

کیونکہ آپ بہت بڑے سردار تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے بیٹے تھے اس وقت روئے زمین پر آپ کی مثل کوئی نہیں تھا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۵۱ ج ۸)

جب مکہ کے گورنر سعید بن عاص نے تمام لوگوں کا میلان امام حسین علیہ السلام کی

طرف دیکھا تو اس نے آپ کے ساتھ کوئی مزاحمت نہیں کی لیکن اس نے مکہ مکرمہ میں امام حسین کی تشریف آوری اور اہل مکہ کی آپ کے ساتھ بے پناہ عقیدت کی اطلاع یزید کے پاس روانہ کردی جس سے یزید اور بھی زیادہ برہم ہوگیا۔ امیر معاویہ کی وفات کے بعد جبھی سے یزید بادشاہ بنا تھا کوفہ و بصرہ و دیگر اہل عراق پر ابن زیاد کے مظالم زیادہ ہو گئے اور ان لوگوں نے یہ بھی سنا کہ امام حسین مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آ گئے ہیں تو اہل عراق کی تمام جماعتوں کے سرداروں اور سربراہوں نے آپ کی خدمت میں خطوط روانہ کیے جن کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو کے قریب تھی جن کا مضمون تقریباً یہ تھا کہ اے ابن رسول اللہ ہم شیعان علی ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے ہم یزید پلید جیسے فاسق و فاجر کے مظالم میں گرفتار ہیں، ہم یزید کی غیر شرعی حکومت سے بیزار ہیں، ہم لوگ آپ کی بیعت پر متفق ہیں، آپ جلد سے جلد کوفہ تشریف لا کر ہمیں یزید کی ظالمانہ سنت کے ظلم و استبداد سے نجات دلائیں اور اپنے نانا جان کی امت کو ایک گمراہ اور ظالم و فاسق کی اطاعت سے بچا لیں۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۵۱ ج ۸)

نیز ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ان خطوط کے علاوہ خود بھی اہل کوفہ سے متعدد عمائدین امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جو کہ یہ تھے، قیس بن سہر، عبدالرحمٰن بن عبداللہ الکوا، عمارہ بن عبداللہ، ہانی بن ہانی، سعید بن عبداللہ وغیرہ اور انہوں نے عرض کی کہ لوگ چشم براہ ہو کر آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور عہد و اقرار کرتے ہیں کہ ہم اپنی جان و مال کے ساتھ آپ کے وفادار اور جانثار رہیں گے۔ آپ فرزند رسول ہیں، امت کی ہدایت و دستگیری آپ کی ذمہ داری ہے، لہٰذا آپ ضرور تشریف لے چلیں۔ امام حسین علیہ السلام نے کوفہ جانے کا عزم فرما لیا۔

سوال:

آپ کوفہ کیوں تشریف لے گئے جبکہ آپ کو عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، حضرت جابر، ابوسعید حذری، ابوواقد یشی وغیرہ ہم یہ تمام حضرات کہہ رہے تھے کہ آپ کوفہ ہرگز تشریف نہ لے جائیں کیونکہ اہل کوفہ نے پہلے حضرت مولیٰ علی علیہ السلام سے بھی کوئی وفاداری نہیں کی نیز کوفہ کے اکثر لوگ معتمد علیہ نہیں ہیں لہٰذا کوفہ میں ہرگز ہرگز نہیں جانا چاہیے۔

جواب:

اصل مسئلہ یہ تھا کہ اہل کوفہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے یزید کے ظلم واستبداد کی وجہ سے یزید کی بیعت نہیں کی اور نہ ہی ہم اس کی بیعت کریں گے۔ ایسی صورت حال میں اگر کوئی قوم کسی ظالم وفاسق وفاجر کی بیعت کرنے پر راضی نہ ہو اور وہ کسی ایسے شخص سے بیعت کی درخواست کرے جو ہر طرح سے خلیفہ بننے کا مستحق ہو اگر وہ شخص اس قوم کی درخواست کو مسترد کرے تو اس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہوا کہ یہ شخص قوم کو ظالم، فاسق وفاجر کے حوالے کرنا چاہتا ہے چونکہ امام حسین علیہ السلام ہر طرح سے مسلمانوں کے امیر المومنین ہونے کے مستحق تھے، اگر آپ اہل کوفہ کی درخواست کو قبول نہ فرماتے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کا کیا جواب ہوتا کہ اے اللہ ہم نے ہر طرح امام حسین سے بیعت کی درخواست کی تھی لیکن امام نے ہماری درخواستوں کو ٹھکرا دیا اس لیے ہمیں یزید کے ظلم وتشدد سے مجبور ہو کر اس کی بیعت کرنا پڑی۔ اس حقیقت کے پیش نظر امام عالی مقام نے کوفیوں کی درخواست کو قبول ومنظور فرمالیا اور کوفہ تشریف لے گئے اور جو صحابہ اور دیگر لوگ آپ کو منع کر رہے تھے ان کے سامنے امام حسین علیہ السلام نے یہی صورت پیش فرمائی کہ آخر کار کوفہ والوں کی درخواست کو رد کرنے کے لیے میرے پاس عذر شرعی کیا ہے۔ غرضیکہ امام حسین علیہ السلام کے سامنے یہ ایک پیچیدہ معاملہ تھا ایک

طرف تو بڑے بڑے صحابہ کا اصرار تھا کہ آپ کوفہ تشریف نہ لے جائیں، دوسری طرف اہل کوفہ کی درخواست رد کرنے کے لیے امام کے پاس کوئی عذر شرعی نہیں تھا، لہٰذا آپ نے فیصلہ یہ کیا کہ پہلے حضرت مسلم بن عقیل کو بھیجا جائے، اگر اہل کوفہ نے بدعہدی کی تو نہ جانے کا عذر شرعی مل جائے گا اور اگر اہل کوفہ اپنے وعدے پر قائم رہے تو پھر صحابہ کو مطمئن کیا جا سکے گا۔ لہٰذا اس حقیقت کے پیش نظر امام حسین علیہ السلام تشریف لے گئے۔

سوال:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت میرے بعد تیس برس تک ہوگی اسی وجہ سے امام حسن علیہ السلام نے تیس برس ہونے کے بعد خلافت کو ترک کر دیا اور حکومت مشروط طور پر حضرت معاویہ کے سپرد کر دی۔ تیس سال کے بعد جب خلافت تھی نہیں تو امام حسین علیہ السلام نے کیوں خلافت کے حصول کے لیے کوشش کی اور کربلا میں تشریف لے گئے اور شہید ہو گئے اور یہ بھی حدیث میں موجود ہے کہ اکثر بادشاہ ظالم ہوں گے اور بہت ظلم کریں گے۔ صحابہ نے پوچھا کیا اس وقت مسلمان، ان ظالم بادشاہوں سے مقابلہ نہ کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کو مناسب نہیں ہے کہ ایسے بادشاہوں سے مقابلہ کریں جن کو حکومت تسلط (غلبہ) کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو، جب یزید کی حکومت بھی تسلط کی وجہ سے ہو گئی تھی تو امام حسین علیہ السلام کو یزید اور اس کی حکومت کی مخالفت نہ کرنا چاہیے تھی۔

جواب:

امام حسین علیہ السلام نے نہ خلافت کا دعویٰ کیا ہے اور نہ ہی خلافت کے حصول کے لیے نکلے تھے کیونکہ آپ کو بھی معلوم تھا کہ خلافت کا زمانہ گزر چکا ہے بلکہ آپ کی تو صرف یہ غرض تھی کہ ظالم کے ہاتھ سے رعایا کی رہائی ہو جائے کیونکہ ظالم کے ہاتھ سے مظلوم کو بچانا

شرعی طور پر فرض ہے اور سائل نے جو حدیث پیش کی ہے کہ بادشاہ وقت کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیے، یہ حکم اس وقت کا ہے جب کہ ظالم بادشاہ کا پورا پورا تسلط اور غلبہ ہو جائے اس کے تسلط میں کوئی مزاحم نہ ہو سکے۔ جب امام حسین علیہ السلام نے یزید کی بیعت کا انکار کیا تھا اس وقت مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور اہل عراق (کوفہ، بصرہ وغیرہ) کے لوگ یزید پلید کے تسلط اور حکومت پر راضی نہ تھے اور نہ ہی ان لوگوں نے بیعت کی تھی نیز امام حسین علیہ السلام، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن زبیر وغیرہ صحابہ نے بھی یزید کی بیعت قبول نہیں کی تھی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اس غرض سے نکلے تھے کہ یزید کا تسلط دفع کریں یعنی اس کا تسلط نہ ہونے پائے۔ یہ غرض نہ تھی کہ اس کا تسلط رفع کریں۔ یعنی یہ امر نہ تھا کہ یزید کا کامل تسلط ہو گیا تھا اور آپ کا مقصود یہ تھا کہ اس کا تسلط اٹھا دیں مسائل فقیہہ میں دفع و رفع میں فرق ظاہر مشہور ہے۔ (فتاوی عزیزیہ ص ۲۲۷)

اس سے ظاہر ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا مقصد حصول خلافت نہیں تھا اور نہ یہ کہ آپ کو کوئی دنیاوی طمع و لالچ تھا بلکہ آپ تو صرف لوگوں کو ایک ظالم اور بے ایمان حاکم کے جبراً مسلط ہونے سے بچانا چاہتے تھے کہ وہ مسلمانوں پر مسلط نہ ہو جائے گویا کہ امام حسین علیہ السلام یزید کو حکومت سے دفع اور دور رکھنا چاہتے تھے نہ کہ وہ مستقل حاکم بن گیا تھا تو آپ اس کو رفع یعنی تخت سے اٹھا رہے تھے بلکہ آپ نے چاہا تھا کہ وہ تخت پر بیٹھ ہی نہ سکے جیسے کہ دفع اور رفع میں فرق ظاہر ہے کہ دفع میں یہ ہوتا ہے کہ بادشاہ بننے والے کو تخت اور حکومت سے دور رکھا جاتا ہے اور رفع یہ ہوتا ہے کہ تخت پر بیٹھ جائے لوگ اس سے مجبوراً راضی ہو جائیں پھر اس کا مقابلہ کیا جائے کہ وہ تخت چھوڑ دے یزید کے بارے میں یہ صورت ہرگز نہیں ہوئی کیونکہ چند شامی لوگوں نے جو اس کے چمچے چیلے تھے، انہوں نے یزید کی ہاں میں ہاں ملائی تھی تمام عراق یعنی بصرہ و کوفہ، مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور تمام اہل حجاز نے یزید کی بیعت کا اقرار نہیں کیا تو اب اس صورت میں امام حسین علیہ السلام

اس کو تخت سلطانی سے دفع کر رہے تھے نہ کہ اس کا رفع کر رہے تھے لہٰذا امام حسین علیہ السلام کا کربلا و کوفہ میں تشریف لے جانا صرف اس لیے تھا کہ عوام اور رعایا کا ایک ظالم اور بے دین بادشاہ سے تحفظ کیا جائے نیز یزید اور اس کے حواریوں نے ابتدائی طور پر امام حسین علیہ السلام پر بھی زیادتی شروع کر دی اور آپ کو قتل کی دھمکیاں دینے لگے اور کہنے لگے کہ آپ ہر صورت میں یزید کی بیعت کا اقرار کریں اس صورت میں بھی امام حسین علیہ السلام کی ایک دفاعی صورت تھی اور یزید کو کہا بھی گیا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کو اپنی حالت پر رہنے دو وہ تمہارے معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے تم ظلم وستم عوام پر بند کر دو لیکن یزید اور اس کے اہلکار اور گماشتے اور کھلنڈرے قسم کے حاکم عوام پر ظلم وستم ڈھا رہے تھے اس صورت میں مظلوم اور بے کس لوگوں کی امداد کرنا اور اپنے لیے دفاعی صورت اختیار کرنا شرعاً فرض اور ضروری تھا لہٰذا اس فرض شرعی کی ادائیگی کے لیے امام حسین علیہ السلام کوفہ و کربلا کی طرف تشریف لے گئے۔ ہم پہلے ابن کثیر کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام جب مکہ مکرمہ میں تشریف لائے تو اہل کوفہ نے ڈیڑھ سو کے قریب خطوط لکھے نیز متعدد عمائدین کوفہ خود امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور آپ امام برحق ہیں آپ ہمارے ہاں تشریف لے چلیں، ہم کو یزید اور اس کے اہلکاروں سے نجات دلائیں عبداللہ بن زیادہ ہم پر زیادتیاں کر رہا ہے لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے وعدہ کیا کہ میں کوفہ آؤں گا لیکن اس سے پہلے میں مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں وہ جا کر تمام صورتِ حال سے مجھے آگاہ کریں گے۔ بنابریں آپ نے پہلے مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا۔

حضرت مسلم بن عقیل کی کوفہ روانگی

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا اور

اہل کوفہ کے نام ایک مکتوب لکھا کہ اے اہل کوفہ! میں نے تمہارے اصرار کے پیش نظر مسلم بن عقیل کو اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے اگر تم لوگوں نے اپنے قول پر ثابت قدم رہ کر مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور مسلم بن عقیل نے مجھے تمہاری وفاداری کی اطلاع دی تو میں بھی کوفہ آجاؤں گا۔ امام مسلم جب مکہ مکرمہ سے چلنے لگے تو دو آدمیوں کو اپنے ساتھ لیا تا کہ وہ راستہ کی رہبری کریں۔ دونوں راہبر جنگل کے راستے امام مسلم کو لے چلے لیکن ایک راہبر پیاس کی وجہ سے راستہ میں ہی مر گیا۔ امام مسلم آگے چلے، آگے ایک مقام پر جا کر دوسرا بھی مر گیا۔ امام مسلم نے ان دونوں کے مرنے کو اچھی فال نہیں سمجھا۔ آخر کار چلتے چلتے امام مسلم کوفہ پہنچ گئے اور کوفہ میں مختار بن ابی عبید ثقفی کے مکان پر تشریف لائے۔ اہل کوفہ کو امام مسلم کی آمد کا پتہ لگا، آہستہ آہستہ لوگ آپ کی بیعت کرنے لگے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اٹھارہ ہزار آدمیوں نے آپ کے دست اقدس پر بیعت کی۔ ایک روایت میں ہے چالیس ہزار آدمیوں نے آپ کی بیعت کی۔ امام مسلم جب کوفہ تشریف لے گئے تھے تو آپ کے ساتھ آپ کے دو صاحبزادے محمد اور ابراہیم بھی تھے۔ اہل کوفہ نے امام مسلم بن عقیل اور ان کے دونوں صاحبزادوں کے آنے کی وجہ سے بہت خوشی کی۔ لوگوں کا یہ جوش وخروش دیکھ کر حضرت مسلم نے امام حسین علیہ السلام کو لکھ دیا کہ کوفہ کے حالات ہمارے موافق ہیں، لوگ جوق در جوق بیعت کر رہے ہیں، آپ تشریف لائیں۔ ادھر ایک آدمی نے نعمان بن بشیر، جو کہ کوفہ میں حکومت وقت کی طرف سے گورنر تھے، سے کہا کہ تم کمزور ہو یا کمزور بن رہے ہو، شہر میں خرابی پھیل رہی ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو۔ نعمان بن بشیر نے کہا اگر میں خدا کی اطاعت و فرمانبرداری میں کمزور سمجھا جاؤں تو یہ میرے لیے بہت بہتر ہے کہ میں خدا کی نافرمانی میں طاقتور سمجھا جاؤں۔ میں ایسا شخص نہیں ہوں کہ جس پر خدا نے پردہ ڈال دیا ہے میں اس کا پردہ فاش کروں، اس آدمی نے یہ بات یزید کو لکھ دی۔ نیز عمرو بن سعد بن ابی

وقاص نے بھی یزید پلید کو یہ ہی بات لکھ دی جب یہ اطلاع دمشق میں یزید پلید کو ملی تو اس نے اپنے آدمیوں سے مشورہ کرنے کے بعد عبداللہ بن زیادہ گورنر بصرہ کو لکھا کہ تم کو کوفہ کا بھی گورنر مقرر کیا جاتا ہے تم بلا تاخیر کوفہ پہنچ کر نعمان بن بشیر کو معزول کر دو، اس کی جگہ گورنری کے فرائض تم خود سنبھال لو اور کوفہ میں مسلم بن عقیل آئے ہوئے ہیں، ان کو پکڑ لو اور قتل کر دو۔

عبیداللہ بن زیادہ کوفہ میں

عبیداللہ بن زیاد کے پاس یزید پلید کا خط مسلم بن عمرو باہلی لے کر پہنچا۔ عبیداللہ بن زیاد بلا تاخیر حجازی لباس پہن کر سترہ آدمیوں کے ساتھ رات کی تاریکی میں کوفہ کے گورنر ہاؤس میں پہنچا اور رات کو ہی یزید کے حواریوں سے بھی ملا اور مسلم بن عقیل کے متعلق بھی پوچھا اور صبح کے وقت ابن زیاد نے تمام رؤسا اور عمائدین کوفہ کو انتہائی فریب اور چالاکی سے قلعہ کے اندر بلا کر قلعہ کا پھاٹک بند کر لیا اور انہیں حکومت وقت کا فرمان پڑھ کر سنایا اور خوب ڈرایا دھمکایا۔ نیز عبیداللہ بن زیاد نے معقل کو تین ہزار درہم دیئے اور کہا کہ جاؤ مسلم بن عقیل کا پتہ کرو وہ کہاں ہیں اور ان سے بیعت بھی کرنا اور ان کو تین ہزار درہم بھی پیش کرنا کہنا کہ اس سے آپ اسلحہ وغیرہ خریدیں یہ معقل لوگوں سے پوچھتا پوچھتا ہانی بن عروہ کے گھر پہنچ گیا، جہاں مسلم بن عقیل موجود تھے اور یہ ہانی بن عروہ کی وساطت سے ہی حضرت امام مسلم سے ملا، آپ سے بیعت کی اور تین ہزار درہم بھی پیش کیے، وہاں سے سیدھا عبیداللہ بن زیاد کے پاس آ کر اطلاع دی کہ اس وقت امام مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ کے گھر میں ہیں، میں نے انہیں تین ہزار درہم بھی پیش کیے ہیں اور ان کی بیعت بھی کی ہے اس وقت جا کر تم ان کو گرفتار کر سکتے ہو۔ ابن زیاد

نے محمد بن اشعث کو فوج کے ایک دستہ کے ساتھ حضرت مسلم بن عقیل کی گرفتاری کے لیے بھیجا، نیز محمد بن اشعث کو کہا کہ ہانی بن عروہ مجھے ملنے کے لیے نہیں آئے اگر وہ کہیں مل جائیں تو ان کو بھی میرے پاس لاؤ۔ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ محمد بن اشعث بمعہ فوجی دستہ کے جب ہانی بن عروہ کے گھر آیا تو دیکھا کہ وہ اپنے مکان کے دروازہ پر کھڑے ہوئے ہیں، ان سے کہا کہ عبید اللہ بن زیاد آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ آپ چلیں۔ ہانی بن عروہ یہ بات سن کر عبید اللہ بن زیاد کے پاس آئے، وہاں قاضی شریح بھی موجود تھے۔ عبید اللہ بن زیاد نے ہانی بن عرہ کو دیکھ کر کہا کہ وہ اجل گرفتہ خود ہی اپنے پاؤں سے چل کر ہمارے پاس آگیا ہے۔ جب ہانی عبید اللہ سے ملے تو اس نے کہا کہ مسلم بن عقیل کہاں ہیں، ہانی نے کہا کہ میں نہیں جانتا تو اسی وقت عبید اللہ بن زیاد نے معقل کو بلایا جو کہ ہانی کی وساطت سے ہی حضرت مسلم کے ساتھ ہانی کے گھر ملاقات اور بیعت کر کے آیا تھا اور تین ہزار درہم بھی دے کر آیا تھا۔ جب معقل ہانی کے سامنے آیا تو ہانی حیران ہو گئے۔ ہانی نے کہا کہ امیر کا خدا بھلا کرے واللہ مسلم کو میں نے اپنے گھر میں نہیں بلایا وہ خود آئے تھے۔ عبید اللہ نے کہا کہ جاؤ مسلم بن عقیل کو میرے پاس لاؤ، ہانی نے جواب دیا، اے ابن زیاد! اللہ کی قسم اگر مسلم بن عقیل میرے پاؤں کے نیچے بھی چھپے ہوئے ہوں تو میں وہاں سے قدم نہ اٹھاؤں گا، پھر ابن زیاد نے ان پر ایک ضرب لگائی جس سے ہانی زخمی ہو گئے۔ ہانی نے ایک سپاہی کی تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا تاکہ اس کی تلوار میان سے نکالیں مگر لوگوں نے روک لیا اور ابن زیاد نے ہانی کو گرفتار کر لیا اور دار الامارۃ کے ایک کمرے میں قید کر دیا۔ جب حضرت مسلم کو پتہ چلا کہ ہانی بن عروہ کو گرفتار کر لیا گیا ہے تو آپ نے ان لوگوں کو جنہوں نے آپ کی بیعت کی ہوئی تھی، بلایا، بقول ابن کثیر ان میں سے چار ہزار آدمی مسلح ہو کر آپ کے سامنے حاضر ہو گئے ان کا سربراہ مختار بن ابی عبید ثقفی تھا۔ امام مسلم نے ان تمام کو ساتھ لے کر گورنر ہاؤس کا محاصرہ

کر لیا اگر امام مسلم ان کو حکم کرتے کہ گورنر ہاؤس پر حملہ کر دو تو تھوڑے وقت میں ہی دارالامارۃ فتح ہو جاتا، ابن زیادہ گرفتار ہو جاتا لیکن امام مسلم نے لشکر کو حملہ کا حکم نہیں دیا بلکہ ایک رحمدل اور عادل بادشاہ کی طرح مصالحت کی گفتگو کا انتظار کرنے لگے۔ ابن زیادہ چونکہ مکار تھا، اس نے وقفہ سے فائدہ اٹھایا چنانچہ اتنی دیر میں اس نے کوفہ کے رؤسا اور عمائدین جو قید کر رکھے تھے ان کو مجبور کیا کہ وہ قلعہ کی فصیل پر چڑھ کر اپنے عزیزوں اور زیر اثر لوگوں کو حضرت مسلم بن عقیل کی حمایت سے جدا کر دیں، ابن زیاد نے ان کو یہ دھمکی دی کہ اگر تم نے مسلم بن عقیل کے لشکر کو منتشر نہ کیا تو میں تم لوگوں کو اسی قلعہ کے اندر بے دردی کے ساتھ ذبح کر دوں گا۔ پھر شامیوں کا لشکر بھیج کر تمہارے بچوں کو قتل اور تمہاری بستیوں کو تباہ و برباد کر ڈالوں گا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابن زیاد کی یہ دھمکی سن کر بڑے بڑے سرداروں کا حال پتلا ہو گیا اور سب کے سب قلعہ کی فصیل پر آ کر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے کہنے لگے کہ (للہ) ہم پر رحم کرو اور امام مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑ دو دیکھ لو ہم اس وقت ابن زیاد کی قید میں ہیں، اگر تم نے دارالامارۃ کو فتح بھی کر لیا تو تمہارے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی ابن زیاد ہمارا قلع قمع کر دے گا اور پھر یزید لشکر بھیج کر تمہیں اور تمہارے بچوں کو قتل کر دے گا۔ لہٰذا تم اپنے انجام پر بھی اور ہمارے حال پر بھی رحم کرو اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ جب ان لوگوں نے اپنے سرداروں کی بات سنی تو منتشر ہونے لگے اور مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ صرف پانچ سو باقی رہ گئے پھر ان سے بھی جانے لگے تو تین سو رہ گئے پھر ان سے بھی جانے لگے یہاں تک کہ جب امام نے نماز مغرب پڑھائی تو آپ کے ساتھ صرف تیس مرد تھے۔ نماز کے بعد یہ تیس بھی فرار ہو گئے اور آپ کے ننھے منے دو بچوں کے سوا آپ کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ اب امام مسلم حیران ہیں کہ کدھر جائیں، کہاں قیام کریں، چھوٹے چھوٹے بچوں کو کہاں کھلائیں، کہاں سلائیں۔ مسلم بن عقیل

کے لیے زیادہ پریشانی کا باعث یہ امر تھا کہ میں امام حسین علیہ السلام کو بھی لکھ چکا ہوں کہ کوفہ کے حالات سازگار ہیں چالیس ہزار نے آپ کی بیعت کا اقرار کر لیا ہے۔ آپ جلدی تشریف لائیں، امام حسین علیہ السلام میرا خط ملتے ہی مکہ مکرمہ سے چل پڑے ہوں گے، یہاں پہنچ کر بے وفا کوفیوں او غداروں کے نرغے میں پھنس جائیں گے، یہ سوچ سوچ کر حضرت مسلم کا دل زخمی اور جگر گھائل ہو رہا تھا۔ اس پریشانی کی حالت میں آپ کو پیاس لگی، سامنے ایک مکان نظر آیا جس سے ایک عورت نکلی جس کا نام طوعہ تھا یہ اشعث بن قیس کی ام ولد تھی اور اس کا ایک بیٹا دوسرے خاوند سے تھا جس کا نام بلال بن اسید تھا۔ اس کا دروازے پر انتظار کر رہی تھی۔ امام مسلم بن عقیل نے طوعہ سے پانی مانگا اس صالحہ اور نیک عورت نے امام مسلم بن عقیل کو پہچان لیا اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ اپنے گھر میں بٹھا کر پانی پلایا، یہ پہلے گزر چکا ہے کہ ابن زیاد نے محمد بن اشعث وغیرہ کو امام مسلم کی گرفتاری کے لیے حکم دے دیا تھا اور امام مسلم کی تلاش کر رہے تھے۔ طوعہ کے لڑکے نے محمد بن اشعث کے لڑکے عبد الرحمان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے بتا دیا کہ مسلم بن عقیل تو ہمارے گھر میں ہیں عبد الرحمان نے اسی وقت اپنے باپ محمد بن اشعث کو بتا دیا جبکہ وہ ابن زیاد کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ابن زیاد نے اسی وقت اپنے کوتوال عمر بن حریث مخزومی اور عبد الرحمان اور محمد بن اشعث کو اسی سواروں کے ساتھ امام مسلم کو گرفتار کرنے کے لیے بھیج دیا۔ جب ان لوگوں نے طوعہ کے مکان کا محاصرہ کیا تو امام مسلم تلوار لے کر ان کے مقابلے میں آ گئے، لڑائی شروع ہو گئی، امام مسلم کے شیرانہ حملوں سے کئی یزیدی اور ابن زیادی کتے مارے گئے اور کئی زخمی ہوئے۔ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ جب محمد بن اشعث کے فوجیوں کی امام مسلم سے لڑائی ہو رہی تھی تو بکیر بن حمران احمری۔ نے امام مسلم کو چہرہ پر تلوار ماری جس سے آپ کا اوپر والا ہونٹ کٹ گیا اور نیچے والا بھی زخمی ہو گیا۔ سامنے کے دو دانت بھی گر گئے۔

امام مسلم نے بکیر کے سر پر تلوار ماری جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا، پھر دوسری تلوار اس کے کاندھے پر اس زور سے ماری کہ سینہ تک اتر گئی۔ یہ حالت دیکھ کر دوسرے فوجیوں نے مکان پر چڑھ کر پتھر مارنے شروع کر دیئے اور بانس کی جھپٹیاں آگ سے دہکتی ہوئی مکان کی چھت پر سے امام مسلم پر ڈالنے لگے تو ابن اشعث نے امام مسلم کو کہا کہ ہم آپ سے جنگ نہیں کرنا چاہتے ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ گورنمنٹ ہاؤس میں چل کر ابن زیاد کے ساتھ بات چیت کر لیں امام مسلم نے فرمایا میں خود جنگ نہیں چاہتا اور نہ ہی خونریزی پسند کرتا ہوں میں تمہارے ساتھ ابن زیاد کے پاس چلتا ہوں۔ چنانچہ امام مسلم ابن اشعث وغیرہ کے ساتھ ہو کر گورنر ہاؤس کی طرف گئے، ابن زیاد نے پہلے ہی سے اپنے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ تلواریں لے کر کھڑے ہو جاؤ۔

امام مسلم کی شہادت

جب امام مسلم قلعہ کے دروازے میں داخل ہوں فوراً انہیں قتل کر دو چنانچہ یہ بدبخت دروازے کی دونوں جانب تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے اور جیسے ہی حضرت امام مسلم قلعہ کے پھاٹک میں داخل ہوئے انہوں نے آپ پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ امام مسلم اس وقت رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿٨٩﴾ کی آیت تلاوت فرما رہے تھے امام مسلم پر جب قاتلانہ حملہ ہوا تو آپ گر پڑے لیکن ابھی تک زندہ تھے۔ ابن زیاد کہنے لگا کہ ان کو محل کی چھت پر لے جاؤ اور گردن مارو اور سر کے ساتھ جسم کو بھی محل سے نیچے پھینک دو چنانچہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ ابن زیاد نے پوچھا وہ شخص کہاں ہے جس کے سر پر اور شانہ پر مسلم نے تلوار دی ہے لوگوں نے بکیر کو بلایا جب وہ آیا تو ابن زیاد اس کو کہنے لگا مسلم کو محل پر لے جاؤ، وہاں

قتل کر کے اس کو نیچے گرادو، چنانچہ بکیر نے یوں ہی کیا۔ (تاریخ طبری ص ۲۲۰ ج ۴)

جب امام مسلم کو شہید کر کے بکیر نے آپ کے جسم مبارک کو محل سے نیچے گرایا تو ابن زیاد نے بکیر سے پوچھا کیا امام مسلم کا سر کاٹ کر علیحدہ کیا گیا ہے یا نہیں تو بکیر نے کہا کہ سر ساتھ ہی ہے، ابن زیاد نے بکیر کو کہا کہ جاؤ سر کاٹ کر علیحدہ کر دو بکیر نے جب امام مسلم کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اس کے دونوں ہاتھ بے کار ہو گئے، ابن زیاد نے پوچھا کہ تم نے سر کیوں نہیں کاٹا کہنے لگا میں نے وہاں ایک شخص دیکھا ہے جو غضبناک ہو کر دانتوں میں انگلیاں چبا رہا ہے، اسے دیکھتے ہی میرے ہاتھ پاؤں میں طاقت نہیں رہی، ابن زیاد اس بات پر ہنسنے لگا پھر ابن زیاد نے ایک اور آدمی بھیجا وہ بھی بھاگ کر واپس آیا، اس سے پوچھا تجھے کیا ہوا ہے وہ کہنے لگا امام مسلم کی لاش کے پاس تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں یہ کہہ کر اس نے ایک چیخ ماری اور وہیں مر گیا۔ آخر کار ایک شامی یزیدی کتے نے جا کر سر مبارک کاٹا انا للہ و انا الیہ راجعون امام مسلم کو شہید کرنے کے بعد ابن زیاد نے کہا ہانی کو بھی قید خانہ سے نکال کر لاؤ جب ہانی کو لایا گیا تو ان کو بھی قتل کر دیا گیا۔ امام مسلم اور ہانی کی لاش کو بازار کوفہ میں لٹکا دیا گیا اور ان کے سر مبارک دمشق روانہ کر دیئے اور ابن زیاد نے تمام واقعات بھی لکھ کر یزید کے پاس بھیج دیئے، اس کے جواب میں یزید نے خوشی کا اظہار کیا اور ابن زیاد کا شکریہ ادا کیا نیز یہ بھی لکھا کہ حسین بن علی "امام حسین" بھی عراق آنے کا ارادہ کر چکے ہیں اگر وہ قابو میں آجائیں تو ان کو بھی قتل کر دینا۔ (اوراق غم ص ۳۴۴)

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ امام مسلم جب کوفہ تشریف لائے تھے تو آپ کے ساتھ آپ کے صاحبزادے محمد اور ابراہیم بھی آئے تھے چنانچہ جب امام مسلم طوعہ کے مکان میں تھے اور اس کے مکان کا محاصرہ ابن زیاد کے فوجیوں نے کر لیا تو امام مسلم نے اپنے بیٹوں کو خوب گلے لگا کر پیار کر کے خفیہ طور سے قاضی شریح کے یہاں بھیج دیا تھا۔

محمد اور ابراہیم کی شہادت

جب امام مسلم کو ابن زیاد نے شہید کر دیا اور اس کی اطلاع دمشق بھیج دی اور دمشق سے یزید نے ابن زیاد کے لیے شکریہ کا خط بھیجا تو ابن زیاد خوش ہوا۔ اسی اثناء میں ایک ابن زیادی کتے نے ابن زیاد کو کہا کہ امام مسلم کے ساتھ ان کے دو صاجزادے بھی آئے تھے، ابن زیاد نے اسی وقت اعلان کرا دیا جو امام مسلم کے بچوں کو ہمارے پاس لائے گا اس کو انعام دیا جائے گا۔ جو ان کو چھپائے گا یا ان کا تحفظ کرے گا اس کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ یہ اعلان سنتے ہی لالچی کوفیوں نے محمد اور ابراہیم کی تلاش شروع کر دی تا کہ انعام حاصل کیا جا سکے۔ ابراہیم کی عمر سات سال تھی اور محمد کی عمر آٹھ سال تھی یہ اس وقت قاضی شریح کے گھر تھے۔ انہوں نے قاضی شریح سے پوچھا ہمارے ابا جان کہاں ہیں تو قاضی شریح نے کہا کہ ان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ صاجزادے بلند آواز سے رونے لگے، قاضی شریح نے کہا کہ تم بلند آواز سے گریہ وزاری نہ کرو ورنہ تم کو ابن زیاد کی پولیس پکڑ کر لے جائے گی۔ صاجزادے بامر مجبوری خاموش ہو گئے پھر قاضی شریح نے اپنے لڑکے اسد کو کہا کہ آج ایک قافلہ بیرون دروازہ عراقین سے مدینہ منورہ جا رہا ہے ان دونوں صاجزادوں کو وہاں لے جا کر کسی شریف آدمی کے سپرد کر آؤ اور اس کو کہو ان کو مدینہ منورہ پہنچا دے اور قاضی شریح نے صاجزادوں کی کمر کے ساتھ پچاس پچاس دینار بھی باندھ دیئے۔ اسد دونوں صاجزادوں کو لے کر دروازہ عراقین پر آیا لیکن قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ قافلہ کے جانے کا گرد و غبار نظر آ رہا تھا۔ اسد نے کہا دیکھو وہ قافلہ جا رہا ہے تم چلے جاؤ، اسد واپس گھر لوٹ آیا یہ دونوں صاجزادے دوڑنا شروع ہو گئے لیکن قافلہ جا چکا تھا اب تو قافلہ کی گرد و غبار بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ صاجزادے راستہ بھول گئے وہاں ابن زیاد کے چند گماشتے بھی پھر رہے تھے انہوں نے صاجزادوں کو پکڑ لیا

کوتوال کے حوالے کیا اور کوتوال ان کو ابن زیاد کے پاس لے آیا۔ ابن زیاد نے کہا کہ ان کو جیل خانہ میں لے جاؤ، روایات میں آتا ہے کہ جیل خانہ کا داروغہ مشکور نامی محب اہل بیت تھا وہ صاحبزادوں کو بجائے جیل خانہ لے جانے کے گھر لے گیا، ان کو کھانا وغیرہ دیا، جب نصف رات ہوئی تو یہ دونوں صاحبزادوں کو لے کر قادسیہ کی راہ پر لے آیا اور اپنی انگوٹھی ان کو دی اور کہا دیکھو یہ راستہ قادسیہ جاتا ہے جب تم قادسیہ پہنچو تو وہاں میرا بھائی کوتوال ہے اس کو انگوٹھی دکھانا وہ تمہیں بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دے گا۔ دونوں صاحبزادے مشکور کو دعا دیتے ہوئے رخصت ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کون ٹال سکتا ہے تمام رات چلتے رہے لیکن راستہ بھولنے کی وجہ سے کہیں بھی نہ جا سکے۔ جب سورج چڑھا تو دیکھا کہ پھر کوفہ شہر سامنے ہے۔ ابن زیاد کے خوف کی وجہ سے وہاں قریب ہی ایک باغ تھا، اس میں چھپ گئے۔ جب ظہر کا وقت ہوا تو وہاں ایک حبشیہ لونڈی چشمہ سے پانی لینے آئی اس نے صاحبزادوں کو چھپا ہوا دیکھ لیا قریب جا کر پوچھا تم کون ہو اور کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارے باپ کا کیا نام ہے، یہ سن کر صاحبزادے رونے لگے۔ لونڈی کہنے لگی کہ تم امام مسلم کے بچے ہو، اب تو صاحبزادوں نے زیادہ رونا شروع کر دیا۔ لونڈی نے کہا شہزادو! غم نہ کرو میری جو مالکہ ہے وہ نہایت اچھی بی بی اور محب اہل بیت ہے، تم میرے ساتھ چلو صاحبزادے اس کے ساتھ ہو لیے۔ جب لونڈی ان کو گھر لے گئی اور اپنی مالکہ کو تمام بات بتائی تو وہ بہت خوش ہوئی۔ صاحبزادوں سے محبت و پیار کرنے لگی اور لونڈی سے کہا کہ یہ بات میرے خاوند کے علم میں نہیں آنی چاہیے۔ وہ بہت خبیث ہے اب یہ دونوں صاحبزادے قادسیہ پہنچنے کی بجائے کوفہ میں ہی آ گئے۔ ادھر ابن زیاد کو بھی بتایا گیا کہ مشکور نے دونوں بچوں کو رہا کر دیا ہے اور وہ مدینہ پہنچنے والے ہیں۔ ابن زیاد نے مشکور کو بلا کر پوچھا امام مسلم کے صاحبزادے کہاں ہیں، اس نے کہا وہ تو مدینہ منورہ پہنچ گئے ہیں،

ابن زیاد نے کہا میری اجازت کے سوا تم نے ان کو کیوں رہا کر دیا ہے۔ میرا خوف نہیں تھا، مشکور کہنے لگا جو خدا سے ڈرنے والے ہیں انہیں کسی کا خوف نہیں ہوتا۔ ابن زیاد یہ بات سن کر نہایت غصہ میں آیا اور جلاد سے کہا کہ مشکور کو پہلے پانچ سو کوڑے مارے جائیں پھر اس کو قتل کیا جائے۔ جلاد نے کوڑے مارنے شروع کیے جب جلاد نے پہلا کوڑا مارا تو مشکور نے کہا: بسم اللہ الرحمن الرحیم جب دوسرا مارا تو کہا الٰہی مجھے صبر دے جب تیسرا مارا کہا الٰہی مجھے بخش دے، جب چوتھا مارا تو کہا الٰہی یہ مجھے فرزندان رسول کی محبت میں سزا مل رہی ہے، جب پانچواں مارا تو عرض کی الٰہی رسول اور اہل بیت رسول کی خدمت میں پہنچا دے، پھر جلاد نے پانچ سو کوڑے پورے کیے تو ابن زیاد نے کہا اس کی گردن اڑا دو، ابن زیاد کے کہنے پر مشکور بھی قتل کیا گیا۔ اَب دونوں صاحبزادے تو اس مومنہ عورت کے گھر تھے، اس نے ان کو رات کے وقت ایک علیحدہ کمرے میں سلایا ہوا تھا کہ رات کے وقت اس کا خاوند حارث بن عروہ بدحواسی کے عالم میں گھر آیا بیوی نے پوچھا پریشانی کا باعث اور سبب کیا ہے، کہنے لگا کہ ابن زیاد نے اعلان کرایا ہے کہ جس کسی کو امام مسلم کے صاحبزادے ملیں وہ ان کو ہمارے پاس لائے تو اس کو انعام دیا جائے گا کیونکہ مشکور جو جیل کا داروغہ ہے اس نے مسلم بن عقیل کے صاحبزادوں کو قید خانے سے رہا کر دیا ہے، اب وہ مل نہیں رہے، لوگ ان کو تلاش کر رہے ہیں۔ میں بھی ان کی تلاش میں تھا میرا تو گھوڑا بھی مر گیا ہے۔ اب میں پیدل ہی ان کو تلاش کر رہا ہوں، اس کی عورت بولی کیا یہ لوگ مسلمان ہیں جو دنیا کو دین پر ترجیح دے رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے ساتھ زیادتیاں کر رہے ہیں۔ کہنے لگا تم کو ان باتوں سے کیا تعلق ہے اگر کچھ کھانے کو ہے تو لے آؤ۔ کھانا کھا کر سو گیا جب آدھی رات ہوئی تو محمد (بڑے صاحبزادے) اٹھے اپنے چھوٹے بھائی (ابراہیم) کو اٹھایا اور کہا کہ بھائی تیار ہو جاؤ کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ابا

جان، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی المرتضیٰؑ اور سیدہ زہرا اور حسن مجتبیٰ کے ساتھ جنت میں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مجھے دیکھا تو ابا جان کو فرمایا کہ مسلم کیا تمہارے دل نے یہ گوارا کر لیا ہے کہ خود تو تم جنت میں آ گئے اور ان دونوں بچوں کو ظالموں میں چھوڑ آئے۔ ابا جان نے پھر ہماری طرف دیکھا اور عرض کی حضور! اب یہ بھی یہاں آنے والے ہیں کل تک ضرور آ جائیں گے۔ پھر دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈال کر رونا شروع کر دیا حارث خبیث کی آنکھ کھل گئی اپنی بیوی کو آواز دے کر کہنے لگا یہ رونے کی آواز کس کی ہے۔ عورت سہم گئی اور خاموش رہی، حارث خود اٹھا اور اس کمرے میں گیا جہاں محمد اور ابراہیم تھے جا کر پوچھا تم کون ہو؟ محمد نے کہا ہم امام مسلم کے فرزند ہیں یہ کہنے لگا کہ میں تو تمہاری تلاش کرتے کرتے تھک گیا ہوں اور تم میرے گھر میں آرام سے بیٹھے ہو، دونوں کے نورانی چہروں پر طمانچے مارے اور گھسیٹ کر مکان سے باہر لے آیا۔ عورت نے کافی منت سماجت کی کہ ان کو چھوڑ دو کہنے لگا کہ میں ان کو چھوڑ نہیں سکتا میں نے ابن زیاد سے انعام حاصل کرنا ہے۔ جب صبح ہوئی تو دونوں صاحبزادوں کو لے کر نہر فرات کی طرف گیا، عورت پیچھے پیچھے بھاگی، اس کو بھی مارا، حارث کا ایک لڑکا اور ایک غلام بھی اس کو منع کرتے رہے، ان کو بھی مارا، آخر کار نہر فرات کے کنارے کھڑے ہو کر محمد، ابراہیم کو کہنے لگا کہ میں نے تم کو قتل کرنا ہے۔ صاحبزادوں نے کہا ہمارے پاس سو دینار ہے، یہ لے لو ہم کو چھوڑ دو یا ابن زیاد کے پاس ہی لے چلو۔ کہنے لگا یہ نہیں ہو سکتا میں نے تمہیں ہر صورت میں یہاں ہی قتل کرنا ہے۔ تمہارے سر میں نے ابن زیاد کے ہاں پیش کرنے ہیں۔ محمد نے کہا پھر مجھے پہلے قتل کیجئے میرے بھائی ابراہیم کو کچھ نہ کہیے۔ ابراہیم نے کہا کہ مجھے قتل کیجئے میرے بھائی محمد کو کچھ نہ کہیے۔ آخر کار اس شیطان نے پہلے محمد کو پھر ابراہیم کو شہید کر دیا اور ان کے سر ابن زیاد کے ہاں پیش کر دیئے۔

امام مسلم بن عقیل کی شہادت ۳ ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو ہوئی تھی اور اسی دن

حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت مسلم کا خط پڑھ کر اپنے اہل و عیال کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے کوفہ روانہ ہوئے۔

امام حسین علیہ السلام کی کوفہ روانگی

حضرت امام مسلم بن عقیل نے جب امام حسین علیہ السلام کو خط لکھ دیا تھا کہ کوفہ کے حالات ساز گار ہیں تقریباً چالیس ہزار آدمیوں نے میرے ہاتھ پر آپ کی بیعت کر لی ہے، آپ تشریف لائیں تو امام حسین علیہ السلام نے اسی وقت تیاری فرما لی اور ۳ ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو اپنے اہل و عیال اور اعزہ و رفقاء اور غلاموں کو ساتھ لے کر کل بیاسی آدمیوں کے قافلہ سالار بن کر آپ مکہ مکرمہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے اس حسینی قافلہ میں ستر یا بہتر سوار اور باقی پیادہ پا تھے۔ حافظ ابن کثیر اور ابن جریر طبری دونوں لکھتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ مکہ مکرمہ سے نکلے تو عبداللہ بن جعفر نے اپنے دونوں فرزندوں عون و محمد کے ذریعے ایک خط امام حسین کو بھیجا کہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ نہ جائیں، واپس تشریف لے آئیں کیونکہ آپ جہاں جا رہے ہیں وہاں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ اگر آپ دنیا سے رخصت ہو گئے تو دنیا میں اندھیرا ہو جائے گا۔ اہل ایمان کے لیے سہارا تو صرف آپ ہی ہیں، جلدی نہ کیجئے میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ (والسلام)

اس کے بعد عبداللہ بن جعفر عمرو بن سعید گورنر مکہ کے پاس گئے اس سے گفتگو کی اور کہا کہ تم امام حسین علیہ السلام کو خط لکھو جس میں انہیں امان دینے اور ان کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے کا وعدہ ہو اور ان کو یہ بھی لکھو کہ آپ مکہ میں واپس آ جائیں شاید ان کو تمہارے خط سے اطمینان ہو جائے اور وہ واپس آ جائیں۔ عمرو بن سعید نے کہا جو تم چاہتے ہو

لکھ کر میرے پاس لے آؤ میں دستخط کر دوں گا اور اس پر اپنی مہر بھی ثبت کر دوں گا۔ عبداللہ بن جعفر خط لکھ کر عمرو بن سعید کے پاس لے آئے اور عمرو بن سعید نے اس پر اپنی مہر لگا دی اور دستخط بھی کر دیئے۔ عبداللہ بن جعفر نے عمرو بن سعید کو کہا کہ اب یہ خط تم اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کو دو وہ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں لے جائے اور میں بھی ساتھ جاتا ہوں غرضیکہ یحییٰ بن سعید اور عبداللہ بن جعفر دونوں امام حسین علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ یحییٰ بن سعید نے خط دیا اور دونوں نے نہایت اصرار کیا کہ آپ کوفہ تشریف نہ لے جائیں لیکن امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

> انی رأیت رسول اللہ ﷺ فی المنام و قد امرنی فیھا بامر و انا ماض له فقالا وما تلك الرؤيا فقال لا احدث بها احداً حتى القى ربی عز و جل۔

(البدایہ والنہایہ ص ۱۶۷ ج ۸، تاریخ ابن جریر طبری ص ۲۳۱ ج ۴)

ترجمہ: ”تحقیق میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے جو انہوں نے حکم دیا ہے وہ میں بجالاؤں گا اس میں میرا نقصان ہو یا نفع، ان دونوں نے پوچھا کہ وہ کیا خواب ہے آپ نے کہا نہ میں نے کسی سے بیان کیا نہ کروں گا یہاں تک کہ اپنے خدا سے ملاقات کروں گا۔“

امام حسین علیہ السلام جب مکہ سے باہر نکل چکے تو مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ فرزدق کا بیان ہے کہ میں اپنی ماں کو ساتھ لے کر حج کو گیا تھا۔ یہ حج کے دن تھے اور ۶۰ ہجری کا واقعہ ہے کہ میں حرم میں داخل ہوا میں نے حسین بن علی (علیہ السلام) کو مکہ سے باہر پایا۔ میں آپ کے پاس گیا اور میں نے پوچھا اے رسول اللہ کے بیٹے! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کیا جلدی تھی آپ حج کو چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ فرمایا

میں جلدی نہ کرتا تو گرفتار کر لیا جاتا پھر مجھ سے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا عراق کا، پھر فرمایا کہ جن لوگوں سے تم آ رہے ہو ان کے متعلق کچھ بتاؤ، میں نے جواب دیا کہ لوگوں کے دل آپ کی طرف ہیں اور تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں اور حکم خدا کے ہاتھ میں ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا فرزدق تم سچ کہتے ہو۔ پھر میں نے امام علیہ السلام سے حج کے بارے میں کچھ مسائل دریافت کیے وہ آپ نے مجھے بتائے پھر میں واپس آ گیا۔ امام حسین علیہ السلام کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام جب بطن ذی الرمہ میں پہنچے تو آپ نے قیس بن سہر کو اہل کوفہ کی طرف اپنا قاصد بنا کر بھیجا اور ان کے ہاتھ ایک خط بھی بھیجا جس میں تحریر فرمایا کہ مجھے مسلم بن عقیل کا خط ملا جس میں انہوں نے تحریر کیا ہے کہ تم لوگ ہمارے چاہنے والے ہو اور ہماری مدد کرنے کے لیے تیار ہو، میں عنقریب تمہارے پاس پہنچنے والا ہوں (انشاء اللہ تعالیٰ) قیس بن سہر یہ خط لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب یہ قادسیہ میں پہنچے تو وہاں عبید اللہ ابن زیاد کی طرف سے حصین بن نمیر نے ایک عظیم فوج لے کر پڑاؤ کیا ہوا تھا اور اس نے بلا تاخیر قیس بن سہر کو گرفتار کر لیا اور کوفہ میں ابن زیاد کی طرف بھیج دیا۔ جب یہ ابن زیاد کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ اس محل پر چڑھ کر (حضرت علی) اور ان کے بیٹے امام حسین کو سب و شتم (گالی گلوچ) کرو، کہا ٹھیک ہے۔ قیس بن سہر محل پر چڑھ گئے اور پہلے اللہ کی حمد و ثناء کی اور پھر کہا کہ امام حسین علیہ السلام تمام مخلوقات سے بہتر ہیں اور رسول اللہ کی بیٹی کے بیٹے ہیں اور میں تمہاری طرف ان کا قاصد ہوں اور میں ان کو ذی الرمہ مقام پر چھوڑ کر آیا ہوں، وہ تشریف لا رہے ہیں تم لوگ ان کی تابعداری کرو، پھر قیس بن سہر نے عبید اللہ پر اور اس کے باپ (دونوں) پر لعنت کی۔ عبید اللہ ابن زیاد نے جب یہ سنا تو کہا کہ ان کو محل سے نیچے پھینک دیا جائے، ابن زیاد کے حکم پر ان کو محل سے نیچے پھینکا گیا، ان کی تمام ہڈیاں ٹوٹ گئیں، پھر ایک زیادی کتے (عبد الملک

بن عمیر بجلی) نے ان کو شہید کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۶۸)

پھر امام حسین علیہ السلام ذی الرمہ سے چل کر ثعلبیہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں بکر اسدی سے ملاقات ہوئی جو کہ کوفہ سے آ رہے تھے۔ انہوں نے کوفہ کے حالات سے آگاہ کیا اور کہا کہ کوفہ میں امام مسلم (ان کے دو فرزندوں محمد، ابراہیم) اور ہانی بن عروہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کے پاؤں پکڑ کر بازار میں گھسیٹتے ہوئے لیے جا رہے تھے۔ یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام بار بار انا للہ و انا الیہ راجعون کہہ رہے تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کوفیوں کی غداری اور بے وفائی کی داستان سن کر حیران ہو گئے۔ اتنے میں مسلم بن عقیل کی ایک چھوٹی بچی جو اس سفر میں ساتھ تھیں، حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے آ گئیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے انہیں انتہائی محبت و شفقت بھری نگاہوں سے دیکھا اور ان کے سر پر دست شفقت پھیرنے لگے اور بے اختیار آنسوؤں کی دھار آپ کے مقدس رخسار پر جاری ہو گئی۔ وہ شہزادی ان قرائن سے معلوم کر گئیں اور عرض کرنے لگیں کہ چچا جان! آج تو آپ میرے سر پر اس طرح ہاتھ پھیر رہے ہیں جس طرح یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے، میں آپ کو پروردگار کی قسم دلاتی ہوں سچ سچ بتائیے کیا میرے بابا جان شہید تو نہیں ہو گئے۔ بچی کے اس سوال پر امام غم سے بے قرار ہو کر زار و زار رونے لگے اور تمام اہل بیت نبوت ؐ ب کے گرد جمع ہو گئے اور آپ نے حضرت مسلم اور ان کے فرزندوں کی شہادت اور کوفیوں کی بے وفائی کا سارا حال سنایا۔ یہ سن کر بعض لوگوں نے جو راستے میں آپ کے شریک سفر بنے تھے کہا کہ آپ تشریف لے جائیں۔ یہ بات سن کر عقیل بن ابی طالب کے فرزند اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہم ضرور کوفہ جائیں گے اور مسلم بن عقیل کا بدلہ لیں گے یا خود بھی شہید ہو جائیں گے۔ یہ سن کر امام حسین علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے چلو! تمہارے بعد تو میری زندگی بے لطف ہے، چنانچہ یہ قافلہ

آگے چل پڑا۔ جب مقام اشراف میں پہنچے تو امام حسین علیہ السلام نے صبح کے وقت خادموں کو حکم دیا یہاں سے پانی بھر لیں یہاں سے کافی پانی بھر لیا گیا پھر قافلہ آگے روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ دو پہر کے وقت ذو حسم کے مقام پر پہنچے امام حسین نے حکم دیا کہ یہیں خیمے نصب کر دیئے جائیں۔ چنانچہ وہیں خیمے نصب کر دیئے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کوفہ کا ایک مشہور بہادر جنگ حر بن یزید ریاحی ایک ہزار سواروں کے لشکر کے ساتھ آپ کا راستہ روکنے کے لیے آگیا۔

حر بن یزید امام کے سامنے

حر اپنے لشکر سے نکل کر امام حسین کی خدمت میں آیا اور امام کو سلام کیا اور عرض کیا، اے ابن رسول اللہ! مجھے عبید اللہ ابن زیاد کوفہ کے گورنر نے آپ کی گرفتاری کے لیے بھیجا ہے۔ میں آپ کی گستاخی تو نہیں کر سکتا لیکن ابن زیاد کے حکم سے مجبور ہوں۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا میں خود بخود نہیں آیا بلکہ اہل کوفہ نے مجھے ڈیڑھ سو خطوط لکھ کر بلایا ہے۔ حر نے قسم کھا کر کہا کہ جناب مجھے تو ان خطوط کا علم نہیں ہے لیکن اب جو صورت حال ہے وہ یہ ہے کہ میں نہ آپ کو چھوڑ سکتا ہوں اور نہ واپس لوٹ سکتا ہوں یہ سن کر امام حسین علیہ السلام نے خطوط کا تھیلا الٹ دیا اور فرمایا، حر دیکھ لو ان کو پڑھ لو ان کی مہریں دیکھ لو، پھر آپ نے نام لے کر پکارا اے شیش بن ربعی، اے قیس ابن اشعث، اے زید بن حارث سچ سچ بولو کیا تم لوگوں نے خطوط لکھ کر اور قسمیں دے دے کر مجھے نہیں بلایا ہے؟ حضرت امام حسین کی یہ بات سن کر سب بے حیا اور شیطان شرم سے گردن جھکائے کھڑے رہے اور کسی نے جواب تک نہ دیا۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ تمام لوگوں کو پانی پلایا جائے اور تمام گھوڑوں کو بھی پانی پلایا جائے (یہاں تک کہ

امام کے حکم سے حر کے لشکر اور ان کے گھوڑوں کو بھی پانی پلایا گیا) حر کے لشکر کا ایک نوجوان پیچھے رہ گیا وہ بیان کرتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے جب میری اور میرے گھوڑے کی حالت جو پیاس سے ہو رہی تھی، دیکھی تو امام حسین نے فرمایا اے لڑکے پانی پیو میں جب پینے لگا تو فرمایا کہ مشک کو الٹ دو، مشک بھاری ہونے کی وجہ سے نہ الٹی گئی تو امام خود اٹھے، مشک کو الٹا میں نے بھی پانی پیا اور اپنے گھوڑے کو بھی پانی پلایا۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ مقام ذو حسم میں جب نماز ظہر کا وقت ہو گیا تو آپ نے حجاج بن مسروق جعفی کو حکم دیا کہ وہ آذان کہیں، انہوں نے اذان دی پھر نماز کے لیے اقامت کہی گئی۔ امام حسین علیہ السلام نے حر سے فرمایا کہ تم نماز علیحدہ پڑھو گے؟ حر نے کہا نہیں ہم تو آپ کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ آپ نے سب کو نماز پڑھائی، آپ خیمہ میں تشریف لے گئے، پھر جب نماز عصر کا وقت ہو گیا تو آپ نے فرمایا اذان کہی جائے، اذان کہی گئی اور آپ نے تمام لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ نے تمام لوگوں کے سامنے جن میں حر کے ساتھی بھی تھے، یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ایسے بادشاہ کو دیکھے جو ظالم ہو جو حرام خدا کو حلال سمجھتا ہو جو عہد خدا کو توڑتا ہو جو سنت رسول کے خلاف کرتا ہو جو بندگان خدا پر ظلم کرتا ہو اس پر وہ اعتراض نہ کرے تو اس کو بھی خدا اس ظالم بادشاہ کے اعمال میں شریک کرے گا، سنو! ان حکام نے شیطان کی اطاعت اختیار کر لی ہے، خدا کی اطاعت کو ترک کر دیا ہے۔ انہوں نے حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کر رکھا ہے۔ ان پر اعتراض کرنے کا سب سے زیادہ حق مجھے ہے۔ تمہارے خط میرے پاس آئے، تمہارے نمائندے میرے پاس تمہاری طرف سے بیعت کرنے کو اس بات پر آئے کہ تم میرا ساتھ نہ چھوڑو گے، مجھے دشمن کے حوالے نہ کرو گے، اگر تم اپنی بیعتوں کو پورا کرو گے تو بہرہ مند ہو گے۔ میں حسین ہوں علی اور فاطمہ بنت رسول اللہ کا فرزند ہوں، میں تمہارا پیشوا ہوں۔ حر یہ خطبہ سن کر کہنے لگا کہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ

آپ کو کس نے خطوط لکھے ہیں ہم تو آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جائیں گے۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا اللہ کی قسم میں تیرے ساتھ عبید اللہ ابن زیاد کے پاس نہیں جاؤں گا، جب آپس میں تکرار شروع ہوگئی تو امام حسین یہاں سے چل پڑے اور حر بھی ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ امام حسین علیہ السلام چلتے چلتے قصر بنی مقاتل میں پہنچے۔ وہاں سے پھر آگے چلے۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ اسی اثناء میں امام حسین علیہ السلام نے تین مرتبہ انا لله و انا اليه راجعون و الحمد لله رب العالمين کہا۔ یہ سن کر آپ کے بیٹے علی بن حسین (علی اکبر) گھوڑا بڑھا کر قریب آئے اور کہنے لگے کہ بابا! میں آپ پر فدا ہو جاؤں، اس وقت آپ نے یہ کلمہ کیوں فرمایا؟ آپ نے فرمایا، اے بیٹے! مجھے ذرا اونگھ آگئی تھی، میں نے ایک سوار کو گھوڑے پر دیکھا، اس نے کہا لوگ تو چلے جا رہے ہیں اور موت ان کی طرف آرہی ہے، اس سے میں سمجھ گیا کہ ہم کو خبر مرگ سنائی گئی ہے۔ حضرت علی اکبر نے کہا کہ خدا آپ کو ہر بلا سے محفوظ رکھے کیا ہم لوگ حق پر نہیں۔ آپ نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس کے پاس سب کو جانا ہے، ہم حق پر ہیں۔ علی بن حسین علیہ السلام نے کہا پھر ہمیں کچھ پرواہ نہیں ہے، مریں گے تو حق پر مریں گے۔ آپ نے فرمایا جزاك الله باپ کی طرف سے فرزند کو جو بہترین جزاء مل سکتی ہے وہ تم کو ملے۔ امام چلتے چلتے مقام نینوا میں پہنچے۔ یہاں فجر کی نماز پڑھی، تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی کوفہ کی طرف سے آیا وہ حر کے پاس گیا اور اس کو ایک خط دیا۔ یہ خط ابن زیاد نے حر کی طرف بھیجا اس میں لکھا تھا کہ میرا خط جب ہی پہنچے اسی وقت امام حسین کو تنگ کرنا شروع کر دو، ان کو اس جگہ اترنے دو جہاں پانی وغیرہ نہ ہو، یہ خط لانے والا قاصد تم پر نگران ہو گا۔ اس خط کا مضمون حر نے امام حسین علیہ السلام کو بتایا کہ اب میں آپ کو کسی صورت میں چھوڑ نہیں سکتا۔ پھر یہاں سے حسینی قافلہ چل پڑا اور حر بھی ایک طرف چل رہا تھا یہاں تک کہ امام حسین علیہ السلام مقام کربلا میں پہنچ گئے۔

امام حسین علیہ السلام کربلا میں

امام حسین علیہ السلام، ٦١ ہجری محرم کی دوسری تاریخ کو کربلا میں پہنچے۔ دوسرے دن صبح کے وقت عمرو بن سعد بھی چار ہزار فوج لے کر کربلا میں پہنچ گیا۔ امام حسین علیہ السلام کی عمرو بن سعد سے گفتگو شروع ہوگئی۔ عمرو بن سعد نے کہا کہ آپ کس مقصد کے پیش نظر یہاں تشریف لائے ہیں۔ فرمایا اہل کوفہ نے مجھے خطوط لکھے اور میرے پاس اپنے آدمی بھیجے کہ آپ تشریف لائیں۔ اب اگر ان لوگوں کو میرا یہاں آنا ناپسند ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ یہ سن کر ابن سعد نے ابن زیاد کو لکھا کہ میں نے امام حسین علیہ السلام سے گفتگو کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اہل کوفہ نے بلایا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ اگر اہل کوفہ کو میرا آنا پسند نہیں ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ ابن زیاد کو جب یہ خط سنایا گیا تو اس نے کہا کہ امام حسین علیہ السلام جب ہمارے پنجہ میں پھنس گئے ہیں تو اب نکلنا چاہتے ہیں لیکن اب ان کے لیے نکلنا مشکل ہے۔ ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو جوابی خط لکھا کہ حسین علیہ السلام کو کہو کہ وہ یزید کی بیعت کریں اگر انہوں نے یزید کی بیعت کا اقرار کرلیا تو پھر ہم جیسا مناسب سمجھیں گے ویسا کریں گے۔ جب یہ خط عمرو بن سعد کو ملا تو پھر عمرو بن سعد نے امام حسین علیہ السلام سے ملاقات کی اور کہا کہ آپ یزید کی بیعت کرلیں تو آپ نے فرمایا یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔ چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ عقبہ بن سمعان نے کہا کہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مکہ سے لے کر آپ کی شہادت تک آپ کے ساتھ رہا۔ آپ نے کوئی بات نہیں فرمائی جو میں نے نہ سنی ہو۔ آپ نے کبھی بھی نہیں فرمایا کہ یزید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھوں گا اور نہ ہی یہ فرمایا کہ میں کسی سرحد پر چلا جاؤں گا بلکہ آپ نے عمرو بن سعد کے جواب میں صرف دو چیزیں فرمائیں یا تو واپس مکہ چلے جائیں گے یا مجھے اس وسیع وعریض زمین میں کسی طرف نکل جانے دو، میں دیکھوں کہ انجام کیا ہوتا ہے؟ (البدایہ

والنہایہ ص ۱۷۵ ج ۸)

ابن کثیر آگے چل کر پھر لکھتے ہیں کہ عمرو بن سعد نے پھر امام حسین علیہ السلام کو کہا کہ ابن زیاد کہتا ہے کہ آپ یزید کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دیں (یعنی بیعت کرلیں) تو امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

والله لا یکون ذالك ابداً۔

اللہ کی قسم ہے کہ یہ کام تو ہمیشہ تک نہیں ہوسکتا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۹۷ ج ۸)

یعنی میں یزید کی بیعت کسی صورت میں بھی نہیں کرسکتا۔ اب اس سے ظاہر ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام نے حلفاً فرمادیا تھا کہ میں ہمیشہ ہمیشہ کسی طرح بھی یزید کے پلید ہاتھوں میں اپنے پاک ہاتھ نہیں رکھ سکتا تو پھر یزیدیوں کا یہ کہنا کہ امام حسین علیہ السلام نے عمرو بن سعد کے سامنے اقرار کرلیا تھا کہ میں یزید کی بیعت کرلوں گا، صریحاً غلط ہے۔

سوال:

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے عمرو بن سعد کو کہا تھا کہ میں یزید کی بیعت کرلوں گا اور یہ بات عمرو بن سعد نے ابن زیاد کو بھی ایک خط میں لکھی تھی۔

جواب:

یہ بات غلط ہے امام حسین علیہ السلام نے نہ تو عمرو بن سعد کو کہا ہے کہ میں یزید کی بیعت کرلوں گا اور نہ کسی اور سے کہا ہے کہ میں یزید کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا۔ درحقیقت بات یہ ہے کہ جب ابن زیاد اصرار کر رہا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کو کہو کہ وہ یزید کی بیعت کریں ورنہ ان کو قتل کردو اب عمرو بن سعد دنیا کی لعنت سے بچنے کے لیے یہ کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح یہ معاملہ ٹل جائے۔ چنانچہ اس نے ابن زیاد کو اپنی طرف سے لکھ دیا کہ میں نے حسین علیہ السلام سے بات کی ہے وہ اس بات پر راضی ہیں جہاں

سے آئے ہیں وہیں چلے جاتے ہیں یا کسی اسلامی ملک کی سرحد کی طرف چلے جاتے ہیں وہاں وہ امن سے رہیں گے یا یزید کے پاس جا کر اس کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دیں گے۔ اب ان تین باتوں سے ایک بات امام حسین علیہ السلام نے فرمائی تھی کہ میں جہاں سے آیا ہوں، وہاں چلا جاتا ہوں۔ دوسری دو باتیں امام حسین علیہ السلام نے نہیں فرمائی تھیں۔ جیسا کہ البدایہ والنہایہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے البتہ عمرو بن سعد نے ابن زیاد کو وقتی طور پر ٹھنڈا کرنے کے لیے یہ دو باتیں بھی ساتھ کہہ دیں اور ان لوگوں نے جو کہ از قسم نواصب وخوارج ہیں یا جن لوگوں میں یزیدی خون ہے، انہوں نے یزید کی حمایت کرتے ہوئے یہ مشہور کر دیا کہ امام حسین علیہ السلام تو یزید کی بیعت کے لیے تیار تھے اور آپ نے کہا تھا کہ مجھے دمشق جانے دو، میں یزید کی بیعت کرلوں گا۔ چنانچہ اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے ایک مصری فاضل علامہ احمد شلبی لکھتے ہیں کہ صاف بات یہ ہے کہ عمرو بن سعد نے امام حسین علیہ السلام کے کلام کو ابن زیاد کے سامنے غلط صورت میں پیش کر دیا تھا تاکہ وہ امام حسین علیہ السلام کے قتل کی ذمہ داری سے بچ سکے اور یہ کہ اپنے ضمیر کی ملامت اور دنیا وآخرت کے برے انجام سے ظاہری طور پر محفوظ رہ سکے۔ نیز علامہ شلبی لکھتے ہیں کہ یہ تو بنو امیہ خاندان کے حامیوں (یعنی خارجیوں) نے عمرو بن سعد کا قول امام حسین علیہ السلام کی طرف نسبت کر دیا اور ان خارجیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ امام حسین علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں یزید کی بیعت کرلوں گا تاکہ وہ لوگوں کو کہہ سکیں کہ امام حسین علیہ السلام نے تو یزید کی بیعت کے لیے اقرار کرلیا تھا حالانکہ امام حسین علیہ السلام نے کبھی بھی نہیں کہا کہ میں یزید کے ہاتھوں میں ہاتھ رکھ دوں گا۔ نیز علامہ شلبی لکھتے ہیں کہ ہماری اس بات کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو عقبہ بن سمعان[1] نے بیان کی ہے کہ میں نے مدینہ منورہ

---

[1] جب امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے تو عمرو بن سعد نے عقبہ بن سمعان کو گرفتار کر لیا۔ یہ رباب بنت امراء القیس کے غلام تھے اور رباب بنت امراء القیس حضرت حسین کی زوجہ مطہرہ تھیں اور سیدہ سکینہ کی والدہ =

سے لے کر مکہ مکرمہ تک اور مکہ مکرمہ سے لے کر عراق (کربلا) تک امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دیا ہے اور آپ کے شہید ہونے تک میں آپ کے ساتھ رہا ہوں۔ آپ نے کبھی بھی کسی کے سامنے یہ نہیں فرمایا کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں رکھ دوں گا۔ (زینب ص ۱۸۴)

علامہ شبلی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ کربلا میں عمرو بن سعد نے جب بار بار اصرار کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کو کہا کہ آپ یزید کی بیعت کر لیں تو آپ نے فرمایا میں ہرگز یزید کی بیعت نہیں کروں گا، البتہ یہ صورت ہو سکتی ہے کہ تم لوگ مجھے اپنی حالت پر چھوڑ دو یا تو مکہ مکرمہ چلا جاؤں یا پھر کسی دوسری جگہ جا کر میں انتظار کروں گا کہ یزید کے ساتھ لوگ کیا سلوک کرتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے یزید کی بیعت کا ہرگز ہرگز اقرار نہیں کیا

عمرو بن سعد نے جب یہ بات سنی تو اس نے ابن زیاد کا وقتی طور پر غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے ابن زیاد کو لکھ دیا کہ میں نے امام حسین علیہ السلام سے بات کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں یزید کے پاس جا کر اس کی بیعت کر لوں گا۔ اس نے یہ بات غلط طور پر ابن زیاد کو اس لیے بتلائی کہ وہ قتل حسین علیہ السلام میں براہ راست ملوث نہ ہو اور کسی طرح وقت گزر

= یہی تھیں۔ جب عمرو بن سعد نے عقبہ بن سمعان کو گرفتار کیا تو پوچھا تم کون ہو؟ تو عقبہ نے کہا میں ان کا زرخرید غلام ہوں۔ یہ سن کر ابن سعد نے ان کو چھوڑ دیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے صرف عقبہ بن سمعان بچے تھے یا مرقع بن ثمامہ اسدی بچے یہ اس طرح کہ جنگ کے موقع پر دونوں زانو ٹیک کر تیر اندازی کر رہے تھے کہ ان کے پاس ان کے خاندان کے کچھ لوگ آئے انہوں نے کہا کہ تم ہمارے ساتھ چلو تمہارے لیے امان ہے۔ یہ ان کے ساتھ ہو گئے۔ پھر ابن سعد نے ان کو ابن زیاد کے ہاں پیش کر دیا۔ ابن زیاد نے ان کو زارہ مقام کی طرف جلاوطن کر دیا۔ (تاریخ کامل ص ۸۰ ج ۴، تاریخ طبری ص ۶۹۶ ج ۴) ۱۲

(مفتی غلام رسول)

جائے لیکن ابن زیاد اور شمر لعین نے اس کو مجبور کر دیا کہ وہ امام حسین علیہ السلام سے یا تو بیعت کا اقرار لے یا حسین علیہ السلام کو قتل کرے۔ آخر کار اس نے امام حسین علیہ السلام کو شہید کرا دیا، اب ظاہر ہے کہ یہ الفاظ فیضع یدہ فی یدہ عمرو بن سعد کے پانے تھے اور امیہ خاندان کے حامی لوگوں (خارجیوں) نے امام حسین علیہ السلام کی طرف سے نسبت کر دیئے اور مشہور کر دیا کہ امام حسین علیہ السلام نے یزید کی بیعت کا اقرار کر لیا ہے حالانکہ امام حسین علیہ السلام نے کبھی بھی یزید کی بیعت کا نہ اقرار کیا ہے اور نہ کہا ہے کہ میں دمشق جا کر یزید کی بیعت کر لیتا ہوں۔

ہم پہلے ابن کثیر کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ آپ نے حلف اٹھا کر فرمایا تھا کہ میں یزید کی بیعت کبھی نہیں کروں گا اور ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے جب کربلا میں یزیدیوں کے ساتھ گفتگو کی تو یزیدی کہنے لگے کہ تم یزید کی بیعت کر لو تو آپ نے فرمایا معاذ اللہ، بے شک میں ہر متکبر سے جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا، اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لے چکا ہوں، یعنی یزید کی بیعت کرنے کے لیے ہر گز تیار نہیں ہوں۔

(البدایہ والنہایہ ص ۱۷۹ ج ۸)

علامہ شلبی بھی لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ میں اہل بیت نبوت و رسالت سے ہوں، یزید اس کا اہل نہیں ہے کہ میں اس کی بیعت کروں۔ (زینب ص ۱۵۶)

اس سے ظاہر ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے یزید کی نہ بیعت کی ہے اور نہ اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میں یزید کی بیعت کر لیتا ہوں اور نہ یہ فرمایا کہ مجھے دمشق بھیج دو، میں یزید کی بیعت کر لوں گا۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل ہماری کتاب حسب و نسب جلد ثانی میں پڑھیے۔

عمرو بن سعد کو جب امام حسین علیہ السلام نے جواب دے دیا کہ وہ کسی صورت میں بھی یزید کی بیعت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں البتہ مکہ میں واپس چلے جاتے ہیں تو ابن سعد نے پھر ابن زیاد کو لکھا کہ خدا نے آگ کے شعلہ کو بجھا دیا، اختلاف کو ختم کر دیا

ہے۔ امام حسین علیہ السلام اس پر راضی ہیں جہاں سے آئے ہیں وہیں چلے جاتے ہیں۔ یہ خط جب ابن زیاد کے پاس پہنچا اس نے پڑھا اور کہا کہ یہ ایسے شخص کا خط ہے جو اپنے امیر کا بھی خیر خواہ ہے اور اپنی قوم پر شفقت کرنے والا ہے۔ اچھا میں نے قبول کیا، یہ سن کر شمر بن ذی الجوشن اٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا اب تو حسین علیہ السلام تمہاری زمین میں ہیں، اگر وہ چلے گئے تو طاقت ان کی ہوگی تمہارے لیے عاجزی ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ ان کو کہو وہ تمہاری اطاعت کریں اور تم یزید کے لیے حسین علیہ السلام سے بیعت لو۔ اس سے تمہاری دربار یزید میں عزت بڑھ جائے گی اگر وہ بیعت نہ کریں تو پھر حسین علیہ السلام کو قتل کر دو، اس سے بھی تم کو شہرت ملے گی اور شمر نے یہ بھی کہا کہ میں نے سنا ہے کہ ابن سعد اور امام حسین علیہ السلام رات بھر لشکر کے درمیان باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ابن زیاد شمر کی باتوں میں آگیا اس نے عمرو بن سعد کو خط لکھا کہ میں نے تجھے حسین علیہ السلام کے مقابلے میں اس لیے نہ بھیجا تھا کہ تو جنگ سے بچے اور مجھ سے ان کی سفارش کرے تم فوراً امام حسین علیہ السلام سے کہہ دو اگر وہ میرے ہاتھ پر یزید کے لیے بیعت کریں تو انہیں امان ہے، اگر وہ انکار کریں تو ان سے لڑائی شروع کر دو، انہیں قتل کر کے ان کی لاش کو پامال کر ڈالو اگر تجھے اس کام سے انکار ہے تو تجھے نہ صرف سپہ سالاری سے معزول کیا جاتا ہے بلکہ ”رے“ کی حکومت سے بھی برطرف کیا جاتا ہے اور تیری جگہ شمر ذی الجوشن کو مقرر کیا جاتا ہے۔ ابن زیاد نے یہ خط شمر کو دیا اور کہا کہ یہ عمرو بن سعد کے پاس لے جاؤ اگر وہ اس کے مطابق عمل کرے تو ٹھیک ہے اگر انکار کرے تو اس سے لشکر کا چارج لے کر اسے گرفتار کر کے یہاں بھیج دینا۔ شمر یہ خط لے کر کربلا میں عمرو بن سعد کے پاس پہنچا۔ عمرو بن سعد کو خط دیا اس نے پڑھا، شمر نے کہا کیا خیال ہے؟ عمرو بن سعد کہنے لگا حکم کی تعمیل کروں گا۔

پانی پر پابندی لگادی

ابن جریر لکھتے ہیں کہ ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو دوسرا یہ خط لکھا اگر امام حسین علیہ السلام یزید کی بیعت نہیں کرتے تو ان کا پانی بھی بند کر دو، چنانچہ محرم کی سات تاریخ کو عمرو بن سعد نے عمرو بن حجاج کو حکم دیا کہ پانچ سو سوار لے کر پانی پر قبضہ کرو۔ اسی وقت عمرو بن حجاج پانچ سو آدمی لے کر دریائے فرات پر پہنچا، اس نے دریا کے کنارے پر اپنے آدمیوں کو متعین کر دیا۔ اس کے بعد امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو کہا گیا کہ اب تم دریائے فرات سے پانی نہیں لے سکتے۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ کربلا میں شمر بھی پہنچ گیا، اس نے آتے ہی بار بار عمرو بن سعد کو کہنا شروع کر دیا کہ لڑائی شروع کرو۔ آخر کار ۹ محرم کو ابن سعد نے جنگ کی تیاری مکمل کر لی اور محرم کی ۹ تاریخ کو بوقت عصر کچھ لشکر لے کر جس میں شمر بھی تھا، امام حسین علیہ السلام کے خیمہ کی طرف یہ لوگ چل پڑے۔ اس وقت امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ کے سامنے تلوار سے تکیہ کیے بیٹھے ہوئے تھے، آپ کی بہن سیدہ زینب نے لوگوں کے شور کی آواز سنی تو اپنے بھائی جان (حسین علیہ السلام) کے پاس آئیں۔ کہا بھائی! آپ نے سنا کہ لوگوں کی آوازیں قریب سے آرہی ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے سر اٹھا کر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مجھے فرماتے ہیں کہ تم میرے پاس آجاؤ گے۔ حضرت سیدہ زینب نے یہ سن کر زار زار رونا شروع کر دیا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا بہن خدا تم پر رحم کرے چپ ہو جاؤ۔ اسی اثناء میں حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہما آگئے، کہا بھائی یہ لوگ آگئے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے فرمایا، عباس جاؤ ان لوگوں سے پوچھو تمہارا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا ہمارے حاکم کا یہ حکم ہے کہ یا تو تم یزید کے سامنے سر جھکا دو یا پھر لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہ بات حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آکر امام حسین کو بتلائی۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا

ان کو کہو کہ آج رات ہم کو مہلت دے دو تا کہ ہم آج رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کر لیں۔ اس سے دعا کر لیں، اس سے مغفرت طلب کر لیں، خدا خوب جانتا ہے کہ میں اس کی عبادت کو، اس کی کتاب کی تلاوت کو اور دعاء و استغفار کو کثرت سے پسند کرتا ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جا کر یزیدیوں سے بات کی تو عمرو بن سعد نے ایک قاصد بھیجا، اس نے بلند جگہ پر کھڑے ہو کر کہا ہم نے تمہیں کل صبح تک مہلت دے دی ہے۔ اگر تم اطاعت کر لو گے تو ہم تمہیں ابن زیاد کے پاس بھیج دیں گے، اگر تم نے انکار کیا تو پھر ہم تمہیں ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ اس کے بعد ابن سعد اپنے لشکر کو واپس لے گیا۔ جب رات آ گئی، امام حسین علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، اس کے بعد عشاء کی نماز پڑھی۔

امام حسین علیہ السلام کا اپنے ساتھیوں سے خطاب

امام حسین علیہ السلام نے عشاء کی نماز کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا ٹھہر جاؤ! مجھے کچھ کہنا ہے۔ سب لوگ نماز سے فارغ ہو کر وہاں ٹھہر گئے۔ امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ میں بیمار تھا، میں امام حسین علیہ السلام کے قریب چلا گیا کہ سنوں کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اے میرے ساتھیو! دشمن کی فوجیں کثرت سے اُمڈی چلی آ رہی ہیں (صرف حر ابن حر کے پاس ۲۲ ہزار فوج تھی، عمرو بن سعد کے پاس چار ہزار، اس کے علاوہ اور بھی) اور کربلا کا میدان ان کی کثرت سے لبریز ہو گیا ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ ابھی اور کس قدر فوجیں آئیں، فوجوں کا یہ اس قدر اجتماع ایک میری ذات کے لیے کیا جا رہا ہے۔ دشمن میرے خون کے پیاسے ہیں۔ وہ میری جان لینا چاہتے ہیں، تم میرے ساتھ اپنی جانیں ہلاکت میں نہ ڈالو، دیکھو دشمن نے پانی بند کر دیا ہے، وہ ہمیں پیاسا

شہید کرنا چاہتا ہے۔ میں تمہیں خوشی سے اجازت دیتا ہوں تم چلے جاؤ۔ صبح جنگ ہو گی شاید دن میں تمہارے لیے جانے کا موقع نہ ملے، اس لیے ابھی روانہ ہو جاؤ۔ جب لوگوں نے امام حسین علیہ السلام کی بات سنی تو تمام کہنے لگے ہم آپ کے ساتھ آئے ہیں، جب تک زندگی ہے آپ کے ساتھ رہیں گے، آپ کے ساتھ ہو کر دشمنوں سے لڑیں گے، آپ حق پر ہیں، حق کے لیے لڑ رہے ہیں، ہم بھی حق پر سر کٹا دیں گے۔ ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسہ کو تنہا چھوڑ جائیں پھر ہم قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے یہ بات سن کر ان کو دعا دی اور پھر امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ آج آپ کی طبیعت اداس اور پژمردہ تھی۔ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ اسی اثناء میں حضرت شہر بانو امام کے خیمہ میں تشریف لائیں۔ آپ کے پاس بیٹھ کر بولیں آج آپ کی طبیعت زیادہ پریشان کیوں ہے؟ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا پریشانی اس لیے ہے کہ جو مجھ پر مصیبتیں نازل ہونے والی ہیں وہ ہونے والی ہیں لیکن جو لوگ میرے ساتھ آئے ہیں وہ بھی مبتلائے مصیبت ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کی طرف سے غم اور فکر ہے میں نے ان سے کہا کہ وہ چلے جائیں لیکن وہ جانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے حضرت شہر بانو سے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ میری شہادت کا وقت قریب آ گیا ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ تم بچوں کو لے کر مکہ مکرمہ یا اپنے وطن ایران پہنچ کر کسی مناسب جگہ ٹھہر جاؤ۔ حضرت شہر بانو نے کہا کہ امام ایسا نہ کہیے، میرا سہاگ میری دنیائے مسرت آپ کے دم سے ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں اپنے قدموں سے جدا نہ کریں۔ اگر اس وقت مجھے جدا کریں گے تو لوگ کیا کہیں گے۔ بہر صورت میں آپ سے ایک لمحہ بھی جدا نہیں ہو سکتی۔ ہر چیز آپ پر قربان کر سکتی ہوں لیکن جدائی ناممکن ہے۔ پھر حضرت شہر بانو اٹھ کر چلی گئیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے والد (امام حسین علیہ السلام) اپنے خیمہ میں اکیلے

تھے آپ کے پاس صرف ابوذر غفاری کے آزاد کردہ غلام آپ کی تلوار کو درست کر رہے تھے اور امام حسین علیہ السلام یہ شعر پڑھ رہے تھے جن کا مطلب یہ ہے کہ اے زمانہ ناپائیدار تو اچھا دوست نہیں ہے۔ تو ہر صبح و شام کسی دوست یا دشمن کو ختم کر دیتا ہے اور ایک کے عوض دوسرے کو قبول نہیں کرتا اور یہ سب حکم خدا سے ہوتا ہے اور جو آدمی زندہ ہے اس نے اس دنیا سے جانا ہے۔

ان اشعار کو آپ نے دو تین دفعہ پڑھا، امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ جو ارادہ آپ نے کیا تھا، مجھے بے اختیار رونا آیا میں نے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش کی اور مجھے پتہ لگ گیا کہ مصیبت ٹوٹ پڑی ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے ان اشعار کو میری پھوپھی سیدہ زینب علیہا السلام نے بھی سن لیا اور بے چین ہو کر آپ کے پاس آئیں۔ حضرت زینب نے جواب دیا بھائی میں دیکھ رہی ہوں کہ مصائب نے آپ پر ہجوم کر لیا ہے۔ تمہیں غمگین دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے۔ اے کاش میری زندگی میں یہ دن نہ آتا میں اپنی ماں، باپ اور بھائی حسن علیہ السلام کے ساتھ ہی مر جاتی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا بہن! ایسی بات نہ کرو، مجھے فخر ہے کہ میں نے تم جیسی ہمشیرہ پائی ہے۔ حضرت زینب علیہا السلام نے کہا لیکن ایسی بہن جو بالکل مجبور و بے کس ہے جو اپنے بھائی کی کچھ مدد نہیں کر سکتی اس غم سے میرے دل کے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا میری بہن صبر کرو، میرے باپ مجھ سے بہتر تھے، میری والدہ مجھ سے افضل تھیں، میرے بھائی نیک اور سعید تھے، وہ سب سنت رسول کی پیروی کرتے تھے، میں بھی پیروی کر رہا ہوں، یہ دنیا فانی ہے جو دنیا میں پیدا ہوتا ہے اس نے ایک دن دنیا سے چلا جانا ہوتا ہے۔ میرا وقت بھی قریب ہے۔ اگر میں کل شہید ہو جاؤں تو میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تم غم اور مصیبت کو صبر و شکر سے برداشت کرنا اللہ تعالیٰ صبر کا اجر دے گا اور تم اہل بیت میں

سب سے بڑی ہو، سب کو تسلی دینا۔ یہ سن کر حضرت سیدہ زینب زیادہ پریشان ہو گئیں۔ بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے، روتے روتے بولیں، یہ سب کیا سن رہی ہوں۔ میرا تو یہ سنتے ہی کلیجہ پھٹ گیا اور دل ٹکڑے ہو گیا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا بہن اس قدر بے قرار ہو گئی ہو تمہیں تو اپنا دل پتھر کا کر لینا چاہیے۔ حضرت زینب نے فرمایا پتھر ہی کر لوں گی۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے صبر عطا فرما دے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا خدا صبر دے گا۔ حضرت زینب نے فرمایا میں تو صبر اختیار کروں گی لیکن آنکھوں پر اختیار نہیں ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا یہ میں بھی جانتا ہوں رو لینا لیکن حتی المقدور لوگوں کے سامنے نہ رونا۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے فرمایا اب رات زیادہ ہو گئی ہے، آرام کرو تو سیدہ زینب اپنے خیمہ میں تشریف لے گئیں۔

(البدایہ والنہایہ ص ۱۷۷ ج ۸، تاریخ طبری ص ۲۶۴ ج ۴، معرکہ کربلا ص ۲۵۹، تاریخ کامل ص ۵۸ ج ۴)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی بیماری میں اضافہ

امام حسین علیہ السلام جب مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تھے، راستہ میں ہی امام زین العابدین علیہ السلام بیمار ہو گئے تھے۔ کربلا میں آ کر بیماری میں اضافہ ہو گیا تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے جب سیدہ زینب کو اپنے خیمے میں جانے کا حکم فرمایا تو تھوڑی دیر کے بعد امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور اپنے ساتھیوں کو حکم فرمایا کہ خندق کی دوسری طرف آگ روشن کر لیں تا کہ اگر دشمن رات کو شب خون مارنے کے ارادے سے نقل و حرکت کرے تو معلوم ہو جائے۔ آپ کے حکم کے مطابق آگ روشن کی گئی تو ایک کوفی یزیدی کتا مالک بن عروہ آگ کے قریب آیا اور استہزاء کے طور پر امام حسین علیہ السلام کو مخاطب ہو کر کہا کیا زندگی میں ہی آگ میں جانے کا ارادہ ہے۔ امام

حسین علیہ السلام نے فرمایا: کذبت یا عدو اللہ اے دشمن خدا! تو نے جھوٹ بولا۔ راوی کہتا ہے مالک بن عروہ گھوڑے پر سوار تھا وہ گھوڑے کو ادھر ادھر دوڑا رہا تھا، اچانک گھوڑے کا پاؤں سوراخ میں گھس گیا اور گھوڑا بھڑک اٹھا اور گھوڑے نے اپنا پاؤں سوراخ سے نکال کر دوڑنا شروع کر دیا اور مالک بن عروہ کو نیچے گرا دیا اور اس کا دایاں پاؤں رکاب میں پھنسا رہا۔ گھوڑا اسے گھسیٹتا ہوا آگ کے قریب سے گزرا اور مالک بن عروہ لڑھک کر آگ میں گر پڑا اور وہیں جل کر کباب ہوگیا۔ رات گزری، صبح کا وقت ہوا تو امام حسین علیہ السلام نے نماز صبح کی تیاری فرمائی۔ چونکہ امام زین العابدین زیادہ بیمار تھے آپ کو پیاس لگ رہی تھی لیکن پانی تھا نہیں حضرت شہر بانو اور حضرت ام کلثوم تمام رات امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس بیٹھی رہی تھیں۔ صبح کے وقت امام زین العابدین کی حالت زیادہ خراب ہوگئی، پانی مل نہیں رہا تھا، شہر بانو نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا اے اللہ! میرے بچے پر رحم کر، حضرت شہر بانو اور ام کلثوم حضرت زین العابدین کی حالت دیکھ کر رونے لگیں۔ رونے کی آواز خیمے سے باہر سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام امام زین العابدین علیہ السلام کے خیمے میں تشریف لائے اور پوچھا کیا بات ہے؟ حضرت ام کلثوم نے جواب دیا کہ زین العابدین رات بھر پیاس سے تڑپتے رہے ہیں، اس وقت ان کی حالت غیر ہوگئی ہے۔ امام حسین نے امام زین العابدین علیہ السلام کے قریب جا کر فرمایا بیٹا میں جانتا ہوں تم بیمار ہو، پیاس نے تمہیں سخت تکلیف دے رکھی ہے لیکن پانی کا ایک قطرہ نہیں ہے۔ میرے بیٹے صبر کرو، آج تمہارا باپ اس قدر مجبور ہوگیا ہے کہ تمہارے لیے پانی کا ایک قطرہ بھی مہیا نہیں کر سکتا۔ حضرت شہر بانو کو بھی امام حسین علیہ السلام نے فرمایا، صبر کرو، پھر آپ نے تیمم فرما کر اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔

جب آپ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دشمن کی فوجیں مسلح

ہو کر میدان جنگ میں آنے لگیں۔ چنانچہ عمرو بن سعد جس کے پاس ۲۲ ہزار سے زیادہ لشکر تھا اس نے اپنی فوج کی منصوبہ بندی اس طرح کی کہ میمنہ پر عمرو بن حجاج زبیدی کو رکھا اور میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن کو رکھا اور اپنے غلام وردان کو علم دیا اور خود قلب میں رہا اور پیادوں پر شبیث بن ربعی کو مقرر کیا اور رسالہ عزرہ بن قیس کو دیا، دوسری طرف امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ۲۲ سوار تھے اور ۴۰ پیادہ تھے۔ آپ کے لشکر کی ترتیب یوں تھی، آپ نے میمنہ پر زہیر بن قین کو مقرر فرمایا اور میسرہ پر حبیب بن مظہر کو اور علم اپنے بھائی عباس علمدار کو دیا اور اپنے خیموں کو پشت پر رکھا اور حضرت عباس کو یہ بھی فرمایا کہ خیموں کا بھی تم نے ہی خیال رکھنا ہے۔ اس کے بعد امام حسین علیہ السلام سوار ہو کر دشمن کی طرف چلے تاکہ ان کے ساتھ اتمامِ حجت کریں۔

جب خواتین اہل بیت نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو کوفیوں کے لشکر کے قریب جاتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے یہ سمجھا کہ سب سے پہلے امام حسین علیہ السلام لڑنے کے لیے جا رہے ہیں، کہیں کوفی امام حسین کو شہید نہ کر دیں، اس لیے سیدہ زینب سے ضبط نہ ہو سکا۔ انہوں نے رو کر کہا اے بھائی! اس وقت تم خود شہید ہونے کے لیے جا رہے ہو کاش میں تم سے پہلے مر جاتی۔ حضرت زینب کی زبان سے یہ سنتے ہی تمام خواتین کے دل بھر آئے سب رونے لگیں اور انہیں روتا دیکھ کر بچے بھی رونے لگے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس کو کہا کہ ان کو جا کر کہو وہ رونا بند کر دیں۔ ابھی انہوں نے بہت رونا ہے۔ جب اہل بیت پاک کی خواتین نے رونا بند کر دیا تو امام حسین علیہ السلام نے کوفیوں سے فصیح و بلیغ خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے لوگو! تم مجھ سے اچھی طرح واقف ہو کہ میں تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ ہوں، شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا بیٹا ہوں، سیدۃ النساء حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ کا نورِ عین ہوں، حضرت جعفر طیار کا بھتیجا ہوں، حضرت امیر حمزہ میرے باپ کے چچا تھے، اس فخر نسبی کے علاوہ مجھے یہ فخر بھی حاصل

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اور میرے بھائی حسن کو جوانانِ اہل جنت کا سردار بتایا ہے۔ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کبھی نماز قضاء نہیں کی۔ کسی مسلمان کو قتل نہیں کیا پھر تم لوگ میرے قتل کے کیوں درپے ہو؟ کیا تم میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو تم کو میرے قتل سے روکے۔ اے کوفیو! تم لوگوں نے مجھے ڈیڑھ سو کے قریب خط لکھے جو کہ میرے پاس موجود ہیں تم نے لکھا کہ ہم آپ کو امامت کا حق دار سمجھتے ہیں اور ہم پر یزید ظلم کر رہا ہے، لہٰذا آپ ہر صورت میں آئیں، اب تم سے اور تو کچھ نہیں کہنا چاہتا صرف یہ کہتا ہوں کہ میرے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگ کر گنہگار نہ ہو۔ مجھے مکہ مکرمہ میں واپس چلے جانے دو، اب کوئی کوفی نہیں بولتا لیکن قیس بن اشعث بے شرمی کرتے ہوئے بولا کہ آپ یزید کی بیعت کیوں نہیں کر لیتے تو آپ نے فرمایا:

اللہ انی عنت بربی و ربکم من کل متکبر لا یومن بیوم الحساب۔

(البدایہ والنہایہ ص ۱۷۹ ج ۸، تاریخ طبری ص ۲۶۸ ج ۴)

ترجمہ: ”اللہ کی پناہ بے شک میں ہر متکبر سے جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لے چکا ہوں۔“

یعنی میں یزید کی بیعت کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں۔

حر کا امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا

اس کے بعد آپ واپس اپنے خیمہ کی طرف تشریف لائے۔ آپ کے پیچھے ہی حضرت حر بن یزید ریاحی بھی آ گئے۔ آپ نے فرمایا، کیسے آنا ہوا؟ تو حضرت حر نے عرض کیا کہ گناہ کی معافی چاہتا ہوں کہ میں نے ہی آپ کو روکا اور آپ کو دشتِ کربلا میں

لے آیا، حضور رات کو میں نے خواب میں اپنے باپ کو دیکھا وہ نہایت خوش تھے۔ میں نے پوچھا کس حال میں ہو۔ فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اور جنت میں مجھے جگہ عطا فرمائی ہے۔ پھر انہوں نے مجھے کہا تم کس کام میں لگے ہو میں نے کہا کہ میں یزید کی فوج کا افسر ہوں ابن زیاد کی ماتحتی میں کام کر رہا ہوں، امام حسین علیہ السلام نے یزید بن معاویہ کی بیعت نہیں کی، میں ان کو گرفتار کرنے کے لیے مقرر ہوا ہوں۔ میرے والد یہ بات سن کر ناراض ہوئے اور کہا کہ اے حر تجھ پر افسوس ہے تو نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہے، اگر تو حسین کو گرفتار کرے گا تو حسین رسول اللہ کے بیٹے ہیں تجھ پر رسول اللہ ناراض ہو جائیں گے پھر قیامت کے دن تیری شفاعت کون کرے گا، یہ سن کر مجھ پر خوف غالب ہوا پھر میری آنکھ کھل گئی۔ اب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عفو تقصیر کا طالب ہوں۔ حضور آپ میری غلطی معاف کر دیجیئے تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا، جاؤ میں نے تمہارا قصور معاف کیا ہے۔ حضرت حر یہ سن کر خوش ہو گئے اور عرض کیا کہ حضور مجھے اجازت دیں میں عمرو بن سعد کے ساتھ جنگ کروں، فرمایا صبر کرو، ہم سے جنگ کی ابتداء نہیں ہونی چاہیے۔ حضرت حر نے امام حسین علیہ السلام سے واپس جانے کی اجازت لی۔ آپ نے اجازت فرمائی۔ حضرت حر عمرو بن سعد کے پاس گئے جا کر کہا بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم لوگوں نے خود ہی امام حسین علیہ السلام کو بلایا اب تم ان کو قتل کرنے پر تیار ہو تم نے ان کا پانی بھی بند کر دیا ہے روزِ محشر کی تشنگی سے ڈرو، اگر آج تم نے انہیں پانی نہ دیا تو حشر کے روز اللہ تعالیٰ بھی تم کو حوضِ کوثر سے سیراب نہ کرے گا۔ یہ کہنے کے بعد حضرت حر واپس ہوئے اور پھر اپنے بھائی مصعب اور اس کے لڑکے علی اور اس کے غلام کو ساتھ لے کر امام حسین کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ اب عمرو بن سعد نے جب دیکھا کہ حضرت حر اور ان کا بھائی وغیرہ امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہو گئے ہیں تو اس کو یہ خوف ہوا کہ دیگر لوگ بھی حضرت حر کی تقلید نہ کریں، فوراً حکم دیا کہ جنگ شروع کی

جائے اور سب سے پہلے عمرو بن سعد نے تیر چلا کر جنگ کا آغاز کیا، چنانچہ عمرو بن سعد نے عبید اللہ بن زیاد کے دو غلاموں یسار، سالم کو میدان جنگ میں بھیجا اور ان دونوں نے میدان میں آ کر ھل من مبارز کا نعرہ لگایا۔ امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے بہت سے آدمیوں نے ان کے مقابلے میں نکلنے کا ارادہ کیا لیکن عبداللہ بن عمیر کلبی نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور میرے سوا ان ملعونوں کے مقابلے میں کوئی نہ نکلے۔ امام حسین علیہ السلام نے عبداللہ بن عمیر کلبی کو اجازت فرما دی کہ وہ ان کا مقابلہ کریں۔ عبداللہ بن عمیر اجازت حاصل کرنے کے بعد یسار اور سالم کے مقابلے میں آ گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمیر کلبی بہت بہادر تھے، یسار اور سالم دونوں نے عبداللہ بن عمیر پر حملہ کیا لیکن عبداللہ نے ان کا دفاع کرنے کے بعد سالم پر تلوار ماری جس سے اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ یسار نے جب سالم کی کیفیت دیکھی تو بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت عبداللہ نے للکار کر کہا کہ اے کمینے کہاں جاتے ہو اور پھر پیچھے سے ہو کر تلوار ماری۔ یسار کا سر کٹ کر دور جا گرا۔ اس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمرائیوں میں سے ایک بہادر نے دو کوفیوں کو مار ڈالا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عمیر نے یزیدیوں کو کہا کہ میرے مقابلے کے لیے آؤ لیکن کوئی یزیدی آگے نہیں نکلتا۔ عبداللہ نے جب خود یزیدی فوج پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو پیچھے سے آواز آئی میرے سرتاج مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ عبداللہ نے پیچھے دیکھا تو ان کی بیوی ام وہب آ گئی پوچھا تم کیوں چلی آئی۔ ام وہب نے جواب دیا کہ میں بھی امام حسین علیہ السلام پر قربان ہونے کے لیے آ گئی ہوں۔ عبداللہ نے کہا میری زندگی میں تم لڑنے کے لیے نہ جاؤ لیکن ام وہب نے کہا کہ آج مجھے مت روکو، جنت کے دروازے کھلے ہوئے سامنے ہیں۔ مجھے شہید ہو کر جنت میں جانے دو، ام وہب یہ کہہ رہی تھیں کہ امام حسین علیہ السلام نے آواز دی ام وہب لوٹ آؤ، حسین سے پہلے شہید ہو کر حسین کو شرمندہ نہ کرو۔ عبداللہ نے کہا تم نے سنا ام وہب امام عالی

مقام کیا فرما رہے ہیں؟ تم امام کا حکم مانو، واپس چلی جاؤ۔ ام وہب واپس ہوئی۔ عبداللہ بن عمیر کلبی نے گھوڑا بڑھا کر کوفیوں کے قلب پر حملہ کر دیا۔ پہلے ہی حملہ میں دو کوفیوں کو قتل کیا۔ اسی اثناء میں عمرو بن حجاج یزیدی جو میمنہ میں تھا اس نے اپنے رسالہ کے ساتھ امام حسین کے میسرہ پر حملہ کر دیا، امام حسین علیہ السلام کی طرف سے حبیب ابن مظاہر نے اس شدت سے تیر برسائے کہ وہ اپنا رسالہ لے کر اپنی سابقہ جگہ پر جا کھڑا ہوا اور عبداللہ بن عمیر کلبی نے چونکہ کوفیوں کے قلب پر حملہ کیا تھا، وہ ان کے درمیان داخل ہو گئے۔ پیچھے سے چند کوفیوں نے آپ کو تلواروں سے زخمی کر دیا، پھر ایک اور یزیدی نے ایسی ضرب لگائی کہ وہ شہید ہو کر گر پڑے۔ امام حسین علیہ السلام نے دیکھ لیا کہ عبداللہ بن عمیر کلبی شہید ہو گئے، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ان کی شہادت سے امام حسین علیہ السلام کو سخت صدمہ ہوا۔ آپ نے ان کے لیے دعا کی خدایا یہ دشتِ کربلا میں پہلا شہید ہے، اس کی مغفرت فرما، ابن جریر لکھتے ہیں کہ جب عبداللہ کلبی شہید ہو گئے تو ان کی لاش پر ام وہب آئیں، ان کے سرہانے بیٹھ گئیں، ان کے چہرے سے گرد و غبار صاف کرتی جاتی تھیں اور کہہ رہی تھیں تمہیں جنت میں جانا مبارک ہو۔ شمر نے رستم نامی غلام کو کہا کہ اس عورت کے سر پر لٹھ مار، اس نے جب لٹھ ماری تو سر پاش پاش ہو گیا۔ وہیں شہادت پا گئیں۔ (تاریخ طبری ص ۲۸۱ ج ۴)

مسلم بن عوسجہ کی شہادت

عبداللہ بن عمیر کلبی کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام کی طرف سے مسلم بن عوسجہ میدان میں اترے۔ یہ حضرت علی کے شاگرد تھے اور اہل بیت کے انتہائی وفادار جانثار تھے، جب میدان میں جانے لگے تو امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں کو بوسہ دیا

آپ کا مقابلہ ایک انتہائی مغرور کوفی سے ہوا۔ آپ نے اس کو ایک ایسا نیزہ مارا جو سینہ سے پار ہوا وہ زمین پر گر کر ٹھنڈا ہو گیا پھر آپ نے یزیدی لشکر پر حملہ کر دیا۔ ان کو کھیرے اور ککڑی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ آپ کی شجاعت کی وجہ سے دشمنوں کی فوج زیر و زبر ہونے لگی اور پورے لشکر میں تہلکہ مچ گیا۔ آخر ابن سعد نے اپنی فوج کو للکارا، "اے بزدلو! تمہیں شرم نہیں کہ ایک آدمی کو تم لوگ قتل نہیں کر سکتے"۔ پھر ایک دستہ فوج کا تیار کیا ان کو کہا کہ تمام مل کر اس پر حملہ کرو۔ اس دستہ نے مل کر مسلم بن عوسجہ پر حملہ کر دیا آپ کو تلوار اور نیزہ اور تیروں کے زخم آئے جن کی وجہ سے وہ گھوڑے سے نیچے گرے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور حبیب ابن مظاہر دونوں مسلم بن عوسجہ کے سرہانے آ گئے۔ حبیب ابن مظاہر نے کہا کہ گھبراؤ نہیں تمہارے بہت سے ساتھی جنت میں پہنچ چکے ہیں اور ہم بھی جلد تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔ مسلم بن عوسجہ میں کچھ جان باقی تھی، دیکھا امام حسین علیہ السلام سرہانے پر کھڑے ہیں لبوں پر مسکراہٹ کے آثار نمودار ہوئے اور روح پرواز کر گئی۔

حضرت وہب بن عبداللہ کی شہادت

اسی طرح حضرت وہب بن عبداللہ کلبی نے بھی اپنی جان حضرت امام حسین علیہ السلام پر قربان کر دی۔ یہ قبیلہ بنی کلب کے بہت حسین اور خوبصورت نوجوان تھے اور ان کی شادی کو بھی صرف ۱۷ دن ہوئے تھے کہ ان کی ماں نے کہا کہ بیٹا میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے امام حسین کربلا میں دشمنوں کے نرغے میں آ گئے ہیں اور دشمن ان کو شہید کرنا چاہتے ہیں۔ بیٹا میری مرضی ہے کہ تیرا وہ خون جو میرے دودھ سے بنا ہے اس کا ایک ایک قطرہ راہ حق میں بہا کر تو اپنی جان اہل بیت پر قربان کر کے میری

مغفرت کا سامان کر دے۔ چنانچہ وہب بن عبداللہ اپنی والدہ اور اپنی نئی دلہن کو ساتھ لے کر کربلا میں آئے اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے اجازت لے کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور میدانِ جنگ میں پہنچ کر یہ رجز پڑھنے لگے:

حسین امیر و نعم الامیر
له لمعة كا لسراج المنير

یعنی اے یزیدیو سن لو! سن لو میرا اعلان ہے کہ یزید امیر المومنین نہیں ہے بلکہ امیر المومنین حسین ہیں اور وہ بہترین امیر المومنین ہیں، ان کی چمک دمک روشن چراغ کی طرح منور اور روشن ہے۔ پھر یزیدیوں سے لڑائی شروع کر دی اور یزیدی فوج کے بڑے سے بڑا بہادر بھی اگر وہب بن عبداللہ کے سامنے آیا تو انہوں نے تلوار سے اس کا سر اڑا دیا اور بہت یزیدی کتے مار کر واپس اپنی ماں اور بیوی کے پاس آئے۔ عرض کیا میری ماں اب تو تم راضی ہوگئی ہوگی۔ ماں نے کہا میری خوشی تو اس بات میں ہے کہ تم اپنی جان امام حسین علیہ السلام پر قربان کر کے میرے لیے رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا سامان بنا دو۔ پھر وہب بن عبداللہ نے اپنی روتی ہوئی دلہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔ اتنے میں دشمن کی صفوں میں سے محکم بن طفیل ایک نامی گرامی شامی پہلوان نکلا اور ھل من مبارز کہہ کر حضرت وہب کو جنگ کی دعوت دینے لگا۔ حضرت وہب اس کی آواز سن کر فوراً ہی گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اپنی ماں اور پیاری دلہن کو سلام کر کے میدانِ جنگ میں محکم بن طفیل کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ محکم بن طفیل نے تلوار سے وہب بن عبداللہ پر وار کیا۔ وہب نے انتہائی چابکدستی کے ساتھ نیزہ مار کر محکم بن طفیل کو زمین پر دے مارا جس سے اس کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں۔ یہ دیکھ کر یزیدی فوج پر دہشت طاری ہوگئی۔ چنانچہ حضرت وہب نے یزیدیوں کو نیزہ ہلا ہلا کر بار بار جنگ کی دعوت دی لیکن کوئی مقابلے پر آنے کے لیے تیار ہی نہ تھا پھر خود ہی حضرت

وہب نے قلب لشکر پر حملہ کر دیا۔ دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیا، بڑے بڑے بہادروں کو چھلنی چھلنی کر دیا، آپ کا نیزہ ٹوٹ گیا پھر آپ نے تلوار نکالی بہت سے یزیدیوں کو جہنم رسید کیا، آپ جوشِ جہاد میں انتہائی جانبازی کے ساتھ تلوار چلا رہے تھے کہ اچانک کسی غبیث نے گھوڑے کی پیشانی پر تیر مارا، گھوڑا انڈھال ہو کر زمین پر گر پڑا، آپ پیادہ پا ہو گئے۔ عمرو بن سعد نے کہا کہ اس کا محاصرہ کرلو چنانچہ یزیدیوں نے محاصرہ کرلیا۔ چاروں طرف سے تیروں کی بارش کر دی، حضرت وہب زخمی ہو کر گر پڑے، ایک یزیدی خبیث نے تلوار مار کر سر کاٹ کر امام حسین علیہ السلام کی طرف پھینک دیا۔ ماں نے دوڑ کر اپنے بیٹے کا سر اٹھا کر گود میں رکھ کر چومنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی کہا کہ میرے بیٹے تو نے میرے خون کا حق ادا کر دیا ہے۔ آج تیری ماں تجھ سے خوش ہے۔ پھر حضرت وہب کا سر دلہن کی گود میں رکھ دیا اور دلہن نے والہانہ جوش محبت کے ساتھ اپنے سرتاج کا سر اپنے سینے سے چمٹا لیا اور اپنے خاوند کے غم کی وجہ سے اس کا کلیجہ پھٹ گیا اور ایک آہ نکالی جس کے ساتھ اس کا طائر روح پرواز کر کے اپنے خاوند کے ہم آغوش ہو گیا۔

وہب بن عبداللہ کی شہادت ہونے کے بعد شمر بن ذی الجوشن نے اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر امام حسین علیہ السلام کے خیموں پر حملہ کر دیا اور اپنے آدمیوں کو کہا کہ آگ لاؤ اور ان خیموں کو جلا ڈالو۔ بیبیاں (پاک) باہر نکل آئیں۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا، اے ذی الجوشن کے بیٹے تو میرے اور میرے اہل بیت کے گھر کو جلاتا ہے اللہ تعالیٰ تجھے جلائے، پھر حمید بن مسلم نے شمر کو کہا کہ تمہیں ایسی حرکت کرنا نامناسب ہے۔ تو عورتوں اور بچوں کو جلانا چاہتا ہے، شمر کو کچھ حیا آئی اور اس نے ہٹنے کا قصد کیا تو اس وقت زہیر بن قین نے اپنے دس ساتھیوں کو لے کر شمر پر حملہ کر دیا اور ان کو خیموں سے دور کیا اور شمر کے ساتھیوں سے ایک آدمی مارا گیا۔ شمر نے اپنے لوگوں سے کہا کہ واپس پلٹو۔

یہ لوگ جب پھر قریب آ گئے تو ابو ثمامہ نے امام حسین علیہ السلام سے عرض کی کہ نماز کا وقت ہے میں چاہتا ہوں کہ نماز کے بعد حق تعالیٰ سے ملاقات کروں۔ امام حسین علیہ السلام نے سر اٹھایا کر فرمایا خدا تمہیں نماز گزاروں اور اہل ذکر میں شامل کرے۔ ابو ثمامہ نے شمر اور یزیدیوں سے پوچھا کیا تم ہم کو اتنی مہلت دو گے کہ ہم نماز پڑھ لیں۔ حصین بن تمیم یزیدی نے کہا کہ تمہاری نماز کب قبول ہو گی۔ حبیب ابن مظاہر نے جواب دیا، تیرے خیال میں آل رسول اور ان کے غلاموں کی نماز نہ قبول ہو گی اور اندھے کے بیٹے تیری نماز قبول ہو گی۔ ابن تمیم نے یہ سن کر حبیب ابن مظاہر پر حملہ کر دیا۔ حبیب نے بڑھ کر اس کے گھوڑے کے منہ پر تلوار ماری، گھوڑا ''الف'' ہوا۔ یہ گھوڑے سے گر پڑا۔ اس کے دوست دوڑے، انہوں نے اس کو اٹھا لیا۔ حبیب رجز پڑھ کر تلوار چلا رہے تھے کہ ایک یزیدی نے بڑھ کر حبیب پر برچھی کا وار کیا۔ یہ گر پڑے۔ ایک تمیمی آدمی نے ان کا سر کاٹ دیا اور یہ سر حصین بن تمیم نے لے کر اپنے گھوڑے کے گلے میں ڈال لیا۔ گھوڑے کو سارے لشکر میں پھرایا پھر اس سر کو تمیمی کو دے دیا گیا۔ جب واقعہ کربلا ختم ہوا تو یہ یزیدی لوگ واپس کوفہ آئے تو اس تمیمی مرد نے حبیب ابن مظاہر کا سر اپنے گھوڑی کے گلے میں لٹکایا ہوا تھا اور یہ تمیمی اس گھوڑے پر سوار ہو کر ابن زیاد کی طرف جا رہا تھا۔ حضرت حبیب ابن مظاہر کے لڑکے قاسم بن حبیب نے اپنے باپ کا سر اس تمیمی سوار کے پاس دیکھا۔ اس وقت قاسم کی عمر قریب البلوغ تھی، قاسم ہر وقت اس سوار کے پیچھے رہتا اور اس کا ساتھ نہ چھوڑتا۔ وہ ابن زیاد کے محل میں جاتا تو یہ بھی محل میں چلا جاتا۔ سوار کو بدگمانی ہوئی اس نے کہا اے لڑکے تو میرے پیچھے پیچھے کیوں رہتا ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے۔ لڑکے نے کہا کہ کوئی وجہ نہیں ہے تمیمی نے کہا کوئی وجہ تو ضرور ہے۔ لڑکے نے کہا یہ سر جو تیرے پاس ہے میرے باپ کا ہے، مجھے دے دے، میں دفن کر دوں۔ کہنے لگا کہ اس کے دفن پر ابن زیاد راضی نہیں ہے۔ مجھے اس کا

صلہ ملنا ہے۔ لڑکے نے کہا خدا تو تجھ سے بہت بڑا عوض لے گا۔ واللہ تو نے ایک بہتر شخص کو قتل کیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ لڑکا رونے لگا، غرض لڑکا اسی فکر میں رہا وہ بالغ ہو گیا اور باپ کے قاتل کی تاک میں لگا رہا۔ آخر مصعب بن زبیر کے عہدِ حکومت میں ایک دن اس لڑکے نے اس تمیمی مرد یعنی اپنے باپ کے قاتل کو دیکھ لیا۔ یہ تمیمی دوپہر کو قیلولہ کے وقت سو رہا تھا، اس لڑکے نے جا کر تلواریں ماریں، وہ ٹھنڈا ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حبیب ابن مظاہر جب شہید ہو گئے تو امام حسین علیہ السلام کا دل مبارک کچھ ٹوٹ گیا۔ اب حضرت حر نے امام حسین علیہ السلام سے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت مانگی۔ امام نے اجازت فرمائی، حر میدانِ جنگ میں پہنچے تو عمرو بن سعد نے ان کے مقابلے میں ایک شیطانی صفت صفوان کو بھیجا کہ جا کر پہلے حر کو سمجھاؤ کہ وہ ہمارے لشکر میں واپس آ جائے، اگر نہ آئے تو اس کو قتل کر دو، جب صفوان حر کے سامنے آیا تو کہا اے حر! ہم پہلے تیری دانائی پر ناز کرتے تھے، اب تیری نادانی پر ماتم کرتے ہیں، تو نے اس لشکر جرار سے نکل کر اور یزید کے گراں قدر انعام و اکرام کو ٹھکرا کر ان چند بے کس مسافروں کا ساتھ دیا ہے جن کے توشہ دان میں روٹی کا ایک ٹکڑا نہیں ہے اور جن کی مشکوں میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ افسوس تیری عقل کہاں ماری گئی، حر نے جواب دیا کہ مردود! میں نادانی نہیں کر رہا ہوں بلکہ تم لوگ اپنی حماقت اور نادانی کا ماتم کرو کہ تم لوگوں نے طاہر کو چھوڑ کر نجس کو قبول کیا اور دنیائے فانی کے چند درہم و دینار کے بدلے عالم باقی کی لازوال نعمتوں کو بیچ ڈالا۔ اے ظالمو! تم میں سے کون نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنا پھول فرمایا ہے مگر تم لوگ گلشن رسالت کے اس پھول کو مسل کر پامال کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہو، یاد رکھو جب تک میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے میں گلشن نبوت کے اس پھول پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔ میں یزید کے انعام و اکرام کے خزانوں پر ٹھوکر مارتا ہوں مجھے تو

نعلین مصطفیٰ کو اپنے سر کا تاج بنانے کی تمنا ہے۔ تم دریائے فرات کے پانی پر ناز کرتے ہو مگر میں ساقی کوثر کے مقدس ہاتھوں سے کوثر و سلسبیل کا جام پینے کا امیدوار ہوں۔ اس دوران میں صفوان نے دھوکے سے حر کے سینے میں ایک تیر مار دیا۔ جناب حر نے صفوان پر نیزے سے حملہ کیا۔ نیزہ سینہ کو چھیدتا ہوا پشت کے پار ہو گیا۔ صفوان گھوڑے سے گرا، اس کی گردن ٹوٹ گئی، فوراً ہی مر گیا، صفوان کے تین بھائی جو نامور جنگجو تھے، اپنے بھائی کو یوں قتل ہوتے دیکھ کر میدانِ جنگ میں اترے، حضرت حر نے دو بھائیوں کو قتل کر دیا، تیسرا بھاگ نکلا لیکن حضرت حر نے اس کا تعاقب کر کے اس کو بھی قتل کر دیا۔

حضرت حر کی شہادت

پھر حر حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا، اب آپ مجھ پر راضی ہیں۔ آپ نے فرمایا، **نعم انت حر**، ہاں میں تجھ سے خوش ہوں اور تو دوزخ کی آگ سے آزاد ہے۔ اس کے بعد پھر حر میدان میں اترے، کئی یزیدیوں کو قتل کیا، عمرو بن سعد نے اپنے فوجیوں کو کہا کہ تم اس کا محاصرہ کیوں نہیں کرتے۔ یزیدیوں نے محاصرہ کر کے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ آپ کا گھوڑا زخمی ہو کر گر پڑا۔ حر پیدل ہو کر ایک جم غفیر سے لڑنے لگے۔ یزیدی آپ پر تلواروں، نیزوں اور تیروں سے حملہ کر رہے تھے۔ آپ کو ایک نیزہ لگا آپ اس کے کاری زخم کی تاب نہ لا سکے اور ایک جانثار، وفادار کی طرح دادِ شجاعت دے کر جگر گوشہ رسول و فرزند بتول کی حمایت میں اپنی جان قربان کر کے شہادت سے سرفراز ہو گئے (**انا للہ و انا الیہ راجعون**) حر کی شہادت کے بعد ان کے بھائی مصعب اور ان کے لڑکے علی بن حر اور حر کے غلام نمرہ،

یہ تینوں بھی انتہائی جانبازی کے ساتھ یزیدی لشکر سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت سے سیراب ہو گئے غرضیکہ اسی طرح اہل بیت کے تمام جاں نثار اور رفقاء نوبت بہ نوبت میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دے کر اپنی جانیں قربان کر چکے اور پچاس سے زیادہ جانثاران اہل بیت شہید ہو گئے۔ اب صرف خاندانِ اہلِ بیت رسول باقی رہ گئے اور یزیدی خوں خوار کتے اب انہیں کے خون کے پیاسے بن گئے۔

شہزادہ حضرت علی اکبر کی شہادت

حضرت حر کے بعد جب اہلِ بیت سے عبداللہ بن مسلم بن عقیل، جعفر بن عقیل، عبدالرحمان بن عقیل، محمد بن عبداللہ بن جعفر، حضرت عون بن عبداللہ بن جعفر، حضرت عبداللہ بن امام حسن شہید ہو گئے تو حضرت علی اکبر جو امام حسین کے نورِ نظر تھے، حاضر ہوئے، عرض کی حضرت مجھے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت دی جائے تو امام حسین نے بڑے مجبور ہو کر اجازت دی۔ ان کا لقب شبیہ رسول تھا یعنی ان کی شکل و صورت اور چہرے کا نقشہ ہو بہو جمال رسول اللہ ﷺ کا آئینہ تھا جو حضور ﷺ کا دیدار کرنا چاہتا وہ ان کو دیکھتا۔ اہلِ بیت رسول میں سے تمام سے پہلے یہ میدانِ جنگ میں تشریف لائے اور انہوں نے رجز پڑھا:

انا علی بن حسین بن علی
نحن اهل البیت اولی بالنبی

اے کوفیو! تم جان لو کہ میرا نام علی (اکبر) ہے اور میں امام حسین کا بیٹا ہوں اور امام حسین حضرت فاتح خیبر کے بیٹے ہیں اور یاد رکھو کہ ہم اہل بیت ہیں اور یہ بھی سن لو کہ خدا کے اس آسمان کے نیچے اور خدا کی اس زمین کے اوپر خدا کے نبی کا ہم سے

زیادہ قریبی رشتہ دار کوئی نہیں ہے۔ جب آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے تو کوفیوں نے عمرو بن سعد سے پوچھا یہ کون ہے جس کے حسن و جمال کی تجلیاں نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہیں۔ ابن سعد نے کہا یہ ہی امام حسین کے فرزند ہیں جو شکل و صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ ہیں۔ حضرت علی اکبر نے یزیدیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے ظالمو! اگر تمہیں آلِ رسول کے خون کی پاس ہے تو تم میں سے جو سب سے زیادہ بہادر ہے اس کو میدان میں بھیجو لیکن کوئی فوجی بھی آگے آنے کی جرأت نہیں کرتا۔ آخر شہزادہ حضرت علی اکبر نے خود ہی دشمن کے قلب پر حملہ کر دیا۔ ایک ایک وار میں کئی کئی خونخواروں کو کھیرے اور ککڑی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ ہر طرف ایک شور برپا ہو گیا، بڑے بڑے جنگجوؤں اور بہادروں کے حوصلے پست ہو گئے لیکن تیز دھوپ، تپتا ہوا ریگستان، جھلسا دینے والی گرم ہوا نے آپ کی پیاس میں شدت سے اضافہ کر دیا۔ آپ واپس اپنے خیمے کی طرف آئے، ابا جان کی خدمت میں عرض کیا: "یا ابتاہ العطش" یعنی ابا جان پیاس کا غلبہ ہے مگر یہاں تو پانی کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔ امام حسین نے اپنی انگشتری دی، فرمایا بیٹا اس کو منہ میں رکھ لو۔ انگشتری منہ میں رکھنے سے کچھ تسلی ہوئی۔ پھر آپ میدان جنگ میں تشریف لائے اور فرمایا ھل من مبارز کوئی ہے مقابلہ کرنے والا۔ ابن سعد نے ایک نامی گرامی پہلوان طارق سے کہا اے طارق بڑے شرم کی بات ہے کہ ایک اکیلا ہاشمی نوجوان میدان میں تم ہزاروں کو للکار رہا ہے مگر تم میں سے کوئی ایسا غیرت مند نہیں ہے جو اس کا مقابلہ کرے۔ اے طارق اگر تو آگے بڑھ کر اس ہاشمی کا سر کاٹ لائے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے عبید اللہ بن زیاد سے موصل کی گورنری کا پروانہ لا دوں گا۔ دنیا کا کتا طارق گورنری کے لالچ میں فرزندِ رسول کا خون بہانے کے لیے دوڑ پڑا۔ نیزہ تان کر حضرت علی اکبر پر حملہ کر دیا مگر علی اکبر نے وار کو روک دیا۔ خود آگے بڑھ کر طارق کے سینے میں ایسا نیزہ مارا کہ اس کی پیٹھ سے پار ہو گیا۔ گھوڑے سے گرتے ہی

مر گیا۔ طارق کے بیٹے عمرو بن طارق نے اپنے باپ کو قتل ہوتے دیکھا تو وہ غصہ میں آگ بگولہ ہو کر آگے بڑھا اور علی اکبر پر حملہ کیا۔ آپ نے ایک ہی نیزہ مار کر اس کو بھی باپ کے پاس پہنچا دیا۔ طارق کا دوسرا بیٹا طلحہ بن طارق باپ اور بھائی کا انتقام لینے کے لیے آگے بڑھا۔ آپ نے اس کو بھی ختم کر دیا اور حضرت علی اکبر کی ہیبتِ حیدری سے یزیدی لشکر پر خوف چھا گیا۔ ابن سعد نے غصہ میں آ کر مصراع بن غالب کو حملہ کا حکم دیا چنانچہ وہ نہایت متکبرانہ انداز میں نیزہ ہلاتے ہوئے آگے بڑھا، جب وہ قریب آیا تو آپ نے تلوار مار کر اس کے نیزہ کو توڑ دیا، پھر اس کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ اس کا سر دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ پھر ابن سعد نے ایک ہزار آدمی کو حکم دیا کہ وہ حضرت علی اکبر کا محاصرہ کریں اور تیروں کی بارش کر دیں، چنانچہ یزیدی کتوں نے چاروں طرف گھیرا ڈال کر تیروں کی بارش کر دی یہاں تک کہ آپ زخموں سے چکنا چور ہو گئے اور ابن نمیر ملعون نے آپ کے سینہ انور پر نیزہ مارا کہ آپ گھوڑے کی زین سے زمین پر تشریف لائے اور پکارا "یا ابتاہ ادرکنی" ابا جان اپنے بیٹے کو سنبھالیے۔ امام دوڑ کر میدان میں پہنچے اور اپنے بیٹے کو اٹھا کر خیمہ میں لائے اور چہرۂ انور سے خون آلود غبار اپنے دامن اطہر سے صاف کرنے لگے۔ اتنے میں آپ نے آنکھیں بند کر لیں اور بہشتِ بریں کو روانہ ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

شہزادہ حضرت قاسم کی شہادت

اس کے بعد شہزادہ حضرت قاسم حضرت امام حسین علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے امام حسن علیہ السلام کے فرزند ارجمند امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی حضرت مجھے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت دی جائے تو امام حسین علیہ السلام نے فرمایا بیٹا قاسم!

تم میرے بھائی کی نشانی اور یادگار ہو بھائی مجھے داغِ مفارقت دے گئے، اب ان کی یاد آنے پر تمہیں دیکھ کر میں تسلی حاصل کر لیتا ہوں میں تم کو کیسے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت دے سکتا ہوں لیکن حضرت قاسم کے اصرار پر آخر کار امام حسین علیہ السلام نے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت دے دی۔ جب آپ میدان جنگ میں پہنچے تو حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حمید بن مسلم نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت قاسم کو دیکھا تو گویا کہ وہ چاند کا ٹکڑا ہیں، ہاتھ میں تلوار ہے مجھے خوب یاد ہے کہ ان کی نعلین میں سے بائیں پاؤں کے جوتے کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۸۶ ج ۸)

امام قاسم نے رجز کے چند اشعار پڑھنے کے بعد عمرو بن سعد کو کہا کہ کسی لڑنے والے کو بھیج دو۔ عمرو بن سعد نے یہ سن کر ارزق کو بلا کر کہا تم قاسم کے مقابلے میں جاؤ۔ ارزق جنگجو اور پرانا تجربہ کار تھا۔ کہنے لگا کہ ایک لڑکے کے مقابلے میں میرا جانا میری توہین ہے، عمرو بن سعد نے کہا یہ ہاشمی جوان ہے، امام حسین کا بھتیجا ہے اس کا مقابلہ کوئی معمولی آدمی نہ کر سکے گا۔ ارزق نے کہا میں اپنے بیٹوں میں سے کسی کو بھیجتا ہوں۔ ارزق کے چار لڑکے تھے، ایک بیٹے کو کہا کہ جاؤ اس لڑکے کو جا کر گرفتار کر لاؤ، اس نے آتے ہی حضرت قاسم پر کمند پھینکی، حضرت قاسم نے تلوار سے کمند کو کاٹ دیا، اس نے تلوار سے وار کیا، حضرت قاسم نے تلوار کو ڈھال پر روکا اور ساتھ ارزق کے بیٹے پر تلوار سے حملہ کیا۔ حضرت قاسم کی تلوار نے اس کی گردن کاٹ دی۔ اب ارزق کا دوسرا بیٹا آیا، اس نے حضرت قاسم پر نیزہ سے حملہ کیا۔ حضرت قاسم نے اس کے حملے کو روک دیا اور آپ نے اس کے گھوڑے کو نیزہ مارا۔ گھوڑا الف ہوا۔ یہ گھوڑے سے گرا، حضرت قاسم نے اس کو نیزہ مارا، نیزہ ناف میں سے گزرتا ہوا کمر تک چھید گیا اور وہ بھی مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔ پھر اس کا تیسرا بیٹا مقابلہ میں آیا، اس کی تلوار ٹوٹ گئی، بھاگ پڑا۔ حضرت قاسم نے اس کا تعاقب کیا اور اس کو تلوار ماری۔ ضرب کاری لگی زمین پر

گرتے ہوئے مر گیا۔ اب ارزق کا چوتھا بیٹا مقابلے میں آیا یہ بھی مارا گیا اس کے بعد ارزق پاگل ہو گیا اور غصہ میں آ کر حضرت قاسم کے گھوڑے کو نیزہ مار کر مجروح کر دیا۔ حضرت قاسم نے ارزق کو کہا کہ ارزق تو بڑا پہلوان ہے اور تجربہ کار جنگجو ہے آج تیری عقل کو کیا ہو گیا ہے؟ تیرے گھوڑے کی خوگیر ڈھیلی ہے تو اسے کس لے۔ ارزق گھبرا کر خوگیر درست کرنے کے لیے جھکا، حضرت قاسم نے موقعہ پا کر ایسی تلوار ماری کہ ارزق کا سر اڑ گیا۔ اس کے مارے جانے پر کوفیوں کو بڑا ہی قلق رنج ہوا تمام کوفی کہنے لگے ارزق حضرت قاسم کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت قاسم امام حسین علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا العطش العطش۔ پیاس پیاس۔ امام حسین نے فرمایا بیٹا صبر کرو، حضرت قاسم نے پھر لوٹ کر میدان میں پہنچ کر مبارزت طلب کی، کوئی مقابلہ میں نہ آیا، قاسم نے قلب لشکر پر حملہ کر دیا، کئی کوفیوں کو قتل کیا، کوفیوں نے یک دم چاروں طرف سے محاصرہ کر کے تلواروں کی بارش کر دی مگر پھر بھی حضرت قاسم نے کئی یزیدیوں کو جہنم رسید کیا۔ آخر کار عمرو بن سعد بن نفیل ازدی نے پیچھے سے ہو کر تلوار ماری، آپ گھوڑے سے نیچے گرے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے عمرو بن سعد بن نفیل ازدی پر اس طرح حملہ کیا جیسے غضبناک شیر حملہ کرتا ہے۔ اس کو تلوار ماری اس نے تلوار کو ہاتھ پر روکا، ہاتھ اس کا کٹ گیا اور یہ چیخ مار کر زمین پر گر پڑا، اس کا فوجی رسالہ اس کی امداد کے لیے آیا لیکن گھوڑے ایسے سرپٹ دوڑے کہ عمرو کے پاس پہنچ کر بھی نہ رکے اسے روندتے پامال کرتے ہوئے نکل گئے اور یہ مر گیا۔ امام حسین علیہ السلام حضرت قاسم کے لاشے کے پاس واپس آئے اور قاسم کو دیکھ کر فرمایا، خدا سمجھے ان لوگوں سے جنہوں نے تجھے قتل کیا جن سے قیامت کے دن تیرے جد بزرگوار تیرے خون کا دعویٰ کریں گے۔ پھر آپ علیہ السلام نے حضرت قاسم کو اپنی گود میں اٹھایا، راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ حسین علیہ السلام ان کو سینہ سے لگائے ہوئے تھے۔ دونوں پاؤں قاسم کے زمین پر گھسٹتے

ہوئے جا رہے تھے۔ میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ انہوں نے گود میں کیوں اٹھالیا۔ دیکھا کہ ان کی لاش کو اپنے فرزند علی اکبر کے پہلو میں اور جو لوگ ان کے خاندان کے قتل ہوئے تھے ان کی لاشوں میں لٹا دیا۔ راوی کہتا ہے میں نے پوچھا کہ یہ نوجوان کون تھے. جواب ملا کہ قاسم بن امام حسن علیہ السلام تھے۔

حضرت عباس علمبردار کی شہادت

حضرت قاسم کے بھائیوں عمر بن امام حسن، ابو بکر بن امام حسن کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کے سوتیلے بھائیوں نے اذن جنگ طلب کیا۔ آپ کے سوتیلے بھائیوں میں سب سے پہلے حضرت عثمان میدان میں پہنچے وہ نہایت دلیری سے لڑے۔ بے شمار کوفیوں کو تہہ تیغ کیا، آخر خود بھی شہید ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت جعفر، حضرت عبداللہ، حضرت عبیداللہ، حضرت ابو بکر، حضرت محمد الاصغر، حضرت یحییٰ یہ تمام آپ کے سوتیلے بھائی نہایت دلیری سے لڑے،، بہت سے کوفیوں کو قتل کیا اور آخر ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے اور امام حسین علیہ السلام تمام کی لاشیں اٹھا لائے۔ اب صرف چار فرد باقی رہ گئے، ایک خود حضرت امام حسین علیہ السلام، دوسرے ان کے سوتیلے بھائی حضرت عباس علمدار، تیسرے امام زین العابدین جو بیمار تھے، چوتھے شہزادہ علی اصغر جو شیر خوار بچے تھے۔ حضرت عباس علمدار نے کئی مرتبہ اجازت مانگی لیکن امام حسین علیہ السلام اجازت نہ دیتے تھے۔ ابھی حضرت عباس امام حسین علیہ السلام کے پاس دوبارہ اجازت مانگنے کے لیے کھڑے تھے کہ معصوم حضرت سکینہ تشریف لائیں، آپ کا چہرہ کملایا ہوا تھا، پانی نہ ملنے کی وجہ سے بولا نہ جاتا تھا، پوچھا بیٹی سکینہ کیا حال ہے؟ حضرت سکینہ نے بڑی مشکل سے کہا چچا جان پانی۔ حضرت عباس نے سکینہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا میں

اپنی بیٹی کے لیے پانی لانے کی کوشش کروں گا۔ بیٹی جاؤ مشک اٹھا لاؤ، حضرت سکینہ آہستہ آہستہ گئیں اور مشک اٹھا لائیں۔ حضرت عباس نے ہتھیار لگائے، مشک ہاتھ میں لی گھوڑے پر سوار ہوئے، امام حسین علیہ السلام سے اجازت لی کہ میں دریائے فرات پر بیٹی سکینہ کے لیے پانی لینے جا رہا ہوں، دریائے فرات کی حفاظت پر چار ہزار کوفی متعین تھے۔ نہر کے قریب جا کر حضرت عباس علمدار نے باآواز بلند کہا اے کوفیو! سنو میں عباس بن علی المرتضیٰ ہوں، حضرت عباس یہ فرما کر دریائے فرات کی طرف بڑھے۔ آپ کی یزیدی کتوں سے جنگ شروع ہوگئی۔ معتبر روایت کے مطابق آپ نے اسی کوفیوں کو قتل کیا اور آپ نے اپنے گھوڑے کو دریائے فرات میں داخل کر دیا اور مشک کو بھر لیا۔ پانی نہایت ٹھنڈا خوشگوار تھا۔ حضرت عباس کو خود بھی سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ ارادہ کیا کہ خود پی لیں چلو میں پانی لیا اس وقت حضرت سکینہ کا مرجھایا ہوا چہرہ نظروں کے سامنے پھر گیا، آپ نے دل میں کہا افسوس ہے کہ تو عباس بیٹی سکینہ سے پہلے پانی پی لے۔ آپ نے پھینک دیا اور گھوڑی کو باہر نکال لیا اور خیمہ کی طرف واپس چلے۔ جب کوفیوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پانی لے کر جاتے دیکھا تو انہیں بڑا فکر ہوا، وہ پھر یلغار کر کے آپ پر ٹوٹ پڑے، آپ نے مشک کاندھے پر ڈالی اور تلوار نکال کر کوفیوں سے مقابلہ شروع کر دیا۔ حضرت عباس ایک طرف تو مشک کی حفاظت کر رہے تھے اور دوسری طرف دشمنوں سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثناء میں نوفل بن ارزق نے پیچھے کی طرف سے آ کر اس زور سے حضرت عباس کے ہاتھ پر تلوار ماری کہ جس بازو پر مشکیزہ تھا، کٹ گیا۔ قریب تھا کہ مشک آپ کے کندھے سے گر پڑے کہ آپ نے جلدی سے مشک اتار کر دوسرے کاندھے پر ڈال لی۔ پھر آپ نے لڑنا شروع کر دیا۔ پھر ایک یزیدی کتے نے آپ کے دوسرے ہاتھ پر تلوار ماری اور آپ کا وہ ہاتھ بھی کٹ گیا۔ آپ کو زیادہ فکر حضرت سکینہ کی تھی، آپ نے اپنے بازو کٹ جانے کا فکر نہیں کیا۔

آپ نے مشکیزہ دانتوں میں دبایا اور گھوڑے کو چلنے کا اشارہ دیا۔ وفادار گھوڑا اچل پڑا لیکن کوفیوں نے آپ کے ارد گرد گھیرا ڈال لیا اور تیروں کی بارش شروع کر دی۔ ایک تیر آ کر مشکیزہ پر لگا جس سے مشک کا پانی بہہ گیا، ساتھ ہی کئی تیر آ کر آپ کے جسم اطہر میں پیوست ہو گئے اور آپ نے فرمایا ''اخاہ ادرکنی'' یعنی بھائی آؤ۔ امام حسین علیہ السلام آپ کی آواز سنتے ہی بے چین ہو کر دوڑ پڑے، جب امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس کی حالت دیکھی تو آپ کو بے حد صدمہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ حقیقت میں اب میری کمر ٹوٹ گئی۔ اس وقت حضرت عباس علمدار میں کچھ تھوڑا سا دم تھا، انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا امام حسین علیہ السلام پر نظر پڑی اور داعی اجل کو لبیک کہا: انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت علی اصغر کی شہادت

حضرت علی اصغر کا نام عبداللہ تھا، چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی طبیعت جب پریشان ہوگئی تو آپ اپنے خیمہ کے دروازے پر بیٹھ گئے۔ آپ کے پاس ایک چھوٹا بچہ لایا گیا جس کا نام عبداللہ تھا۔ آپ نے اس کو گود میں بٹھایا اور اس سے پیار کیا پھر ایک یزیدی خبیث کتے نے تیر مارا جو ان کے حلقوم مبارک میں لگا جس کی تفصیل یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام وہاں کھڑے تھے جہاں شہداء کے لاشے مبارک تھے۔ حضرت علی اکبر، حضرت قاسم، حضرت عباس کی شہادت نے آپ کی کمر جھکا دی تھی۔ اب آپ تنہا رہ گئے تھے آپ کے صرف دو بچے ایک زین العابدین اور دوسرے (عبداللہ) علی اصغر باقی رہ گئے تھے۔ ان میں سے زین العابدین بیمار تھے اور علی اصغر چھ مہینے کے شیر خوار بچے تھے۔ امام حسین علیہ السلام کی بہن سیدہ زینب نے آپ کو بلایا جب امام حسین علیہ السلام خیمہ میں داخل ہوئے تو دیکھا سیدہ زینب نے علی اصغر کو گود میں لیا

ہوا ہے۔ سیدہ زینب علیہا السلام نے کہا بھائی حسین اب ہم سے علی اصغر کی پیاس دیکھی نہیں جاتی، بھوکی پیاسی ماں (شہر بانو) کے سینے میں دودھ خشک ہو چکا ہے اور یہ شیر خوار بچہ پیاس سے تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہا ہے۔ بھائی جان میری رائے یہ ہے کہ آپ اس ننھی سی جان کو میدان میں لے جا کر ظالموں کو دکھائیے، شاید ان سنگدلوں کو اس بچے کی پیاس پر رحم آجائے اور وہ اس بچے کو چند گھونٹ پانی پلا دیں۔ بہن کے اصرار سے مجبور ہو کر امام عالی مقام اپنے نور نظر علی اصغر کو اپنی گود میں اٹھا کر سیاہ دل دشمنوں کے سامنے تشریف لے گئے اور فرمایا میں اپنے تمام ساتھیوں اور تمام شہزادگان اہل بیت کو تمہاری بے رحمی اور جور و جفا کی نذر کر چکا ہوں۔ اب میرا یہ چھوٹا بچہ پیاس کی شدت سے دم توڑ رہا ہے۔ بالخصوص حضرت امام حسین علیہ السلام نے عمرو بن سعد کو کہا، اے ظالم! تو خوب جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور تو باطل کی پیروی کر رہا ہے، تو نے میرے جگر گوشوں کو میرے سامنے شہید کرا دیا۔ میں نے اف تک نہیں کی۔ بیعت سے تو مجھے انکار ہے میرے بچے نے تیرا کیا قصور کیا ہے، یہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے تڑپ رہا ہے، ابھی امام حسین عمرو بن سعد سے گفتگو کر رہے تھے کہ ایک بد بخت یزیدی خبیث کتے حرملہ بن کاہل نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ معصوم حضرت علی اصغر کے حلق میں اتر کر امام حسین علیہ السلام کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے تیر کھینچ کر نکالا تو خون کا فوارہ علی اصغر کے گلے سے ابلنے لگا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے علی اصغر کے زخم کے سامنے اپنا چلو رکھا اور چلو خون سے بھر گیا اور خون کو آسمان کی طرف اچھالا اور امام حسین علیہ السلام نے فرمایا اے خدا اگر تو نے آسمان سے ہمارے لیے نصرت نہیں نازل کی تو جو اس سے بہتر ہے وہ ہمیں عطا کر اور ان ظالموں سے ہمارا بدلہ تو ہی لے۔

(البدایہ والنہایہ ص ۱۸۶ ج ۹)

تیر کھینچنے کے ساتھ ہی حضرت علی اصغر نے دم توڑ دیا اور شہید ہو گئے۔ انا للہ

و انا الیہ راجعون۔

امام حسین علیہ السلام اپنے لختِ جگر کی لاش کو اپنے کلیجے سے چمٹا کر اور چادر میں چھپائے ہوئے آہستہ آہستہ خیمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ خیمہ کے دروازے پر حضرت امام حسین کی بہن سیدہ زینب علیہا السلام، دوسری پردہ نشینان اہل بیت کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کے آنے کا انتظار کر رہی تھیں۔ امام کو دور سے آتا دیکھ کر حضرت زینب، حضرت سکینہ سے کہنے لگیں کہ بیٹی سکینہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید علی اصغر کو پانی مل گیا اور سیراب ہو کر باپ کی گود میں سو گیا ہے کیونکہ جب علی اصغر گیا تھا تو پیاس سے تڑپتا ہوا گیا تھا لیکن اب ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتا اور بڑے سکون سے باپ کی گود میں سوتا چلا آ رہا ہے لیکن امام حسین علیہ السلام نے جب خیمہ میں پہنچ کر خون میں نہائے ننھے شہید کی لاش کو چادر میں سے نکالا تو یہ منظر دیکھ کر مستوراتِ حرم کی چیخیں نکل گئیں۔ امام حسین علیہ السلام نے علی اصغر کی لاش کو بہن کی گود میں رکھ دیا اور فرمایا بہن صبر کرو اور شکر ادا کرو کہ خدا نے ہماری یہ سب سے چھوٹی قربانی بھی قبول کر لی ہے۔ اس کے بعد سیدہ زینب نے علی اصغر کی ننھی لاش کو حضرت شہر بانو کی گود میں ڈال دیا۔ حضرت شہر بانو زار و زار رونے لگیں اور کہنے لگیں، بیٹا! تم مجھے اس دشتِ غربت میں اکیلا چھوڑ کر چلے گئے۔ میری گود تم نے خالی کر دی ہے۔ (سوانح کربلا ص ۱۴۱، معرکہ کربلا ص ۴۷۸)

حضرت امام عالی مقام حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت

اب حضرت امام حسین علیہ السلام تنہا رہ گئے تھے یا ایک حضرت زین العابدین تھے جو بیمار تھے۔ اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے ہتھیار لگانا شروع کیے۔ آپ علیہ السلام نہایت ہی دردناک لہجے میں آہستہ آہستہ فرماتے جاتے تھے یا اللہ مجھے ان لوگوں میں

تنہا نہ چھوڑ جنہوں نے منکر ہو کر فتح پائی، وہ اپنے درمیان ہمیں غلام بنانا چاہتے ہیں اور اپنے افعال سے یزید کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ میرا کوئی بھائی زندہ نہیں رہا، سب شہید ہو گئے، اب ایک میں ہی اکیلا رہ گیا ہوں جس میں کچھ خون نہیں ہے۔ امام حسین علیہ السلام کو عازم جنگ دیکھ کر سب خواتین اہل بیت کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ خصوصاً سیدہ زینب اور حضرت شہر بانو کی حالت غمناک تھی۔ امام حسین علیہ السلام نے انہیں روتا دیکھ کر تسلی کے لہجہ میں کہا ایک مسافر کے لیے اس قدر غم نہ کرو۔ میری قسمت میں شہادت اور تمہاری قسمت میں غم لکھا تھا میں نے بھی صبر کیا اور تم بھی صبر کرو۔ حضرت زینب علیہاالسلام نے سکیاں بھرتے ہوئے کہا، بھائی جان! اس دشتِ کربلا میں ہم غریبوں کا کیا حال ہو گا؟ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا، بہن! خدا پر نظر کرو وہی سب کا محافظ و مددگار ہے۔ حضرت زینب نے کہا کہ بھائی جان اجازت دو ہم بھی آپ پر قربان ہو سکیں۔ حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا میں نے اس قدر غم اٹھائے ہیں اور اتنے صدمے سہے ہیں کہ اب زیادہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ امام حسین علیہ السلام اور سیدہ زینب علیہاالسلام باتیں کر رہے تھے کہ امام زین العابدین اپنی بیماری اور ناتوانی کے باوجود مجاہدانہ عزم کے ساتھ ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے آئے اور عرض کیا ابا جان! مجھے سر کٹانے کی اجازت دیجیے، یہ نہیں ہو سکتا کہ میرے ہوتے ہوئے آپ شہید ہو جائیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا بیٹا میں تمہیں ہرگز کبھی بھی میدان جنگ کی اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ تمہارے سوا اہل بیت کی ان مستورات کا کوئی محرم باقی نہیں رہ گیا ہے۔ ان غریب الوطن لوگوں کو کون وطن تک پہنچائے گا اور میرے جد و پدر کی جو امانتیں میرے پاس ہیں وہ کس کو سپرد کی جائیں گی۔ میری نسل کس سے چلے گی، میرے بعد میرا جانشین تمہارے سوا اب کون ہو گا؟ بیٹا زین العابدین یہ ساری امیدیں تمہاری ذات سے وابستہ ہیں لہٰذا تم ہرگز ہرگز میدانِ جنگ کا ارادہ نہ کرو اور یہ بھی دیکھو کہ ضعف و ناتوانی سے تمہارے قدم ڈگمگا رہے ہیں

لہٰذا تم خیمہ میں واپس جا کر لیٹ جاؤ۔ پھر امام علیہ السلام نے حضرت زین العابدین کو بہت سی وصیتیں فرمائیں اور اپنے سینے کے باطنی علوم و اسرار سے انہیں سرفراز فرما کر اپنا جانشین بنایا۔ امام عالی مقام نے امام زین العابدین کو وصیتیں فرمائیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

میرے بیٹے (زین العابدین) مجھے یقین ہے کہ تم مدینہ منورہ پہنچو گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور پر حاضر ہو کر عرض کرنا کہ حسین شہید کربلا نے سلام کہا ہے اور یہ عرض کیا ہے کہ آپ کے نواسے کو کوفیوں نے بھوکا اور پیاسا رکھ کر سخت اذیتیں دیں۔ اس کے رفیقوں، عزیزوں اور فرزندوں کو دشتِ کربلا کے تپتے ہوئے میدان میں اس کی نگاہوں کے سامنے شہید کر ڈالا، حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی قتل کر ڈالا۔ آخر کار آپ کے لاڈلے بیٹے حسین کو بھی شہید کر ڈالا۔

بیٹے زین العابدین پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی سیدۃ النساء میری امی جان کی قبر پر حاضر ہو کر کہنا کہ آپ کے اس فرزند نے جو میدانِ کربلا میں بھوکا اور پیاسا شہید ہو گیا، سلام کے بعد عرض کیا ہے کہ آپ نے اپنے جس بیٹے کو بڑے لاڈ سے پالا تھا، وہ ہزاروں تکالیف اور مصائب اٹھا کر شہید ہو گیا ہے۔ میں نے اپنے نانا جان کی شریعت کی حرمت قائم رکھنے کے لیے سر کٹایا ہے اور اپنا تمام خاندان مٹا ڈالا ہے۔ اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نے اپنی بہن سیدہ زینب سے مخاطب ہو کر کہا کہ پیاری ہمشیرہ تم نے میری بڑی خدمت کی ہے تم نے میرے ساتھ وہ کیا جو شاید ہی کسی بہن نے اپنے بھائی سے کیا ہے، تم نے اپنے جگر گوشوں کو مجھ پر قربان کیا، حضرت زینب علیہا السلام نے رو کر کہا بھائی کاش! میں خود بھی قربان ہو جاتی، فرمایا بہن یہ مناسب نہیں ہے۔

پھر امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ زینب! تم جانتی ہو کہ شہربانو نوشیروان بادشاہ کے خاندان سے شہزادی ہے، اس نے تمہارے پاس رہ کر اپنے تفاخر قومی کو بھلا دیا

ہے۔ میرے بعد اس کی دلجوئی کرنے والا کوئی نہیں ہوگا، میری پیاری بہن اس کا دل میلا نہ ہونے دینا، اس نے اپنا سب کچھ میرے اوپر قربان کر دیا ہے حتیٰ کہ اپنے معصوم بچوں کو بھی راہِ حق میں فدا کر دیا۔ وہ بڑی صابرہ ہیں۔ حضرت زینب علیہا السلام نے کہا کہ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں کبھی بھی شہر بانو کا دل میلا نہ ہونے دوں گی۔ اب امام حسین علیہ السلام حضرت شہر بانو کی طرف مخاطب ہوئے، وہ بھی زار و قطار رو رہی تھیں۔ امام عالی مقام نے فرمایا، میں جانتا ہوں تمہارے دل کو کس قدر اذیت پہنچ رہی ہے۔ یاد رکھو، یہ دنیا مسافر خانہ ہے۔ تمام نے یہاں سے جانا ہے۔ میرے بعد تم سب وہیں آؤ گے جہاں میں جا رہا ہوں اور میرے اور تمہارے عزیز و اقارب جا چکے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ میرے بعد تم پر کیا کیا مصیبتیں نازل ہوں گی، ظالم کوفی تمہیں کس قدر ستائیں گے، تم ہر مصیبت پر صبر کرنا، اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر شہید کربلا وہاں سے چلے اور خیمہ سے باہر نکلے۔ خیمہ سے باہر آپ کا گھوڑا کھڑا تھا جس کا نام ذوالجناح تھا۔ آپ گھوڑے پر سوار ہونے ہی لگے تو سیدہ زینب نے امام حسین علیہ السلام کو بلایا، پوچھا کیا بات ہے؟ حضرت زینب، شہر بانو، ام کلثوم بنت حضرت مسلم اور دوسری بیبیاں اور پردہ نشین عورتیں رو رہی تھیں۔ حضرت زینب نے کہا کہ بیٹی سکینہ کا پیاس سے برا حال ہے بولا نہیں جاتا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ شہر بانو حضرت سکینہ کا سر گود میں لیے بیٹھی تھیں۔ بی بی سکینہ بالکل مرجھا گئی تھیں اور حسرت بھری نگاہوں سے امام عالی مقام کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کا حلق، زبان اور لب اس قدر خشک ہو گئے تھے کہ بڑی مشکل سے بولتی تھیں۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا بیٹی کیا حال ہے؟ سکینہ نے بمشکل کہا، پیاس، امام نے تسلی دہ لہجہ میں کہا بیٹی ہم تمہارے لیے پانی لینے جا رہے ہیں۔ یہ کہہ کر امام حسین علیہ السلام خیمہ سے باہر آئے۔ گھوڑے پر سوار ہوئے اور میدانِ کارزار کی طرف چلے۔ آپ قلب لشکر کے سامنے پہنچے۔ شمر، عمرو بن سعد اور تمام کوفیوں نے انہیں دیکھا۔ شمر علیہ

اللعنتہ نے کہا لو آخری سپاہی حسین بھی آ گئے، اب جنگ کا خاتمہ سمجھو۔ حضرت امام حسین علیہ السلام بڑے بہادر تھے۔ یزیدی کتوں نے جب امام حسین علیہ السلام کو میدان جنگ میں دیکھا تو ڈرنے لگے۔ امام نے فرمایا، اے کوفیو! تم نے تو مجھے خطوط لکھے کہ ہم یزید کی بیعت اس کے بدافعال ہونے کی وجہ سے نہیں کر رہے، آپ تشریف لائیں، اب تم حق کو چھوڑ کر باطل کے طرف دار ہو گئے۔ جس یزید کے تم مخالف بنے ہوئے تھے، اب اسی کے موافق ہو گئے۔ تم نے ہمارا پانی بند کر دیا، اب سنو! میں پانی کی طرف جا رہا ہوں تاکہ اپنے بچوں کو پانی پلا سکوں۔ اگر تم کو جرأت ہے تو روک کر دیکھو۔ یہ کہتے ہی امام حسین علیہ السلام دریائے فرات کی طرف چل پڑے۔ آخر آپ دریائے فرات کے کنارے پہنچ گئے۔ عمرو بن حجاج ملعون نے جب یہ کیفیت دیکھی تو اپنے سپاہی یزیدی کتوں کو کہا امام حسین کا محاصرہ کر کے قتل کر دو۔ یزید تم سے خوش ہو گا اور تمہیں انعام دے گا۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنا ذوالجناح دریائے فرات کے اندر داخل کر دیا۔ کوفیوں نے آپ پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ آپ نے دریائے فرات سے گھوڑے کو باہر نکال لیا اور جو کوفی قریب آ گئے تھے ان پر آپ نے حملہ کر کے ان کو ڈھیر کر دیا۔ ادھر بلند آواز سے شمر لعین نے کہا کہ امام حسین کے خیموں پر حملہ کر دو اور خود شمر لعین بھی اپنے ساتھ دس آدمیوں کو لے کر اہل بیت کے خیموں کی طرف چل پڑا۔ امام حسین علیہ السلام بھی واپس خیموں کی طرف لوٹے۔ شمر اور عمرو بن سعد نے امام حسین کو کہا اب فضول لڑتے ہو، ہتھیار ڈال دو، ہم نے تمہارے خیمے لوٹنے کا حکم دے دیا ہے۔ آپ نے فرمایا حسین ہتھیار نہیں ڈالے گا۔ عزالدین ابن اثیر (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے جب دیکھا کہ شمر اپنے رسالہ کے ساتھ خیموں کے قریب پہنچ گیا ہے تو آپ نے فرمایا افسوس ہے تم پر اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے تو تمہیں آخرت کا بھی کوئی خوف نہیں ہے۔ ابھی میں زندہ ہوں خبردار کوئی خیموں کے قریب آیا۔ (تاریخ کامل ص ۷۶ ج ۴)

شمر کا اپنی فوج کو کہنا کہ حسین کو قتل کر دو

اور ابن جریر لکھتے ہیں کہ شمر کے ساتھ جو رسالہ تھا اس میں ابو الجنوب، عبدالرحمان جعفی، قشعم بن عمرو جعفی، صالح بن وہب، سنان بن انس نخعی، خولی بن یزید اصبحی وغیرہ تھے۔ شمر اپنے رسالہ کے سپاہیوں کو کہہ رہا تھا کہ حسین اکیلے ہیں ان کو قتل کر دو۔ لیکن آگے جانے کی کوئی جرأت نہیں کر رہا تھا۔ شمر نے ابو الجنوب کو جو کہ اسلحہ سے مسلح تھا، کہا کہ تم حسین کو قتل کر دو۔ ابو الجنوب نے کہا کہ تم خود کیوں قتل نہیں کرتے، شمر اس کو ناراض ہونے لگا۔ ابو الجنوب جنگجو تھا، شمر کو کہنے لگا میں برچھی مار کر تیری آنکھ نکال دوں گا۔ شمر یہ سن کر ایک طرف ہو گیا اور کہا اگر مجھے موقع ملا تو تمہیں سمجھ لوں گا۔ اس کے بعد شمر نے تمام کو لے کر امام حسین پر حملہ کیا اور امام حسین علیہ السلام نے ان پر دفاعی حملہ کیا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد شمر نے اور لوگوں کو ساتھ لے کر امام حسین کو گھیر لیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں دیکھ رہا تھا کہ خیمے سے ایک لڑکا نکلا، امام حسین کے پاس آنے لگا، سیدہ زینب اس لڑکے کے پیچھے دوڑیں کہ اسے واپس لے جائیں۔ امام حسین علیہ السلام نے بھی فرمایا بہن زینب! اس کو روکو لیکن وہ لڑکا امام حسین کے پاس پہنچ گیا۔ بحر بن کعب نے تلوار اٹھائی کہ امام حسین پر وار کرے، لڑکے نے کہا او خبیث تو میرے چچا جان کو قتل کرتا ہے۔ بحر بن کعب نے امام حسین علیہ السلام پر تلوار کا وار کیا، بچہ نے اس کی تلوار کو روکنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ تلوار ہاتھ پر پڑی، لڑکے کا ہاتھ کٹ گیا، لڑکا اماں اماں کہہ کر چلایا۔ امام حسین علیہ السلام نے اس کو سینہ سے لگا لیا اور فرمایا اے میرے بھائی کے لخت جگر اس مصیبت پر صبر کرو۔ اب اللہ تعالیٰ تجھے تیرے بزرگوں کے ساتھ ملا دے گا۔ رسول اللہ، علی ابن ابی طالب، حمزہ، جعفر اور حسن بن علی کے پاس پہنچا دے گا۔ حمید بن مسلم کہتا ہے کہ اس دن میں نے حسین کو کہتے ہوئے سنا خداوندا ان لوگوں کو آسمان کی بارش سے

اور زمین کی برکتوں سے محروم کر دے، اگر تو انہیں کچھ مہلت دے تو ان میں تفرقہ ڈال دے اور ان کو فرقہ فرقہ کر کے متفرق کر دے۔ ان کے حکام کو بھی ان سے راضی نہ ہونے دے۔ انہوں نے ہم کو بلایا تھا تاکہ ہماری نصرت کریں مگر ہم پر ہی حملہ کرنے کو دوڑ پڑے اور انہوں نے ہمیں قتل کیا پھر ان لوگوں کو جنہوں نے آپ کا محاصرہ کیا تھا امام حسین علیہ السلام نے پسپا کر دیا۔ (تاریخ طبری ص ۲۹۲ ج ۴، تاریخ کامل ص ۷۷ ج ۴)

جب یہ لوگ پسپا ہو گئے تو امام حسین علیہ السلام خیمہ میں تشریف لائے۔ حضرت سکینہ نے کہا ابا جان پانی نہیں لائے۔ فرمایا بیٹی میں پانی نہ لا سکا، بیٹی صبر کرو جب تک خدا تعالیٰ نہ چاہے ہم کو پانی نہیں مل سکتا تو سکینہ نے کہا ابا جان بس اب تو جب تک خدا نہیں پلائے گا تو میں پانی نہیں پیوں گی۔ امام حسین نے سکینہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار کیا پھر ذوالجناح پر سوار ہو کر میدانِ جنگ کی طرف چل پڑے۔ کئی دن کی بھوک، پیاس سے مضمحل اور بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں کے غم سے نڈھال ہیں اور سامنے یزیدی کتوں کا خون خوار لشکر سمندر کی طرح موجیں مار رہا ہے مگر حسین بن علی علیہما السلام جن کی رگوں میں خون کے قطرے قطرے میں رسول خدا کا خون شامل تھا، ان مصائب و تکالیف کے ہجوم میں بھی صبر و تحمل کا پہاڑ بن کر کھڑے ہیں اور مجاہدانہ لہجے میں رجز پڑھ رہے ہیں، جن کے اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

میرے باپ سورج ہیں اور میری ماں چاند اور میں ستارہ ہوں اور ان دونوں چاند اور سورج کا بیٹا ہوں۔ تمام مخلوق میں کسی کا نانا میرے نانے کی مثل ہے اور تمام جن و انس میں کون ہے جس کی ماں میری ماں جیسی ہو، فاطمہ زہرا میری ماں ہیں اور میرے باپ دُلدُل کے سوار اور ایک کمان سے دو تیر چلانے والے ہیں۔ میرے باپ نے بدر و احد اور حنین کی لڑائیوں میں بڑے بڑے بہادروں کو شکست دی ہے۔

پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا تم لوگ مجھے قتل کر کے پچھتاؤ گے۔ خدا تم سے میرے خون کا بدلہ

لے گا۔ تم خدا کے قہر و غضب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ تم نے دنیا کے لیے اپنا دین تباہ کر دیا لیکن دنیا میں بھی تم پھل پھول نہ سکو گے۔ پھر آپ نے فرمایا تم کہتے ہو کہ یزید کی بیعت کر لو، یہ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں باطل کے سامنے سر جھکاؤں، لہٰذا تم جو چاہتے ہو کر لو اور جس کو میرے مقابلے میں بھیجنا چاہتے ہو بھیج دو، یہ سن کر ابن سعد نے سب سے پہلے ایک شامی جنگجو تمیم لعنتی کو امام حسین علیہ السلام کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ یہ نہایت غرور اور فخر و تکبر سے تلوار کو چمکاتا ہوا آیا لیکن ابھی اس کا ہاتھ بھی نہیں اٹھا تھا، حضرت امام حسین علیہ السلام نے تلوار (ذوالفقار) کا ایسا وار کیا جس سے اس کا سر کٹ کر ایک طرف جا گرا۔ پھر یزید ابطحی جس کی بہادری مصر و شام میں مشہور تھی، حملہ کے لیے بڑھا اس نے امام حسین علیہ السلام پر تلوار کا وار کیا لیکن امام حسین علیہ السلام نے اس کے وار کو روک کر اس پر تلوار ماری جس سے اس کے جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے، پھر ایک تیسرا سرکش شور مچاتے ہوئے آیا اور امام حسین علیہ السلام کو کہا کہ حسین سنبھلنا میں اگر پہاڑ پر تلوار ماروں تو وہ خاک بن جائے، یہ کہہ کر امام حسین علیہ السلام پر وار کیا۔ امام حسین علیہ السلام نے اس کے وار کو خالی دے کر اس پر تلوار ماری جس سے اس کے جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ پھر امام علیہ السلام کے سامنے جو بھی آتا وہی مقتول ہو کر جہنم پہنچ جاتا۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمار کو لوگوں نے کہا کہ کیا تو بھی قتل حسین میں شریک تھا، کہنے لگا ایک مرتبہ میں نے برچھی لے کر حسین پر حملہ کرنا چاہا لیکن پھر میں واپس ہٹ آیا اور میں نے دیکھا امام حسین علیہ السلام کے دائیں بائیں جن لوگوں نے محاصرہ کیا ہوا تھا آپ جب ان پر حملہ کرتے تھے تو وہ پیچھے بھاگ جاتے تھے۔ واللہ کسی ایسے بے کس اور بے بس کو جس کی اولاد اور اہل بیت اور مددگار سب قتل ہو چکے ہوں، اس دل اور جرأت سے لڑتے ہوئے میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ واللہ نہ ان سے پہلے ان کی مثل دیکھنے میں آیا ہے اور نہ ان کے بعد، ان کے دائیں اور بائیں لوگ (یزیدی کتے) اس طرح بھاگ رہے تھے جیسے کہ بکریاں

(شیر کے حملے سے) بھاگتی ہیں۔ حمید بن مسلم کہتا ہے کہ آپ جب ہی کسی کو قتل کرتے تو آپ کہتے کہ میرے قتل کرنے پر کیا تم آمادہ ہو سن رکھو! واللہ میرے بعد کسی ایسے بندے کو بندگانِ خدا سے تم نہ قتل کرو گے جس کے قتل پر میرے قتل سے زیادہ خدا ناراض ہو۔ مجھے یقین ہے اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم کرے گا اور تم (یزیدی کتوں) کو ذلیل کرے گا۔ پھر میرا انتقام تم سے اس طرح لے گا کہ تم حیران ہو جاؤ گے اور تمہارے خون کی ندیاں بہا دے گا۔ اور اس پر بھی بس نہیں کرے گا یہاں تک کہ عذاب الیم (دردناک عذاب) کو تمہارے لیے دو چند کر دے گا۔

(تاریخ طبری ص ۲۹۴ ج ۴، تاریخ کامل ص ۸۷ ج ۴، البدایہ والنہایہ ص ۱۸۸، ج ۸)

غرضیکہ امام حسین علیہ السلام کے سامنے جو دشمن آیا وہ بچ کر نہیں گیا۔ یزیدی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ ابن سعد بد بخت نے اپنی فوج کو کہا کہ تم مل کر حسین کو گھیر لو اور قتل کر دو۔ اس کے کہنے پر یزیدی کتوں نے چار طرف سے امام حسین علیہ السلام کو گھیر لیا اور تیر اندازی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ایک زہر میں بجھایا ہوا تیر حضرت امام حسین علیہ السلام کی مقدس پیشانی پر لگا جس پیشانی کو ہزاروں بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوما تھا، تیر لگتے ہی خون کا فوارہ چہرہ انور پر بہہ نکلا، آپ غش کھا کر ذوالجناح کی زین سے زمین پر اتر پڑے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سنان بن انس بن عمرو نخعی خبیث کتے نے امام حسین علیہ السلام کے سینے میں نیزہ مارا اور آپ جب سجدے میں گر پڑے تو شمر ملعون نے تلوار ماری اور آپ شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے جسم پر ۳۳ زخم نیزوں کے اور ۳۴ زخم تلواروں کے آئے۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ جب آپ شہید ہو گئے سنان نے خولی کو کہا کہ آگے ہو کر سر کاٹ لے لیکن خولی کے ہاتھ کانپنے لگے، پھر سنان نے خود سر مبارک کاٹ کر خولی کو دے دیا اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت مقام کربلا میں دس محرم ۶۱ ہجری کو

جمعہ[1] کے دن ہوئی۔

امام حسین علیہ السلام کی شہادت

ابن جریر لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد یزیدی کتوں نے امام حسین علیہ السلام کا لباس بھی اتار لیا۔ قیس بن اشعث نے چادر اتار لی، اسود نے نعلین اتاری، بنی نہشل کے ایک شخص نے تلوار لے لی اور بحر بن کعب نے آپ کی سراویل اتاری، اس کے بعد بحر بن کعب کے ہاتھ اس طرح ہو گئے کہ گرمیوں میں لکڑی کی طرح سوکھ جاتے تھے اور سردیوں میں اس کے ہاتھوں سے گندی پیپ بہتی رہتی تھی۔ پھر یہ یزیدی کتے اہل حرم کے مال و متاع کو لوٹنے لگے اور ان کی یہ حالت تھی اگر کوئی بی بی پاک کے سر پر سے چادر اتارتا تھا، دوسرا اس سے چھین کر لے جاتا۔

(تاریخ طبری ص ۲۹۴ ج ۴، تاریخ کامل ص ۷۹ ج ۴)

نیز ابن جریر لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ابن سعد نے یہ اعلان کرایا کون کون لوگ اپنے گھوڑوں سے امام حسین علیہ السلام کے جسم پاک کو پامال

---

[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ دس دس سوار آپ کے قتل کے لیے آگے بڑھے مگر شرم کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے لیکن شمر، سنان، خولی، شبل پھر آگے ہوئے جن میں سے شمر آپ کے سینے پر چڑھ گیا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا اے ظالم آج جمعہ کا دن ہے اور سورج ڈھل گیا ہے، یہ وہ وقت ہے کہ میرے نانا جان کی امت کے خطباء منبروں پر میرے نانا جان کے نام کا خطبہ پڑھ رہے ہوں گے لیکن حسین بن علی بے کسی کے عالم میں ہے کہ نماز جمعہ ادا نہیں کر سکا۔ شمر ذرا دیر کے لیے میرے سینے سے اتر جا، تا کہ میں جس حال میں ہوں خدا کا فرض ادا کر لوں، چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے تیمم فرما کر نماز شروع کر دی۔ قرأت بھی پڑھ لی، رکوع بھی کر لیا، سجدہ میں گئے، ابھی سر سجدہ سے نہیں اٹھایا تھا کہ سنان نے نیزہ مارا اور شمر نے تلوار چلا دی اور آپ شہید ہو گئے۔ (مفتی غلام رسول، لندن)

کریں گے۔ یہ سن کر دس آدمی نکلے، ان میں اسحاق بن حیاۃ حضرمی بھی تھا۔ یہ دس سوار آئے انہوں نے امام کے جسم پر گھوڑے دوڑا کر امام کے جسم پاک کو چور چور اور پامال کر دیا۔ (تاریخ طبری ص ۲۹۶ ج ۴، تاریخ کامل ص ۸۰ ج ۴)

شمر ملعون تو خیموں کے اندر داخل ہو گیا، بھوکے کتے کی طرح ہر طرف منہ مارنا شروع کر دیا۔ خواتین اہل بیت سے زیور بھی لے لیے یہاں تک کہ حضرت سکینہ کے کانوں میں چاندی کی بالیاں تھیں وہ بھی اتروا لیں اور تمام پردہ نشین عورتوں اور بیبیوں کے سروں سے چادریں بھی اتار لیں۔ وہ خواتین جنہیں چشم فلک نے بھی کبھی ننگے سر نہ دیکھا تھا، اس وقت ننگے سر ہو گئی تھیں۔ جو کچھ خیموں سے ملا وہ اٹھا لیا اور اس خیمہ میں بھی چلا گیا جہاں حضرت زین العابدین علیہ السلام بیمار پڑے تھے۔ ان سے پوچھا تم کون ہو اور کس کے بیٹے ہو؟ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس کا بیٹا ہوں جنہیں تو نے بے گناہ شہید کر ڈالا ہے۔ شمر نے کہا کیا تم حسین کے بیٹے ہو؟ فرمایا ہاں میں امام حسین علیہ السلام کا بیٹا ہوں۔ یہ سن کر شمر لعین نے تلوار نکال لی اور کہا کہ تم ابھی تک زندہ ہو فرمایا ہاں میں ابھی زندہ ہوں، وہ اس لیے کہ بیمار ہوں ورنہ مجھے بھی تم میدان جنگ میں دیکھتے۔ شمر نے کہا اگر میدان جنگ میں تم نہیں مارے گئے تو اب مارے جاؤ گے۔ حضرت سیدہ زینب علیہا السلام نے یہ سن کر فرمایا شمر جن سے تمہاری دشمنی تھی ان کو شہید کر چکے اب اس بیمار بچے کو کیا کہتے ہو۔ اتفاق سے وہاں عمرو بن سعد بھی آنکلا اس نے شمر کو کہا کیا بات ہے؟ شمر نے کہا کہ یہ حسین کا ایک بیٹا باقی رہ گیا ہے، اسے بھی قتل کرتا ہوں۔ عمرو بن سعد نے کہا چھوڑو، اس بیمار کو قتل کر کے کیا لینا ہے، بایں وجہ شمر نے امام زین العابدین علیہ السلام کو چھوڑ دیا۔ ابن سعد نے جب ہی امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے، آپ کا سر مبارک خولی کے ہاتھ حمید بن مسلم کو ساتھ کر کے ابن زیاد کے پاس روانہ کر دیا تھا۔ خولی سر مبارک کو لے کر ابن زیاد کے قصر کی طرف آیا قصر (محل) کا

دروازہ بند تھا۔ یہ اپنے گھر چلا گیا۔ سر مبارک کو ایک لگن کے نیچے رکھ دیا۔ اس کی عورت نوارا نے پوچھا کیا خبر ہے اور تو جنگ سے کیا لے کر آیا ہے۔ اس نے کہا کہ تمام دنیا کی دولت تیرے پاس لے کر آیا ہوں، تیرے گھر میں حسین کا سر لے کر آیا ہوں۔ نوارا نے کہا لعنت ہے تجھ پر لوگ سونا چاندی لے کر آئے اور تو رسول اللہ کے فرزند کا سر لایا ہے۔ واللہ میں اور تو دونوں ایک گھر میں نہیں رہیں گے۔ نوارا یہ کہہ کر اٹھی اور جہاں اس نے حسین کا سر رکھا تھا وہاں گئی۔ وہ کہتی ہے اللہ کی قسم! آسمان سے ایک نور کا عمود اس لگن تک تھا، میں برابر دیکھتی رہی اور سفید سفید پرندے اس کے گرد اگرد اڑ رہے تھے۔ صبح ہوئی تو وہ سر کو ابن زیاد کے پاس لے گیا۔

(تاریخ طبری ص ۲۹۷ ج ۴، البدایہ والنہایہ ص ۱۸۸ ج ۴، تاریخ کامل ص ۸۰ ج ۴)

عمرو بن سعد نے جب امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک خولی ملعون کے ہاتھ ابن زیاد کے ہاں کوفہ بھیجا تھا تو دوسرے شہداء کے سر بھی کاٹ کر ابن زیاد کے پاس بھیج دیئے چونکہ امام حسین علیہ السلام کے آدمی ۷۲ شہید ہوئے تھے لہٰذا ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ۷۲ شہداء کے ہی سر کاٹ کر عمرو بن سعد نے ابن زیاد کے پاس بھیج دیئے اور ان شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر اس طرح ترتیب دیا گیا کہ سب سے آگے امام حسین علیہ السلام کا سر رکھا گیا اور ان کے پیچھے اہل بیت کے اٹھارہ سر تھے، پھر آپ کے جانثاروں کے سر تھے اور ان شہداء کے لاشے دشتِ کربلا میں بے گور و کفن پڑے رہے۔ دوسرے روز (اگلے دن) بوقت عصر ۱۱ محرم ۶۱ ہجری کو بنو اسد مقام غاضریہ سے آئے اور انہوں نے ان تمام لاشوں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی لاش کے بھی ٹکڑے جمع کر کے سب کو دفن کر دیا۔

اہلِ بیت کی کوفہ روانگی

چونکہ امام حسین علیہ السلام دس محرم جمعہ کے دن شہید ہوئے، عمرو بن سعد ملعون نے اس دن کربلا میں ہی قیام کیا۔ دوسرے دن صبح کو حمید بن بکیر کو حکم دیا کہ اعلان کرو کہ تمام لوگ کوفہ چلیں اور یہ بھی کہا کہ خواتین اہل بیت کو رسیوں میں جکڑ لو اور ننگے اونٹوں پر ان کو سوار کرو۔ امام زین العابدین علیہ السلام کو بھی جو اس قدر بیمار تھے کہ اٹھ بھی نہ سکتے تھے، زنجیروں میں جکڑو اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں بھی ڈال دو اور ننگے اونٹ پر بٹھاؤ۔ عمرو بن سعد کے حکم کے مطابق ہی عمل کیا گیا۔ یہ خواتین اہل بیت اور امام زین العابدین جب کربلا سے چلنے لگے تو ان کو امام حسین علیہ السلام اور دیگر شہداء کی لاشوں کے سامنے لایا گیا تو تمام خواتین، بچے، بچیاں رونے لگے۔ ابھی ان شہداء کی لاشوں کو دفن نہیں کیا گیا تھا۔ یہ صبح کا وقت تھا، ان شہداء کے لاشے بنو اسد نے بوقت عصر دفن کئے تھے، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ قرہ بن قیس تمیمی کہتا ہے جب یہ اہل بیت کا قافلہ شہداء کی لاشوں کے پاس سے گزرا تو میں اپنا گھوڑا بڑھا کر قریب گیا تو میں نے دیکھا اور سنا کہ زینب بنت فاطمہ اپنے بھائی کی لاش پہ پہنچیں تو کہہ رہی تھیں وا محمداہ وا محمداہ ملائکہ آسمان کی صلوات آپ پر ہو حسین میدان میں پڑے ہیں، خون میں ڈوبے ہوئے ہیں، تمام اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہیں یا محمداہ۔ آپ کی بیٹیاں قیدی بنائی گئی ہیں، آپ کی ذریت کو قتل کیا گیا ہے، ان کی لاش پر خاک پڑ رہی ہے، ابن جریر لکھتا ہے کہ پھر باقی لاشوں کے سر بھی جدا کیے گئے۔ شمر اور قیس بن اشعث اور عمرو بن حجاج کے ساتھ ۷۲ سر روانہ کیے گئے۔ ان لوگوں نے ان سروں کو ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا۔ (تاریخ طبری ص ۲۹۷ ج ۴)

پھر یہ قافلہ کربلا سے کوفہ کی طرف چلا جب یہ قافلہ کوفہ میں داخل ہوا تو کوفی

ہزاروں کی تعداد میں انہیں دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ بے وفا کوفیوں کے ہجوم کو دیکھ کر سیدہ زینب شیر خدا کی بیٹی نے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا لوگو! اپنی نظریں نیچی رکھو۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی لٹی ہوئی اولاد ہے، اس کے بعد فرمایا، اے کوفیو! اے عہد شکنو! اپنی زبان سے پھر جانے والو! خدا کرے تمہاری آنکھیں ہمیشہ روتی رہیں، تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جو خود ہی سوت کاتتی ہے اور پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ تم نے خود ہی میرے بھائی سے رشتہ بیعت جوڑا اور پھر خود ہی توڑ ڈالا تمہارے دلوں میں کھوٹ اور کینہ ہے، تمہاری فطرت میں جھوٹ اور دغا ہے، خوشامد، شیخی خوری اور عہد شکنی تمہارے خمیر میں ہے۔ تم نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ بہت برا ہے، تم نے رسول اللہ کے فرزند کو جو جنت کے جوانوں کے سردار ہیں قتل کیا ہے۔ آہ کوفہ والو! تم نے ایک بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے جو منہ بگاڑ دینے والا اور مصیبت میں مبتلا کر دینے والا ہے۔ یاد رکھو تمہارا رب نافرمانوں کی تاک میں رہتا ہے۔ ابن زیاد کو جب علم ہوا کہ خواتین اہل بیت کو قیدی بنا کر کوفہ میں لایا گیا ہے تو کہنے لگا، ان کو کسی محفوظ جگہ ٹھہرایا جائے اور کل میرے دربار میں پیش کیا جائے۔ امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں جن لوگوں کو ہماری حفاظت پر مقرر کیا گیا تھا ان میں سے ایک آدمی مجھے اپنے گھر لے گیا، پھر اس نے مجھے اپنے گھر میں چھپا دیا تاکہ لوگ مجھے دیکھ نہ لیں اور اس نے میری مہمانی اور ظاہری عزت شروع کر دی اور جبھی میرے پاس آتا جاتا روتا میں نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ یہ مرد تو نہایت اچھا ہے اور وفادار ہے۔ دوسرے دن میں نے سنا کہ ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ ابن زیاد کہہ رہا ہے کہ جو امام حسین کے لڑکے علی (زین العابدین) کو ہمارے سامنے پیش کرے گا اس کو تین سو درہم دئیے جائیں گے۔ امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ کمینہ میرے پاس آیا اور رو رہا تھا اور میرے ہاتھ جن میں ہتھکڑیاں تھیں ان کو

میری گردن کے ساتھ باندھ دیا پھر اس نے مجھے ابن زیاد کے آدمیوں کے ہاتھ دے دیا اور تین سو درہم لیتے ہوئے دیکھا پھر مجھے اور میری پھوپھی جان سیدہ زینب اور دیگر خواتین اہل بیت کے ساتھ ابن زیاد کے ہاں پیش کیا گیا۔ ابن زیاد نے مجھے کہا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے کہا علی بن حسین کہنے لگا کیا اللہ نے علی کو قتل نہیں کیا۔ امام زین العابدین نے فرمایا، وہ میرے بڑے بھائی تھے جن کو لوگوں نے شہید کر دیا ہے۔ ابن زیاد ملعون نے کہا کہ لوگوں نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے قتل کیا ہے تو امام زین العابدین نے فرمایا: اللہ یتوفی الانفس حین موتھا یعنی جن کی موت کا وقت آتا ہے خدا ہی ان کو وفات دیتا ہے۔ پھر ابن زیاد نے کہا کہ اس کو بھی قتل کر دو حضرت سیدہ زینب یہ سن کر فرمانے لگیں۔ اے ابن زیاد! کیا تو ابھی تک ہمارے خون سے سیر نہیں ہوا، کیا تو اس بیمار بچے کو بھی قتل کرے گا، اگر اسے قتل کرنا ہے تو اس بیمار کے ساتھ مجھے بھی مار ڈال، یہ کہہ کر سیدہ زینب امام زین العابدین سے چمٹ گئیں۔ ابن زیاد کے دل میں کچھ خیال آ گیا اور اس نے کہا کہ اچھا اس لڑکے کو عورتوں کے ساتھ رہنے کے لیے چھوڑ دو۔

(طبقات ابن سعد ص ۲۱۲ ج ۵، تاریخ کامل ص ۸۲ ج ۴، تاریخ طبری ص ۲۹۹ ج ۴، البدایہ والنہایہ ص ۱۹۳ ج ۸)

پھر ابن زیاد نے شمر ذی الجوشن، حر بن قیس اور دوسرے چند امرائے کوفہ کے ساتھ فوجی دستے کی معیت میں امام حسین علیہ السلام اور دیگر اہل بیت کے سروں اور قیدیوں کو دمشق کی طرف یزید کے پاس روانہ کر دیا۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ ابن زیاد لعنتی نے حکم دیا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کو پاؤں سے گلے تک زنجیروں میں جکڑ دیا جائے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور گلے میں طوق ڈال دیئے گئے آپ چونکہ بیمار تھے، لہٰذا زنجیروں کا بوجھ نہ سنبھال سکتے

تھے مگر امام ہونے کی وجہ سے صبر وضبط کر رہے تھے۔ اپنی تکلیف کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے، راستے میں ایک مقام پر جب بوقت شب یہ قافلہ پہنچا تو وہاں انہوں نے قیام کیا اور یہیں ایک راہب تھا اس راہب نے ان یزیدی کتوں کو اسی ہزار درہم دے کر امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو ایک رات اپنے پاس رکھا۔ غسل دیا، عطر لگایا اور ادب و تعظیم کے ساتھ تمام رات زیارت کرتا رہا اور روتا رہا اور رحمت الٰہی کے انوار جو سر مبارک پر نازل ہو رہے تھے، ان کا مشاہدہ کرتا رہا۔ اس نے امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو دیکھا تو لب ہائے متحرک دیکھے، کان لگا کر سنا تو آپ نے یہ تلاوت فرمائی:

وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ ۝۲۲۷

ترجمہ: "اور ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ کس کروٹ بیٹھے ہیں۔"

راہب یہ سن کر فوراً مسلمان ہو گیا اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں ایک ہزار درہم نقد اور لباس فاخرہ پیش کیا اور خواتین اہل بیت کے لیے بھی لباس پیش کیے۔ یزیدیوں نے راہب کے دئیے ہوئے درہموں کو باہم تقسیم کرنے کے لیے جب تھیلیوں کو کھولا تو دیکھا سب میں ٹھیکریاں بھری ہوئی تھیں اور ان کے ایک طرف لکھا ہوا تھا:

وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ ؕ

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے کردار سے غافل نہ جانو۔"

اور دوسری طرف یہ آیت لکھی ہوئی تھی:

وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ ۝۲۲۷

ترجمہ: "اور ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ کس کروٹ بیٹھتے ہیں۔"

(سوانح کربلا ص ۵۲، اوراق غم ص ۵۱۱)

پھر یہ قافلہ اور اسیران اہل بیت مصائب و تکالیف برداشت کرتے ہوئے

دمشق پہنچ گئے۔ ابن عساکر (المتوفی ۵۷۱ھ) نے منہال بن عمرو سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں واللہ میں نے بچشم خود دیکھا کہ جب سر مبارک کو نیزہ پر لیے جا رہے تھے اس وقت میں دمشق میں تھا ایک شخص ایک مکان میں سورہ کہف پڑھ رہا تھا، جب اس آیت پر پہنچا:

اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا
عَجَبًا ⑨

ترجمہ: ”اصحاب کہف ورقیم ہماری نشانیوں میں سے تھے۔“

اس وقت اللہ تعالیٰ نے سر مبارک کو گویائی دی بزبان فصیح فرمایا:

اعجب من اصحاب الکھف قتلی و حملی.

ترجمہ: ”اصحاب کہف کے واقعہ سے میرا قتل اور میرے سر کو لیے پھرنا عجب تر ہے۔“

درحقیقت بات یہی ہے کیونکہ اصحاب کہف پہ کافروں نے ظلم کیا تھا اور امام حسین علیہ السلام کو کوفیوں نے بلایا، پھر بے وفائی سے پانی تک بند کر دیا، آل اصحاب کو امام حسین علیہ السلام کے سامنے شہید کیا پھر خود امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا۔ اہل بیت کو قیدی بنایا، سر مبارک کو شہر بہ شہر پھرایا، اصحاب کہف سالہا سال طویل خواب کے بعد بولے یہ ضرور عجیب ہے، مگر سر مبارک کا تن سے جدا ہونے کے بعد کلام فرمانا اس سے عجیب تر ہے۔ شمر اس قافلہ کو لے کر دمشق کے بازاروں سے گزرتا ہوا قصر شاہی کی طرف روانہ ہوا اور اس کو اثنائے راہ میں معلوم ہو گیا کہ یزید دربار میں موجود ہے۔ شمر دربار کی طرف ہی چل پڑا، آگے یزید دربار میں موجود تھا۔ شمر نے اطلاع کرائی، یزید نے اجازت دی اور کہا کہ حسین کا سر اور قیدی پیش کیے جائیں۔ امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک یزید کے سامنے رکھا گیا تو تمام خواتین اہل بیت رونے لگیں۔ یزید نے شمر سے تمام واقعات دریافت

کیے۔ شمر نے بتائے پھر یزید نے سر مبارک اپنے سامنے رکھوایا، اس وقت یزید خبیث کے ہاتھ میں چھڑی تھی جس کو وہ بار بار حضور علیہ السلام کے دانتوں پر مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ہم نے بدر کا بدلہ لیا ہے۔ وہاں سمرہ بن جندب (المتوفی ۶۱ھ) صحابی تھے انہوں نے یزید کو کہا چھڑی دندان مبارک سے ہٹا لے، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دندان مبارک کو چوم رہے تھے۔ آخر میں سمرہ بن جندب نے کہا یزید یہ قتل حسین تیرے حکم سے ہوا ہے، تو نے ہی دنیا کو دین پہ مقدم سمجھا ہے، ابن جریر لکھتے ہیں ابو برزہ اسلمی صحابی (المتوفی ۶۴ھ) نے یزید کو کہا تھا کہ تیرا حشر قیامت کے دن ابن زیاد کے ساتھ ہوگا اور امام حسین علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوں گے۔

(البدایہ والنہایہ ص ۱۹۴ ج ۸، اوراق غم ص ۵۲۰، تاریخ طبری ص ۳۰۷ ج ۴)

جب امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک یزید کے سامنے رکھا ہوا تھا تو سیدہ زینب علیہا السلام نے سر اقدس کی طرف مخاطب ہو کر کہا، اے حسین! اے محمد مصطفی کے دلبند، اے دوش رسول کے سوار، اے فاطمۃ الزہراء کے لخت جگر، اے جنت کے جوانوں کے سردار، یزید نے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ اسے بتایا گیا کہ حسین کی چھوٹی بہن ہیں۔ یزید نے حضرت زینب سے مخاطب ہو کر کہا کیا تمہارا بھائی یہ نہیں کہتا تھا کہ میں یزید سے بہتر ہوں اور میرا باپ یزید کے باپ سے بہتر تھا۔ حضرت زینب علیہا السلام نے دلیری سے جواب دیا، بے شک میرا بھائی سچ کہتا تھا، پھر یزید، امام زین العابدین علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا کہنے لگا کہ تمہارے باپ (امام حسین) نے مجھ سے قرابت کو قطع کیا اور میرے حق کو نہ جانا دیکھو خدا نے ان سے کیا سلوک کیا ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے جواب دیا:

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ
اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا ؕ (الحدید: ۲۲)

ترجمہ: ''نہ زمین اور نہ تمہاری جانوں میں کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے جو اس نوشتہ میں نہ ہو جو پیدائش عالم کے پیشتر لکھا جا چکا ہے۔''

یزید نے اپنے بیٹے خالد سے کہا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی بات کا جواب دو، خالد بن یزید کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور نہ وہ جواب دے سکا۔ پھر یزید نے کہا کہ تم کہو:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ۔

ترجمہ: ''تم پر جو مصیبت آئی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں تمہارے اعمال کے سبب سے آئی ہے۔''

پھر یزید نے تمام مستورات اور بچوں کو بیٹھنے کی اجازت دے دی کیونکہ اس نے دیکھا کہ یہ لوگ نہایت خستہ حالت میں ہیں۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ فاطمہ بنت علی بیان کرتی ہیں کہ ہم لوگ جب یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو اس وقت ایک سرخ رنگ کا آدمی شامی یزید کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا، اے امیر المومنین! اس عورت کو (یعنی میں) مجھے دے دیجئے میں اس زمانہ میں کمسن تھی، میرے تن بدن میں تھرتھری پڑ گئی، میں ڈر گئی میں نے یہ خیال کیا کہ یہ ان کے مذہب میں جائز ہو گا۔ میں نے اپنی بڑی بہن حضرت سیدہ زینب کا آنچل پکڑ لیا۔ وہ مجھ سے زیادہ سمجھدار تھیں اور وہ جانتی تھیں کہ یہ جائز نہیں ہے وہ بول اٹھیں۔ اے کمینے! تو نے یہ بے ہودہ بکواس کیا ہے نہ تیری یہ طاقت ہے نہ یزید کی، یزید کو غصہ آ گیا کہنے لگا، اے زینب! تم نے غلط کہا، مجھے یہ اختیار ہے میں اگر کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں۔ سیدہ زینب نے کہا واللہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ خدا نے تجھے یہ اختیار نہیں دیا ہاں اگر تو ہمارے مذہب سے نکل جائے اور ہمارے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے یزید غضب ناک ہو گیا۔ برہم ہو کر کہنے لگا تو مجھ سے گفتگو کرتی ہے دین سے تیرے باپ نکل گئے۔ سیدہ زینب نے کہا خدا کے اور میرے باپ، بھائی کے دین اور میرے جد کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے،

تیرے جد نے ہدایت پائی ہے۔ یزید نے کہا او دشمن خدا تو جھوٹ کہہ رہی ہے۔ سیدہ زینب نے کہا تو حاکم ہے غالب ہے، ناحق سخت زبانی کرتا ہے، اپنی حکومت سے دباتا ہے، اب تو یزید کو واللہ حیا آ گئی، چپ ہو گیا، شامی کتے نے پھر وہی کلمہ کہا، امیر المومنین! یہ کنیز مجھے دے ڈالیے۔ یزید نے کہا دور ہو کہ خدا تجھے موت دے کر تیرا فیصلہ کر دے۔ (تاریخ طبری ص ۳۰۳ ج ۴، البدایہ والنہایہ ص ۱۹۴ ج ۸)

سوال:

اہل سنت کہتے ہیں کہ یزید کافر ہے اور سیدہ زینب علیہا السلام کی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید کافر نہیں کیونکہ سیدہ زینب علیہا السلام نے کہا کہ یہ کام اس وقت کر سکتے ہو جب کہ دین اسلام سے خارج ہو جاؤ، معلوم ہوا کہ وہ ابھی تک دین اسلام سے نکلا نہیں تھا۔ نیز سیدہ زینب نے کہا کہ میرے باپ دادا کے دین سے تو نے اور تیرے باپ دادا نے ہدایت پائی ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ یزید ہدایت پر تھا، پھر اہل سنت اس کو کافر کیوں کہتے ہیں؟

جواب:

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یزید نے سیدہ زینب علیہا السلام اور فاطمہ بنت علی اور امام زین العابدین علیہ السلام بلکہ تمام اہل بیت کی توہین اور گستاخی کی ہے جو کہ سبب کفر ہے۔ نیز اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ یزید کے سامنے جب امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک پیش کیا گیا تو یزید نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ کے بیٹے حسین کو قتل کر کے جنگ بدر کا بدلہ لے لیا ہے اور واقعہ حرہ میں یزید نے اہل مدینہ پر ظلم کیا اور تین دن کے لیے مدینہ منورہ کو مباح قرار دیا، مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے اور مکہ مکرمہ پر حملہ کرایا، بیت اللہ پر سنگ باری کرائی، شراب کو حلال کیا وغیرہ وغیرہ ان تمام امور کے پیش نظر

امام احمد بن حنبل اور دیگر آئمہ محققین نے یزید کو کافر کہا ہے اور اس پر لعنت کی ہے چنانچہ علامہ آلوسی بغدادی (المتوفی ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

> وقد جزم بکفرہ و صرح بلعنہ جماعة من العلماء منھم الحافظ ناصر السنة ابن الجوزی و سبقه القاضی ابویعلیٰ و قال العلامه التفتازانی بل لا نترقف فی شانه بل فی ایمانه لعنة الله علیه و علیٰ انصارہ و اعوانه و ممن صرح بلعنه. الجلال السّیوطی علیه الرحمة۔ (روح المعانی ص ۷۳ ج ۲۶)

علماء کی ایک جماعت نے یزید کے کفر پر جزم (یقین) اور اس پر لعنت ہونے کی تصریح کی ہے۔ ان میں سے حافظ ابن جوزی اور ان سے پہلے قاضی ابویعلی اور علامہ تفتازانی نے کہا ہے کہ ہم اس کی شان (اس کے لعنتی ہونے) مین شک نہیں کرتے، بلکہ اس کے ایمان میں (بھی) اللہ کی لعنت اس پر اور اس کے معاونین اور اس کے مددگاروں پر ہو۔

علامہ ابوالوردی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ جب اہل بیت رسول کو قیدی بنا کر شام میں لایا گیا تو یزید نے جب قافلہ اہل بیت کو دیکھا تو کہنے لگا:

> فقد اقتضیت من الرسول دیونی۔

کہ میں نے رسول اللہ سے اپنے قرضے وصول کر لیے ہیں۔

آخر میں علامہ آلوسی اپنا فیصلہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ لم یکن مصدقا برسالة النبی ﷺ کہ یزید تو نبی ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرنے والا نہیں تھا، اس نے حرم کعبہ اور حرم مدینہ منورہ اور نبی پاک ﷺ کی اولاد پاک کی توہین کی، اس کی تمام برائیاں مسلمانوں پر واضح تھیں لیکن یہ مجبور تھے انہوں

نے صبر کا راستہ اختیار کیا اور اس بات کے منتظر رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس خبیث سے انتقام لے اور میں اس یزید پر ہی لعنت نہیں کرتا بلکہ ابن زیاد، ابن سعد اور ان کی جماعت پر بھی اللہ کی لعنت کرتا ہوں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے نزدیک یزید پلید کافر ہے

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (المتوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:

ثم کفر یزید و من معه بما انعم الله علیهم و انتصبوا العداوة آل النبی ﷺ و قتلوا حسینا رضی اللہ عنہ ظلما و کفر یزید بدین محمد ﷺ حتی انشد ابیاتا حین قتل حسیناً رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ: ”یعنی یزید اور اس کے ساتھیوں نے اللہ کی نعمتوں کے ساتھ کفر کیا، انہوں نے آلِ نبی کے ساتھ دشمنی اپنا نصب العین بنایا اور حسین رضی اللہ عنہ کو ظلماً شہید کیا اور یزید (خبیث) نے دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفر کیا حتیٰ کہ یزید نے حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد یہ اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ ہے کہ میرے آباؤ اجداد کہاں ہیں، وہ آ کر دیکھ لیں کہ میں نے آلِ محمد اور بنی ہاشم سے بدلہ لے لیا ہے۔“

نیز قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ یزید نے شراب کو حلال کیا اور ان یزیدیوں نے آلِ محمد کو منبر پر گالیاں دیں، آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لیا اب ان میں سے کوئی باقی نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری ص ۲۷۰)

اس سے ظاہر ہے کہ یزید کو ان کرتوتوں کی وجہ سے علماء محققین نے کافر کہا ہے،

اس مسئلہ کی مزید تفصیل ہماری کتاب حسب ونسب جلد ثانی میں پڑھیے۔

یزید خبیث جب سیدہ زینب اور امام زین العابدین علیہ السلام سے گفتگو کر چکا تو پھر کہا کہ ان کو کسی مکان میں ٹھہراؤ چنانچہ جہاں خواتین اہل بیت کو ٹھہرایا گیا وہاں ہی امام زین العابدین علیہ السلام کو بھی رکھا گیا۔

سوال:

کتب تاریخ میں لکھا ہوا ہے کہ خواتین اہل بیت اور امام زین العابدین گرفتار ہو کر جب شام میں یزید کے پاس آئے تھے تو یزید ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا اور ان کی خدمت کی، کپڑے اور درہم و دینار دیئے اور یزید نے اہل بیت رسول کے سامنے امام حسین علیہ السلام کے قتل پر اظہار افسوس کیا اور کہا کہ ابن زیاد نے حسین کو قتل کر کے زیادتی کی ہے اگر معاملہ میرے ہاتھ میں پڑتا تو میں حسین کو معاف کر دیتا۔

جواب:

یہ روایات جن میں حسن سلوک وغیرہ کا ذکر ہے اموی اور مروانی روایات ہیں جن کو خوارج اور نواصب راویوں نے ذکر کیا ہے اور اصل حقیقت یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو ابن زیاد نے یزید کے حکم سے قتل کیا چنانچہ جب اہل بیت رسول کا یہ خستہ حال قیدی قافلہ یزید کے پاس پہنچا تو یزید نے حسین کے قتل پر خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ میں نے جنگ بدر کا بدلہ لیا ہے۔ اسی وجہ سے سمرہ بن جندب (صحابی) نے کہا تھا کہ اے یزید حسین کا قتل تیرے حکم سے ہوا ہے اور ابو برزہ اسلمی (صحابی) نے یزید کو کہا تھا کہ تم حشر کے دن ابن زیاد کے ساتھ ہو گے۔ اگر مذکورہ روایات کو تسلیم کیا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر یزید نے اہل بیت رسول کے قیدیوں کے ساتھ کوئی چند دن دنیا کو دکھانے کے لیے اچھا برتاؤ کیا ہے تو اس سے نہ یزید امام حسین علیہ السلام کے قتل سے بری الذمہ ہو سکتا ہے

اور نہ ہی کفر سے بچ سکتا ہے، چنانچہ ابن جریر لکھتے ہیں کہ حضرت سکینہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے کسی کافر کو یزید سے اچھا نہیں دیکھا، اب ظاہر ہے کہ حضرت سکینہ یزید کے ظاہری اور دنیاوی احسانات کو دیکھ کر پھر بھی فرما رہی ہیں کہ یزید کافر ہے اور پھر یہ کوئی احسانات بھی نہیں ہیں کیونکہ یزید کے کتوں نے ہی اہل بیت رسول کا کربلا میں تمام سامان لوٹا اور پردہ نشین خواتین کے سروں پر سے چادریں اتاریں۔ اگر یزید نے چند کپڑے اہل بیت کو سر ڈھانپنے کے لیے دے دیئے تو کوئی بڑی نیکی نہیں کی۔ یہ تو کافر بھی کرتے رہتے ہیں۔ دیکھیے یہاں برطانیہ اور یورپ کے اندر کفار حکومتیں مسلمانوں کو بھی کھانے پینے، پہننے کے لیے سامان کپڑے بلکہ پونڈ دیتے ہیں کیا یہ حکومتیں مسلمان متصور ہوں گی ہرگز ہرگز نہیں۔ اسی طرح یزید نے اگر اہل بیت کو ایک دو دن کھانا دیا ہے تو اس کی یہ کوئی نیکی نہیں، اس مصیبت میں اہل بیت رسول کو مبتلا کرنے والا بھی بنیادی طور پر یزید ہی ہے، پھر یہ جتنا اس نے ظاہری اچھا برتاؤ کیا تھا وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے کیا تھا تاکہ اس پر پردہ پڑ سکے کہ یہ قتلِ حسین تو ابن زیاد، شمر اور عمرو بن سعد نے کیا ہے۔ میرا اس میں دخل نہیں ہے لیکن ایسے مکروفریب سے یزید قتل حسین کی ذمہ داری سے بچ نہیں سکتا اور نہ ہی یزید کے حامی خوارج اور نواصب یزید کو اس ذمہ داری سے بچا سکتے ہیں جبکہ یزید نے خود امام زین العابدین علیہ السلام کو کہا کہ تم لوگوں نے میری حکومت لینا چاہی لہٰذا تمہارا یہ حال ہوا۔ چنانچہ ابن جریر لکھتے ہیں کہ یزید امام زین العابدین کو کہنے لگا، تمہارے باپ نے میری سلطنت کو چھیننا چاہا دیکھو ان سے کیا سلوک ہوا۔ (تاریخ طبری ص ۳۰۶ ج ۴)

جب یزید خود اقرار کر رہا ہے کہ قتل حسین اس کے حکم سے ہوا تو خوارج اور نواصب کے انکار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ غرضیکہ اہل بیت رسول علیہم السلام کے ساتھ ایک دو دن اگر یزید نے کوئی اچھا برتاؤ کیا ہے تو یہ صرف دنیا کو دکھانے کے لیے کیا ہے،

اس کا کسی نیکی سے تعلق نہیں ہے نہ ہی اس کو عنداللہ نیکی اور احسان تصور کیا جا سکتا ہے اور اس عارضی حسن سلوک کے ساتھ یزید قتل حسین سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ کفر سے بچ سکتا ہے۔ بہر صورت جب خواتین اہل بیت اور امام زین العابدین علیہ السلام کو کچھ دن دمشق میں رہتے ہوئے ہو گئے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی مدینہ منورہ میں واپسی

تو ایک دن امام زین العابدین علیہ السلام یزید کے پاس گئے اور کہا کہ میری تمنا یہ ہے کہ میں مدینہ منورہ جا کر رہوں۔ یزید نے کہا کہ آپ جا سکتے ہیں۔ یزید نے نعمان بن بشیر کو تیس آدمی دے کر کہا کہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اہل بیت کو مدینہ منورہ پہنچا دو۔ چنانچہ نعمان بن بشیر کی زیر نگرانی قافلہ اہل بیت کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ جب یہ قافلہ چلنے لگا تو سیدہ زینب علیہا السلام نے فرمایا، محملوں پر سیاہ چادریں ڈال دو تا کہ دیکھنے والوں کو پتہ چل جائے کہ یہ سیدۃ النساء کی خستہ حال اولاد ہے۔ جب یہ قافلہ کربلا پہنچا تو وہاں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اور بنی ہاشم کے کچھ لوگ پہنچے ہوئے تھے، انہیں دیکھ کر حضرت زینب علیہا السلام اور دیگر خواتین اہل بیت رونے لگیں۔ اس موقع پر دوسرے سب لوگ بھی رونے لگے۔ جب یہ قافلہ مدینہ پہنچا تو دن ڈھل چکا تھا، ان کے آنے کی اطلاع تو ایک روز پہلے ہی اہل مدینہ کو ہو چکی تھی اور مدینہ منورہ کی عورتیں، مرد، جوان، بوڑھے، چھوٹے بڑے سب ان کے استقبال کے لیے نکل آئے تھے۔ حرم اہل بیت محملوں میں سوار تھیں ایک وہ وقت تھا کہ جب وہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئی تھیں ان کے جگر گوشہ ان کے ساتھ تھے، لیکن آج وہ میدان کربلا میں حق و باطل کی جنگ میں اپنے تمام جگر پارے راہ خدا میں قربان کر کے واپس آ رہی تھیں ان کی گودیں خالی

تھیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام کو اب اگرچہ بیماری سے کچھ افاقہ تھا لیکن جو حادثہ جانکاہ ان پر گزرا تھا اس نے انہیں نیم جان بنا دیا تھا۔ وہ حسرت و غم کی مجسم تصویر بن کر رہ گئے تھے جو آپ کو دیکھتا وہ بے اختیار رو پڑتا۔ اہل بیت کو دیکھ کر اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو یاد کر کے تمام مرد و زن زار و قطار رو رہے تھے۔ اہل بیت بھی رونے لگے اور وہ روتے روتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور پر پہنچے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں یوں عرض کی۔ السلام علیک یا رسول اللہ، نانا جان ہم پر غم و ستم کے وہ پہاڑ ٹوٹے ہیں جنہوں نے ہمارے جسموں سے خون اور آنکھوں سے آنسو خشک کر دیئے ہیں۔ نانا جان افسوس اور غم ہے کہ آپ جس حسین کو اپنے کاندھے پر بٹھاتے تھے، جن کا دل آپ نے کبھی میلا نہ ہونے دیا، جن سے آپ محبت کرتے تھے، انہیں کربلا میں دشمن نے بھوکا اور پیاسا ذبح کر ڈالا اور یہ حادثہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوا ہے جس نے ہمارے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ آپ کی بیٹیاں اور نواسیاں کوفہ کے بازار میں ننگے سر پھرائی گئیں۔ حضرت زین العابدین علیہ السلام فرماتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ روضہ انور کی حاضری کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام اپنے گھر تشریف لائے۔ وہاں حضرت صغریٰ دوڑ کر آپ سے لپٹ گئیں اور رونے لگیں اور سیدہ زینب کو کہنے لگیں، آپ میرے باپ اور بھائیوں کو اپنے ساتھ لے گئی تھیں، انہیں کہاں چھوڑ آئیں؟ حضرت زینب علیہا السلام نے روتے ہوئے کہا کہ میدان کربلا میں راہ خدا میں قربان کر آئی ہوں۔ حضرت صغریٰ نے کہا کہ ابا جان تو مجھے کہہ گئے تھے کہ صغریٰ تم کو ہم اپنے پاس بلا لیں گے، حضرت زینب علیہا السلام نے کہا کہ وہ تم کو اس لیے نہ بلا سکے کہ خدا نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ میری بچی صبر کر اس کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام ہر وقت غمناک رہتے۔ آپ کے پاس جب کھانا لایا جاتا یا پانی پیش کیا جاتا تو آپ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: قتل ابن رسول اللہ جائعا عطشانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے بیٹے تو بھوکے پیاسے دنیا سے چلے گئے ہیں۔ پھر فرماتے کیا تم دیکھتے نہیں ان کے غم کی وجہ سے میرے دل کے ٹکڑے ہو رہے ہیں، اسی وجہ سے واقعہ کربلا کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام نے لوگوں سے ملنا جلنا بھی کم کر دیا اور آپ نے سیاسی واقعات و حالات سے بھی اپنے آپ کو الگ تھلگ کر لیا چنانچہ جب اہل مدینہ نے یزید کے خلاف ۶۳ ہجری میں واقعہ حرہ کے موقع پر خروج کیا تو اہل مدینہ کے اکابرین امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہم تمام لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ آپ منصب خلافت کو قبول کر لیں، مگر امام زین العابدین علیہ السلام نے انکار کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب یزید نے اپنے چچازاد بھائی عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ منورہ کا حاکم بنا کر بھیجا تو عثمان بن محمد نے مدینہ میں آ کر شراب پینا شروع کر دی جس سے لوگ ناراض ہوئے۔ عثمان بن محمد محرم ۶۲ ہجری میں مدینہ کا حاکم بنا۔ عثمان بن محمد نے چند دن کے بعد شرفائے مدینہ سے دس آدمیوں کا وفد بنا کر یزید کے پاس دمشق بھیجا اس وفد میں عبداللہ بن حنظلہ، عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص وغیرہ شامل تھے۔ یہ لوگ جب دمشق پہنچے تو یزید نے ان کی خوب خاطر و مدارات کی اور انعام و اکرام سے نوازا لیکن انہوں نے یزید کو خلافِ شرع کام کرتے، گانے بجانے اور غلط محفلیں برپا کرتے ہوئے دیکھا۔ جب یہ وفد مدینہ منورہ واپس آیا تو لوگوں نے ان سے یزید کے متعلق پوچھا تو عبداللہ بن حنظلہ نے کہا کہ یزید ہرگز ہرگز مستحق خلافت نہیں ہے کیونکہ وہ خلاف شرع کاموں میں مصروف ہے اس کے تو مسلمان ہونے میں بھی کلام ہے۔ اس کا نہ کوئی دین ہے اور نہ کوئی مذہب ہے۔ شراب پیتا ہے اور راگ باجا سنتا ہے۔ خدا کی قسم اگر کوئی مہدی من اللہ ہوتا تو اس پر جہاد کرتا۔

اہلِ مدینہ کا یزیدی حکومت سے منحرف ہونا

اہل مدینہ نے عبداللہ کو کہا کہ ہم نے سنا ہے یزید نے آپ کو خوب انعام و اکرام سے نوازا ہے۔ عبداللہ نے کہا ہم نے انعام و اکرام اس لیے قبول کیا ہے کہ میں مقابلہ کی طاقت نہیں (اب اس مال سے اسلحہ وغیرہ خریدیں گے)۔ ان باتوں کو سن کر لوگ یزید سے بے حد متنفر ہو گئے۔ عبداللہ بن حنظلہ نے تجویز پیش کی کہ یزید کی حکومت کو معزول کیا جائے چنانچہ قریش نے عبداللہ بن مطیع کو اور انصار نے عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا سردار منتخب کیا اور یزیدی حکومت کا انکار کر دیا اور اعلانیہ اظہار نفرت کیا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنا عمامہ اتار کر کہا کہ میں یزید کی بیعت کو اس طرح توڑتا ہوں جس طرح میں نے عمامہ اتار دیا ہے۔ پھر ایک شخص نے اپنا جوتا اتار کر کہا کہ میں یزید کی بیعت سے اس طرح نکل رہا ہوں جس طرح میں نے یہ جوتا اتار دیا ہے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اہل مدینہ کے اس اجتماع میں ہر شخص نے اپنا عمامہ اور اپنا جوتا اتار کر رکھنا شروع کر دیا۔ **حتی اجتمع شئ کثیر من العماتم والنعال هناك** یہاں تک کہ عماموں اور جوتوں کے ڈھیر لگ گئے اور اہل مدینہ نے عثمان بن محمد کو مدینہ منورہ سے باہر نکال دیا اور بنو امیہ کے آدمی مروان بن حکم کے مکان میں جمع ہو گئے اور اہل مدینہ نے ان کا محاصرہ کر لیا اور ان میں سے جو ہاتھ لگے ان کو گرفتار کر لیا۔ اہل مدینہ پھر امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہم سے بیعت لیں لیکن امام زین العابدین علیہ السلام نے بیعت لینے سے انکار فرمایا اور خود امام زین العابدین علیہ السلام مدینہ منورہ سے باہر ینبع کے مقام پر تشریف لے گئے۔ جب اہل مدینہ نے بنو امیہ کا محاصرہ کر لیا تو ان حالات کی اطلاع مروان بن حکم نے حبیب بن کرہ کے ذریعے یزید کو بھجوائی۔ حبیب بن کرہ جب یزید کے پاس پہنچا تو یزید نے یہ

واقعہ سن کر مسلم بن عقبہ[1] کو طلب کیا اور اس کو کہا کہ اہل مدینہ نے بغاوت کر دی ہے،

---

[1] یہ شخص نہایت بد دیانت، جھوٹا، وعدہ خلاف اور شیطان صفت تھا۔ سلف صالحین اس کو مسلم کی بجائے مسرف کہتے تھے چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں: و انما یسمیه السلف مسرف بن عقبه کہ سلف نے اس کا نام مسلم کی بجائے مسرف (شیطان) رکھا ہے اس نے یزید کے کہنے پر اہل مدینہ پر بہت ظلم کیئے، مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے، تین دن تک مدینہ منورہ کو تمام برے کاموں کے لیے مباح کر دیا، لوٹ مار قتل و غارت کی اور عورتوں کے ساتھ شامیوں نے بدکاری کی۔ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ایک ہزار عورتوں نے حرام زادے بچے پیدا کیے چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں: ولدت الف امراة من اهل المدینة بعد وقعة الحرة من غیر زوج یعنی مدینہ منورہ کی ایک ہزار عورت نے واقعہ حرہ کے بعد حرام زادے بچے جنم دیئے، گویا کہ مسرف بن عقبہ کے شامی فوجیوں نے مدینہ منورہ کی عورتوں کی عزت لوٹی اور ان سے زنا بالجبر کیا جس سے ایک ہزار حرام زادے بچے پیدا ہوئے۔ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ مدائنی نے مدینہ منورہ کے ایک شیخ سے روایت کی ہے کہ یہ شیخ کہتا ہے کہ میں نے محدث زہری سے پوچھا کہ واقعہ حرہ میں قتل ہونے والوں کی تعداد کتنی تھی تو کہا کہ مہاجرین و انصار سے سات سو آدمی شہید ہوئے اور دیگر لوگ جو قتل ہوئے ان کی تعداد دس ہزار تھی اور تین دن متواتر اہل مدینہ کو لوٹا گیا۔ مدینہ منورہ سے فارغ ہو کر مسرف بن عقبہ اپنی فوج کو لے کر مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوا۔ یہ ملعون پہلے سے ہی بیمار تھا، مقام ابواء میں جا کر اس کی حالت بگڑ گئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ اس کا پیٹ زرد پانی اور پیپ سے بھر گیا، نہایت بری طرح سے جان نکلی لیکن وہ مرنے کے وقت نہایت بے وقوفی اور قساوت قلبی سے کہتا تھا کہ اے خدا! لا الہ الا اللہ کی گواہی دینے کے بعد میرے محبوب ترین عملوں میں سے جو عمل میرے نزدیک ایسا ہے جو تیرے دربار میں قابل قبول ہو وہ اہل مدینہ کے قتال کے سوا وجود میں نہیں آیا، اگر تو مجھ کو اس عمل کے باوجود بھی آتش دوزخ میں ڈالے تو دوسرا کوئی شخص مجھ سے بڑھ کر بد بخت نہ ہو گا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب مسرف بن عقبہ نے مدینہ منورہ میں تین دن قتل عام کیا پھر جو لوگ بچے ان کو بلایا کہا کہ یزید کی بیعت کرو تو ایک نوجوان نے کہا میں طریقہ طاعت میں بیعت کرتا ہوں، معصیت میں نہیں تو اس نے اس نوجوان کو قتل کر دیا، اس نوجوان کی ماں نے قسم اٹھائی اگر میں قدرت پاؤں گی تو مسرف کو زندہ یا مردہ جلاؤں گی، جب اس کو پتہ چلا کہ مسرف ابواء کے مقام پر مر گیا ہے تو وہ عورت اپنے چند غلاموں =

لہٰذا تم فوج لے کر مدینہ منورہ پر حملہ کر دو اور اہل مدینہ کو کچل کر رکھ دو۔ مسلم بن عقبہ نے کہا میں فرماں بردار ہوں لیکن آج کل بیمار ہوں۔ یزید نے کہا کہ تم بیمار بھی کئی تندرستوں سے اچھے ہو۔ یہ کام تمہارے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ مسرف نے کہا ٹھیک ہے تیسرے دن مسرف دمشق سے فوج لے کر مدینہ منورہ کی طرف چل پڑا۔ یزید نے اس کو رخصت کرتے وقت کہا کہ پہلے اہل مدینہ کو سمجھانا تاکہ وہ ہماری حکومت کو تسلیم کر لیں اگر وہ نہ مانیں تو پھر ان کے قتل وخون میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا چونکہ تم بیمار ہو لہٰذا میں تمہارا نائب حصین بن نمیر کو مقرر کرتا ہوں۔ مسرف بن عقبہ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو عبدالملک بن مروان سے ملاقات کرنے کے بعد اس سے پوچھا کہ اہل مدینہ پر کہاں سے حملہ کرنا چاہیے تو اس نے بتایا کہ حرہ کی جانب سے حملہ ہونا چاہیے۔ مسرف بن عقبہ نے اہل مدینہ کے پاس پیغام بھیجا کہ بہتر یہ ہے کہ تم یزید کی اطاعت اختیار کرو ورنہ

= کو لے کر اس کی قبر پر آئی تاکہ اس کو قبر سے نکال کر اپنی قسم پوری کرے۔ جب قبر کو کھولا تو اس میں ایک اژدہا دیکھا جو مسرف کی گردن میں لپٹا ہوا تھا اور اس کی ناک کی ہڈی منہ میں لے کر چوس رہا تھا۔ سب لوگ اس کی یہ حالت دیکھ کر ڈر گئے اور عورت سے کہا کہ قادر مطلق نے اس کو اس کے اعمال کی سزا دے دی ہے اور تو نے جس بات کا ارادہ کیا تھا اب اس کے انتقام سے درگزر کر اس کے لیے اتنا ہی عذاب کافی ہے۔ عورت نے کہا ہرگز ہرگز نہیں، میں نے خدا سے جس بات کا عہد کیا ہے جب تک اس کو پورا نہ کر لوں گی مسرف کی قبر سے نہ ہٹوں گی، پھر اس عورت نے کہا اس کو پیروں کی جانب سے نکالو دیکھا وہاں بھی ایک اژدہا اسی طریقہ پر لپٹا ہوا ہے۔ اس عورت نے وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور نہایت گریہ وزاری کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دربار خداوندی میں دعا کی کہ اے خدائے قہار تو جانتا ہے کہ مسرف بن عقبہ پر میرا غصہ تیری رضامندی کے لیے ہے مجھ کو موقع اور قدرت دے کہ میں اس کو یہاں سے نکال کر آگ میں جلاؤں اس کے بعد ایک لکڑی لی اور اس سانپ کے دم پر ماری وہ سانپ اس کے سر سے جدا ہو کر باہر چلا گیا، عورت نے اپنے غلاموں سے کہا کہ اس کو قبر سے باہر نکال کر جلاؤ (چنانچہ باہر نکال کر جلایا گیا) (البدایہ والنہایہ ص ۲۱۸ ج ۸، تاریخ طبری ص ۳۳۸ ج ۴، جذب القلوب ص ۴۴، تاریخ کامل ص ۱۲۰ ج ۴)

مجھے شمشیر نیام سے نکالنا پڑے گی۔ یہ پیغام بھیج کر مسرف بن عقبہ انتظار کرنے لگا مگر اہل مدینہ لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔ آخر مسرف بن عقبہ نے حرہ کی جانب سے مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا۔ اہل مدینہ نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور شامی لشکر کا منہ پھیر دیا لیکن مسرف بن عقبہ کی تجربہ کاری اور مکاری سے آخر میں مدینہ منورہ والوں کو شکست ہوئی۔ عبداللہ بن حنظلہ، فضیل بن عباس بن عبدالمطلب، محمد بن ثابت بن قیس، عبداللہ بن زید بن عاصم وغیرہ بہت سے سرداران مدینہ منورہ جنگ میں شہید ہوئے، مسرف بن عقبہ کی فوج فاتح طور پر مدینہ منورہ میں داخل ہوئی۔ مسرف بن عقبہ نے تین دن تک قتل عام اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری رکھا، چوتھے دن مسرف بن عقبہ نے قتل عام کو موقوف کر کے یزید کی بیعت کا حکم دیا جس نے بیعت کا اقرار کر لیا وہ بچ گیا جس نے انکار کیا وہ قتل ہوا۔ جب مسرف بن عقبہ اہل مدینہ کو بلا کر قتل کر رہا تھا تو ابن جریر لکھتے ہیں کہ علی بن الحسین (امام زین العابدین) کو بھی مسرف بن عقبہ کے پاس لایا گیا۔ مسرف نے پوچھا یہ کون ہیں کہا گیا علی بن حسین (امام زین العابدین) ہیں مسرف بن عقبہ نے امام زین العابدین کو اپنے قالین اور تخت پر بٹھا لیا اور کہنے لگا کہ امیر المومنین نے تمہارے متعلق مجھے کہا ہے کہ امام زین العابدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، پھر مسرف بن عقبہ نے کہا کہ آپ کے یہاں آنے سے آپ کے اہل وعیال کو تشویش ہو رہی ہوگی اس لیے آپ اگر واپس جانا چاہیں تو تشریف لے جائیں۔ امام زین العابدین نے فرمایا، ٹھیک ہے میں جاتا ہوں تو اس نے گھوڑا منگوایا اور امام زین العابدین کو گھوڑے پر سوار کر کے واپس بھیجا۔ (تاریخ طبری ص ۳۳۵ ج ۴)

سوال:

بعض لوگوں سے سنا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ امام زین العابدین نے یزید کی

بیعت کرلی تھی، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

جواب:

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ واقعہ کربلا کے بعد امام زین العابدین نے اپنے آپ کو سیاسی قصوں سے الگ تھلگ کرلیا تھا۔ اپنی زندگی عبادت وریاضت میں گزارنا شروع کردی تھی۔ مدینہ منورہ کے باہر عقیق نامی وادی کے کنارے ینبع کے مقام پر اپنا مکان بنالیا، اپنے بال بچوں اور خاندان والوں کے ساتھ صبر وشکر کے ساتھ زندگی کے دن پورے کررہے تھے۔ حکومت وقت (یزید) کو بھی علم تھا کہ امام زین العابدین علیہ السلام دنیاوی اور سیاسی حالات سے الگ تھلگ رہتے ہیں لہٰذا یزید نے بیعت وغیرہ کے متعلق بات ہی نہیں کی اور نہ ہی مسرف بن عقبہ نے امام زین العابدین علیہ السلام کو کہا ہے کہ آپ بھی یزید کی بیعت کا اقرار کریں۔ چنانچہ ابن تاثیر لکھتے ہیں:

ولم یلزمه بالبیعة یزید علی ما شرط علی اهل المدینة۔ (تاریخ کامل ص ۱۲۰ ج ۴)

کہ مسرف بن عقبہ نے امام زین العابدین علیہ السلام کو یزید کی بیعت کرنے کے لیے نہیں کہا جیسے کہ وہ اہل مدینہ کو یزید کی بیعت کے لیے کہہ رہا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ نہ یزید نے بیعت کے لیے کہا ہے اور نہ ہی اس کے خون خوار کتے مسرف بن عقبہ نے امام زین العابدین علیہ السلام کو بیعت کے لیے کہا ہے تو پھر یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے یزید کی بیعت کی ہو، نیز یزید کے کرتوت امام زین العابدین علیہ السلام کے سامنے تھے کہ اس نے امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو ظلماً شہید کرایا اور سیدہ زینب، فاطمہ بنت علی اور دیگر اہل بیت رسول کی توہین کی اور امام حسین علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر چھڑی ماری اور امام حسین کے قتل پر خوشی کی اور کہا کہ میں نے

حسین کو قتل کر کے جنگ بدر کا بدلہ لیا ہے اور مدینہ منورہ پر مسرف بن عقبہ کو بھیج کر حملہ کرایا اور اولاد صحابہ کو شہید کرایا۔ یزیدی فوج نے مسجد نبوی کی توہین کی، ریاض الجنۃ میں گھوڑے باندھے، تین دن کے لیے مدینہ منورہ کو ہر برے کام کے لیے مباح کیا اور یزیدی شامی کتوں نے مدینہ منورہ کی پاک خواتین کے ساتھ زنا بالجبر کیا اور ان خواتین نے ہزار سے زائد حرامزادہ بچوں کو جنم دیا۔ پھر یزید نے حصین بن نمیر کے ذریعہ حرم مکہ پر سنگ باری کرائی۔ غلاف کعبہ کو آگ لگائی، ان کرتوتوں کے ملاحظہ کرنے کے بعد کیا امام زین العابدین یزید کی بیعت کر سکتے تھے، ہرگز ہرگز نہیں، غرضیکہ واقعہ کربلا کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے آپ کو سیاسی حالات و واقعات سے الگ تھلگ کر لیا تھا۔ آپ سے نہ یزید نے بیعت کا مطالبہ کیا ہے اور نہ ہی یزید کے کسی گماشتے نے امام زین العابدین کو بیعت کے لیے کہا ہے اور نہ ہی امام زین العابدین نے یزید کی بیعت کی ہے اور سائل نے جو بات سنی ہے وہ خارجیوں کی وضع کردہ ہے۔ یہ انہوں نے اس طرح ہی بات بنالی ہے جیسا کہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے متعلق بنائی ہوئی ہے کہ امام حسین نے عمرو بن سعد کو میدانِ کربلا میں کہا تھا کہ مجھے چھوڑ دو، میں دمشق جا کر یزید کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا چنانچہ سبط ابن جوزی (المتوفی ۶۵۴ھ) لکھتے ہیں:

> قلت و قد وقع فی بعض النسخ ان الحسین علیہ السلام قال لعمرو بن سعد دعونی امضی الی المدینۃ او الی یزید فاضع یدی فی یدہ ولا یصح ذالك و عنه فان عقبۃ بن سمعان قال صحبت الحسین من المدینۃ الی العراق ولم ازل معه الی ان قتل واللہ ما سمعته قال ذالك۔ (تذکرۃ الخواص ص ۲۲۴)

ترجمہ: ”بعض نسخوں میں واقع ہوا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے عمرو بن سعد کو کہا کہ مجھے چھوڑ دو یا تو میں مدینہ منورہ چلا جاتا ہوں یا یزید کے پاس جا کر اس کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا (سبط ابن جوزی کہتے ہیں) یہ بات صحیح نہیں ہے (بلکہ غلط ہے) کیونکہ عقبہ بن سمعان کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ سے لے کر عراق تک امام حسین علیہ السلام کے ساتھ رہا اور ان سے جدا نہیں ہوا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ اللہ کی قسم میں نے ان سے کبھی بھی یہ بات (کہ میں یزید کی بیعت کرلوں گا) نہیں سنی۔“

اب ظاہر ہوا جیسے کہ خوارج اور مروانیوں نے یہ بات گھڑ لی تھی کہ امام حسین علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں یزید کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا، اسی طرح خوارج اور مروانیوں نے یہ روایت بھی گھڑ لی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے یزید کی بیعت کر لی تھی۔ بہر صورت امام زین العابدین علیہ السلام نے کبھی بھی یزید کی بیعت نہیں کی اور نہ ہی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میں یزید کی بیعت کر لیتا ہوں۔ سائل نے جو سنا ہے وہ سفید جھوٹ سنا ہے۔

سوال:

علامہ ابن سعد (المتوفی ۲۳۰ھ) نے طبقات کبریٰ میں ذکر کیا ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب مسرف بن عقبہ نے واقعہ حرہ میں میرے والد امام زین العابدین علیہ السلام کو بلایا اور آپ مسرف بن عقبہ کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے آپ کو مرحبا کہا اور اپنے تخت پر بیٹھنے کے لیے جگہ دی اور مسرف بن عقبہ نے کہا کہ مجھے امیر المومنین (یزید) نے کہا تھا کہ امام زین العابدین سے حسن سلوک سے پیش آنا۔ بایں وجہ میں آپ سے حسن سلوک سے پیش آیا ہوں تو اس کے جواب میں میرے والد (امام زین

العابدین) نے کہا: "وصل اللہ امیر المومنین" کہ اللہ امیر المومنین (یزید) کو صلہ دے۔ علامہ ابن سعد کی روایت سے ثابت ہوا کہ امام زین العابدین علیہ السلام یزید کو امیر المومنین سمجھتے تھے تو پھر اہلِ سنت و جماعت یزید کو لعنتی اور کافر کیوں کہتے ہیں؟

جواب:

علامہ ابن سعد نے طبقات کبریٰ میں امام باقر علیہ السلام سے جو روایت ذکر کی ہے یہ موضوع (من گھڑت، جھوٹی) روایت ہے کیونکہ اس کی سند میں تین راوی ہیں جن میں سے دو تو کذاب اور وضاع ہیں اور ایک غیر معروف ہے۔ پہلا راوی محمد بن عمر ہے، اس کے متعلق حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ محمد بن عمر واقدی کذاب ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے، امام بخاری اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے، نیز ابو حاتم کہتے ہیں کہ واقدی حدیثیں وضع کرتا تھا۔ نسائی بھی کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ دارقطنی کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے، ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی احادیث محفوظ نہیں ہیں۔ ابن مدینی کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔

(میزان الاعتدال ص ۶۶۲ ج ۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی محمد بن عمر واقدی (المتوفی ۲۰۷ھ) کے متعلق لکھتے ہیں کہ بخاری نے کہا کہ واقدی متروک الحدیث ہے، اس کو امام احمد بن حنبل اور عبد اللہ بن مبارک، ابن نمیر اور اسماعیل بن زکریا نے ترک کیا ہے اور بخاری نے یہ بھی کہا ہے کہ امام احمد نے اس کو کاذب کہا ہے۔ معاویہ بن صالح نے کہا کہ مجھے احمد بن حنبل نے کہا واقدی کذاب ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا کہ یہ ضعیف ہے اور یہ بھی کہا کہ یہ لیس بشئ ہے (یعنی کچھ بھی نہیں) نسائی نے کہا واقدی مشہور کذاب ہے۔ ابن عدی نے کہا کہ واقدی کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں۔ اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ وہ حدیثیں

وضع کرتا تھا۔ ابو زرعہ رازی اور ابو بشر دولابی اور عقیلی نے کہا واقدی متروک الحدیث ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ ابو حاتم نے کہا کہ واقدی احادیث وضع کرتا تھا۔ علامہ ساجی نے کہا کہ واقدی کی حدیث میں نظر (اعتراض) ہے۔ علامہ نووی نے کہا کہ واقدی بالاتفاق ضعیف ہے۔ ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ واقدی کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔ (تہذیب التہذیب ص ۳۶۳ ج ۹)

اس سے ظاہر ہے کہ جب اصحاب جرح و تعدیل کے نزدیک واقدی صرف ضعیف ہی نہیں بلکہ کذاب اور وضاع بھی ہے تو اس کی مروی روایت موضوع ہے۔

سوال:

واقدی کو اگرچہ جمہور اصحاب جرح و تعدیل نے مجروح اور کذاب قرار دیا ہے مگر بعض نے اس کو ثقہ اور صادق بھی کہا ہے چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فتاویٰ رضویہ ص ۲۷۶ ج ۲ میں اس کی توثیق ذکر کی ہے فرماتے ہیں کہ واقدی کو جمہور اہل اثر چنیں و چناں کہا جس کی تفصیل میزان وغیرہ کتب فن میں مسطور لاجرم تقریب میں کہا **متروك مع سعة علمه** اگرچہ ہمارے نزدیک توثیق ہی راجح **كما افاده المحقق فی فتح القدیر** جب اعلیٰ حضرت اس کی توثیق بیان کر چکے ہیں تو اس کی روایت کو وہ حدیث موضوع نہ ہوئی۔

جواب:

اعلیٰ حضرت نے اگرچہ واقدی کی توثیق بیان فرمائی ہے لیکن اس زیر بحث روایت میں اس کی توثیق غیر معتبر ہے کیونکہ اس روایت میں واقدی جس سے روایت کر رہا ہے یعنی جو واقدی کا شیخ اور استاد ہے وہ بلا اختلاف کذاب اور وضاع ہے لہٰذا یہ روایت بایں وجہ موضوع ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی واقدی کے شیخ ابو بکر بن

عبداللہ بن ابی سبرہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ صالح بن احمد نے اپنے باپ سے ذکر کیا ہے

- ابوبکر بن عبداللہ بن ابی سبرہ احادیث وضع کرتا تھا (یعنی جھوٹی حدیثیں بیان کرتا تھا)

عبداللہ بن احمد نے کہا کہ میرے باپ (احمد بن حنبل) نے کہا یہ لیس بشیٔ ہے یعنی کسی کام کا نہیں ہے اور یہ حدیثیں وضع کرتا تھا اور جھوٹ بولتا تھا۔ علامہ دوری اور معاویہ بن صالح نے ابن معین سے روایت کی ہے اور ابن معین فرمایا کرتے تھے کہ اس کی حدیث کچھ بھی نہیں ہے اور علامہ غلابی نے یحییٰ بن معین سے بیان کیا ہے کہ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ابی بن سبرہ ضعیف الحدیث ہے۔ علامہ جوزجانی نے کہا کہ اس کو حدیث میں ضعیف سمجھا گیا ہے۔ یعقوب بن سفیان نے کہا کہ اس سے روایت بیان کرنے میں اعراض کیا جاتا ہے۔ بخاری نے اس کو ضعیف اور منکر الحدیث کہا ہے۔ نسائی نے کہا کہ متروک الحدیث ہے۔ ابن عدی نے کہا عام طور پر اس کی احادیث غیر محفوظ ہیں اور نیز یہ احادیث وضع کرتا تھا۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ راویوں سے موضوع روایات بیان کرتا تھا اور یہ قابل احتجاج نہیں ہے۔ امام حاکم نے کہا کہ یہ موضوع روایات بیان کرتا تھا۔ ابو احمد نے کہا کہ یہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے اور یہ ۱۶۲ھ میں بغداد میں فوت ہوا۔ (تہذیب التہذیب ص ۲۷ ج ۱۲)

اب اس زیر بحث روایت میں واقدی کا استاد ابوبکر بن عبداللہ بن ابی سبرہ ہے جو تمام محدثین کے نزدیک وضاع اور کذاب ہے لہٰذا یہ روایت جس میں وصل اللہ امیر المومنین ہے موضوع اور من گھڑت ہے۔ تیسرا راوی یحییٰ بن شبل ہے جو کہ غیر معروف ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ ذہبی دونوں لکھتے ہیں یحییٰ بن شبل لا یعرف کہ یحییٰ بن شبل غیر معروف ہے۔

(لسان المیزان ص ۳۲۴ ج ۷، میزان الاعتدال ص ۳۸۵ ج ۴)

غرضیکہ علامہ ابن سعد نے امام باقر علیہ السلام سے جو روایت کی ہے کہ میرے والد

(امام زین العابدین) نے مسرف بن عقبہ کے سامنے یزید کو وصل اللہ امیر المومنین کہا تھا، یہ روایت موضوع اور جھوٹی ہے۔ اس میں واقدی کی اگر توثیق مان بھی لی جائے تو پھر بھی یہ روایت اس کے استاد ابوبکر بن عبداللہ بن ابی سبرہ کے کذاب اور وضاع ہونے کی وجہ سے موضوع (من گھڑت) ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے کبھی بھی یزید کو نہ امیر المومنین کہا ہے اور نہ ہی اس کے لیے دعائے صلہ فرمائی ہے۔

اہل سنت و جماعت اگر یزید کو لعنتی یا اس کو کافر کہتے ہیں تو وہ یزید کے کرتوتوں کی وجہ سے کہتے ہیں کہ اس نے امام حسین علیہ السلام کو ظلماً شہید کرایا اور امام حسین علیہ السلام کے قتل پر راضی ہوا اور کہا کہ میں نے امام حسین کو قتل کرا کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے قرضے اتار لیے ہیں۔ نیز سیدہ زینب بنت علی اور فاطمہ بنت علی و دیگر اہل بیت کی توہین کی اور مدینہ منورہ پر مسرف بن عقبہ کے ذریعہ حملہ کرا کے اہل مدینہ کو تباہ و برباد کیا۔ اہل مدینہ کی باپردہ خواتین کی عزت و حرمت لوٹی، مسجد نبوی کے ریاض الجنۃ کے مقام پر گھوڑے باندھے اور شامی فوجوں کے لیے تین دن تک مدینہ منورہ کو برے کاموں کے لیے مباح کیا پھر مکہ مکرمہ پر ابن نمیر کو کہہ کر سنگ باری کرائی، خانہ کعبہ کو آگ لگائی جس سے غلافِ کعبہ بھی جل گیا۔ ان مذکورہ بالا کرتوتوں کی وجہ سے علماء محققین اہل سنت و جماعت نے یزید پلید کو ملعون اور کافر کہا ہے۔ قاضی زاہد حسین دیوبندی اپنی کتاب احسن الفوائد میں لکھتے ہیں اور حق بات یہ ہے کہ حسین علیہ السلام کے قتل پر یزید کا راضی اور خوش ہونا اور اہل بیت نبوی کی بے حرمتی کرنا ایسی روایات سے ثابت ہے کہ جو متواتر المعنیٰ ہیں اگرچہ ان کی تفصیل خبر احاد ہوں لہٰذا ہم اس کی شان بلکہ ایمان میں کسی قسم کا توقف نہیں کرتے اور اس پر اور اس کے معاونین پر اللہ کی لعنت ہو۔ (احسن الفوائد حل شرح عقائد ص ۱۸۱)

نیز احسن الفوائد کی تائید و تصدیق علامہ ابراہیم دیوبندی نے بھی کی ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ ان علمائے دیوبند کے نزدیک بھی یزید کافر اور لعنتی ہے۔

سوال:

امام زین العابدین علیہ السلام نے واقعہ حرہ میں شرکت نہیں کی تھی اور نہ ہی اہل مدینہ کے خروج کے وقت ان کا ساتھ دیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ بنو امیہ کی حکومت (یعنی یزید) سے راضی تھے۔

جواب:

امام زین العابدین علیہ السلام نے واقعہ حرہ میں شرکت نہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عمل کیا ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک دن آئے گا کہ ایک برا شخص مدینہ منورہ سے اہل مدینہ کو نکال دے گا، بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے ایک قبیلہ سے ہوگی۔ عرض کیا اس وقت یارسول اللہ ہمارے لیے کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مخلوق سے گوشہ نشینی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مدینہ منورہ میں لڑائی ہوگی اور وہ دین کو ایسا صاف کر دے گی جس طرح سر کے بال مونڈ دیتے ہیں اس دن مدینہ منورہ سے باہر نکل جاؤ اگرچہ ایک منزل کی مقدار ہو اور یہ بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اے اللہ مجھ کو ۶۰ ہجری کے حوادث اور لڑکوں کی حکومت سے محفوظ رکھ اور اس وقت کے آنے سے پہلے مجھے دنیا سے اٹھا لے۔ یہ اشارہ یزید کے زمانے کی طرف ہے۔ یزید ۶۰ ہجری میں تخت نشین ہوا اور حرہ کا واقعہ یزید کے دور حکومت میں وقوع پذیر ہوا اور یہ بھی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر میں باہر تشریف لے گئے جب حرہ میں پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور آیت انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھی، صحابہ نے سمجھا شاید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

معلوم ہو گیا ہے کہ سفر کا انجام اچھا نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے پوچھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے کیا دیکھا جو ”استرجاع“ انا للہ و انا الیہ راجعون فرمایا۔ آپ نے جواب دیا کوئی ایسا امر نہیں ہے جس کا تمہارے سفر سے تعلق ہو۔ صحابہ نے عرض کیا پھر کیا بات ہے، ہم کو بھی معلوم ہونی چاہیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اس مقام حرہ میں میری امت کے بہترین لوگ شہید ہوں گے۔ (وفاء الوفا ص ۱۲۴ ج ۱)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جس وقت آپ ﷺ حرہ کے مقام پر پہنچے تھے تو اپنے دست مبارک سے اشارہ فرما کر کہا کہ اس حرہ میں میری امت کے بہترین لوگ شہید ہوں گے اور ابن عباس ؓ سے بھی اس طرح کی روایت ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانے میں ایک دفعہ بہت بارش ہوئی اور حضرت عمر فاروق ؓ اپنے دوستوں کے ساتھ سیر کے لیے نکلے جب مقام حرہ پر پہنچے تو دیکھا کہ پانی کے رو وادی کی ہر جانب رواں تھی کعب احبار بھی آپ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا اے امیر المومنین! خدا کی قسم جس طرح یہ پانی بہہ رہا ہے اسی طرح خون کی رو بھی اس وادی میں ہو گی۔ (جذب القلوب ص ۳۴)

اس سے ظاہر ہے کہ جب واقعہ حرہ کا ذکر کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ حادثہ رونما ہو تو اہل مدینہ کو مدینہ سے باہر نکل جانا چاہیے اور علیحدگی کر لینی چاہیے تو امام زین العابدین ؑ نے ان احادیث پر عمل کرتے ہوئے واقعہ حرہ میں شرکت نہیں کی بلکہ مدینہ منورہ سے باہر ایک وادی کے کنارے اقامت اختیار فرما لی۔ باقی سائل نے جو یہ کہا ہے کہ امام زین العابدین ؑ نے واقعہ حرہ میں شمولیت نہ کر کے بنو امیہ (یزید) کی حکومت کے ساتھ راضی ہونے کا ثبوت دیا ہے، صریح غلط ہے کیونکہ امام زین العابدین ؑ کا واقعہ حرہ میں شرکت نہ کرنا اور بنو امیہ کے خلاف خروج کی کسی تحریک میں شامل نہ ہونا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ امام زین

العابدین علیہ السلام بنی امیہ سے راضی تھے۔ سائل نے جو سوال کیا ہے اسی قسم کا سوال حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی کیا گیا تھا۔ آپ جب بنی امیہ کے خلاف خروج کی کسی تحریک میں شامل نہیں ہوتے تو کیا آپ بنو امیہ سے راضی ہیں جو جواب میں حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”میں بنو امیہ سے راضی ہوں؟ خدا ان کا ستیاناس کرے۔ کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم کو حلال کر لیا اور تین دن اس کے باشندوں کا قتل عام کرتے پھرے اور اپنے نبطی اور قبطی سپاہیوں کو اس میں سب کچھ کرنے کی چھوٹ دے دی اور وہ شریف دیندار خواتین پر حملے کرتے رہے اور کسی حرمت کی ہتک کرنے سے نہ رکے۔ پھر بیت اللہ پر چڑھ دوڑے اس پر سنگ باری کی اور اس کو آگ لگائی ان پر خدا کی لعنت ہو اور وہ برے انجام دیکھیں۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۸۴)

جیسے حسن بصری کو طعن دیا گیا کہ آپ جو بنی امیہ کے خلاف خروج کی کسی تحریک میں شامل نہیں ہوتے کیا آپ بنو امیہ سے راضی ہیں تو آپ نے جواب میں کہا کہ میں کیسے ان سے راضی ہو سکتا ہوں یعنی میں ان سے ہرگز راضی نہیں ہوں، اسی طرح اگر امام زین العابدین واقعہ حرہ میں شامل نہیں ہوئے اور بنو امیہ کے خلاف خروج نہیں کیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ بنو امیہ سے راضی تھے۔

سوال:

بعض کتب تاریخ میں ہے کہ واقعہ حرہ کے موقع پر مروان بن حکم نے اہل مدینہ کے خوف سے اپنے اور بنو امیہ کے خاندان والوں کے اہل وعیال کو امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس بھیج دیا تھا تاکہ وہ محفوظ رہیں اور امام زین العابدین علیہ السلام نے یہ ذمہ اٹھا لیا تھا کہ میں تمہارے بیوی بچوں کی حفاظت کروں گا، اس سے ظاہر ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام یزیدیوں اور مروانیوں کی حمایت کر رہے تھے۔

جواب:

واقعہ حرہ میں جب مسرف بن عقبہ نے مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا تو متعدد لوگوں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے ہاں جا کر پناہ لے لی تھی۔ اسی طرح جب اہل مدینہ نے مسرف بن عقبہ کے حملہ سے پہلے امیہ خاندان والوں کا محاصرہ کر لیا تھا تو مروان نے اہل مدینہ کے خوف اور ڈر کی وجہ سے اپنے اہل وعیال اور امیہ خاندان کے اہل وعیال کے لیے امام زین العابدین علیہ السلام سے پناہ تلاش کی امام زین العابدین علیہ السلام چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے تھے جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر دشمنوں کو پناہ دی تھی، بلکہ فرمایا جو ابوسفیان کے گھر پناہ لے ہم اس کو بھی معاف کر دیں گے۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ اپنے اور اپنے خاندان کے اہل وعیال کے لیے پناہ تلاش کر رہا ہے تو امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے یہاں پہلے سے ہی کافی لوگ پناہ لے کر پڑے ہیں تم بھی اگر چاہتے ہو تو اہل وعیال کو چھوڑ جاؤ، اس سے یہ کب لازم آیا کہ امام زین العابدین علیہ السلام مروان بن حکم اور بنو امیہ اور یزید کے کرتوتوں سے راضی ہو گئے تھے بلکہ حادثہ کربلا کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام نے دل برداشتہ ہو کر اپنے آپ کو سیاسی قصوں سے الگ تھلگ کر لیا تھا اسی وجہ سے آپ نے اہل مدینہ سے بیعت نہ لی تھی بلکہ جب ابن نمیر نے مکہ پر حملہ کیا اور ابن زبیر سے مقابلہ کیا اس کو اطلاع ہوئی کہ یزید مر گیا تو واپس ہوا۔ جب واپسی کے موقع پر مدینہ منورہ پہنچا تو امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں آپ کو تمام دنیائے اسلام کی خلافت وحکومت سپرد کرتا ہوں اور آپ علیہ السلام مجھ سے بیعت لیں تو آپ نے ابن نمیر کو صاف جواب دیا کہ مجھے دنیا کی حکومت سے لگاؤ نہیں ہے تم کسی اور کی تلاش کرو، اس سے واضح تر ہوا کہ آپ دنیاوی مفاد اور سیاسی واقعات سے

علیحدہ ہو کر صبر و شکر کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اگر امام زین العابدین علیہ السلام نے کسی مشکل وقت میں اپنے دشمن کے اہل و عیال کو پناہ دی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ دشمن کے کرتوتوں سے بھی راضی ہو گئے تھے۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی زندگی میں کبھی بھی یزیدیوں اور مروانیوں کی حمایت نہیں کی۔

سوال:

بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ جب واقعہ حرہ پیش آیا تو امام زین العابدین علیہ السلام نے مدینہ منورہ کے حالات لکھ کر یزید کو بھیجے تھے اور اپنی نسبت لکھا کہ میں تمہارا وفادار ہوں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام یزید کو حق پر سمجھتے تھے۔

جواب:

یہ غلط ہے۔ یہ بنو امیہ حکومت کے حامی ناصبی اور خارجی راویوں نے امام زین العابدین علیہ السلام پر الزام لگانے کے لیے روایت گھڑی ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کے سامنے واقعہ کربلا ہوا ہے۔ آپ نے اپنی موجودگی میں اپنے بھائیوں، عزیزوں اور اپنے والد گرامی کی شہادت دیکھی ہے اور آپ کو یہ بھی علم ہے کہ یہ تمام کام ابن زیاد نے یزید پلید کے کہنے پر کیا ہے۔ چنانچہ سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ جب امام زین العابدین دمشق میں یزید کے پاس گئے تو یزید کہنے لگا کہ تو اس کا بیٹا ہے جس کو خدا نے قتل کیا ہے تو امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

انا ابن من قتلتهٗ ثم قراء من قتل مؤمنا متعمداً۔

ترجمہ: ”میں اس کا بیٹا ہوں جس کو تو نے قتل کیا ہے۔“

پھر آپ نے یہ آیت من قتل مؤمنا متعمداً پڑھی۔

(تذکرہ الخواص ص ۶۵)

اور امام زین العابدین علیہ السلام کے سامنے یزید نے اہل بیت کی توہین اور گستاخی بھی کی تھی نیز جب امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک یزید کے دربار میں لایا گیا تو یزید نے توہین آمیز رویہ اختیار کرتے ہوئے چہرہ انور پر چھڑی مار کر فخر وغرور کے ساتھ کہا کہ میں نے اولاد رسول سے جنگ بدر کا بدلہ لے لیا ہے، اندریں حالات یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے اہل مدینہ کے خلاف یزید کو خط لکھا ہو یزید تو امام زین العابدین علیہ السلام کا دشمن تھا اور دشمن کے ساتھ تو کوئی بھی وفاداری کا رشتہ نہیں جوڑتا، نیز امام زین العابدین علیہ السلام اہل مدینہ کے خلاف کوئی بات نہ کر سکتے تھے جب کہ آپ علیہ السلام کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح ارشادات موجود تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا یکید اهل المدینة احد الا انماع کما ینماع الملح فی الماء متفق علیه۔ (مشکوٰۃ ۲۴۰)

ترجمہ: "جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ مکر وفریب کرے گا وہ اس طرح پگھل جائے گا جیسے کہ نمک پانی میں پگھلتا ہے۔"

نسائی نے سائب بن خلاد سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو اہل مدینہ پر ظلم کرتا ہے اور ان کو خوف زدہ کرتا ہے، وہ خدا تعالیٰ کو خوف زدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہے (فتح الباری ص ۲۳۵)

مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح گھلا دیتا ہے جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ (مسلم صفحہ ۴۴۰ البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۲۳ ج ۸)

ان واضح ارشادات کے موجود ہوتے ہوئے کیا امام زین العابدین علیہ السلام اہل مدینہ کے خلاف یزید پلید کے ساتھ خفیہ رابطہ رکھ سکتے تھے؟ سائل نے جو بعض تاریخوں کے حوالہ سے ذکر کیا ہے وہ روایت چونکہ ناصبی اور خارجی راویوں کی ہے لہٰذا وہ غیر معتبر ہے۔

سوال:

طبقات ابن سعد میں ہے کہ محدث زہری کہا کرتے تھے کہ مروان بن حکم اور عبدالملک بن مروان دونوں باپ بیٹا امام زین العابدین علیہ السلام کو بہت پسند کرتے تھے جس سے ظاہر ہے کہ تعلقات جانبین سے ہوتے ہیں اگر یہ دونوں باپ بیٹا امام زین العابدین علیہ السلام کو پسند کرتے تھے تو امام زین العابدین علیہ السلام بھی ان کو چاہتے ہوں گے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام اموی حکومت کی حمایت اور طرف داری کرتے تھے۔

جواب:

یہ روایت بھی غلط ہے کہ مروان بن حکم[1] اور عبدالملک بن مروان دونوں باپ

---

[1] مروان بن حکم بن ابی العاص ابن امیہ بن شمس بن عبد مناف ۶۴ھ میں بادشاہ بنا چنانچہ یزید بن معاویہ کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا معاویہ بن یزید بادشاہ بنا جس نے صرف چالیس دن حکومت کی پھر اس نے حکومت چھوڑ دی اور شامی لوگوں نے مروان بن حکم کو بادشاہ بنالیا مروان کو ابن طرید بھی کہا جاتا ہے، یعنی نکالے ہوئے کا بیٹا اس کے باپ الحکم کو رسول اللہ ﷺ نے مدینے سے نکال دیا تھا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے الحکم کو واپس اپنے پاس بلالیا اور مروان کو ابن زرقاء بھی کہا جاتا ہے، زرقاء مروان کی دادی کا نام ہے یہ ان عورتوں سے تھی جن کے گھروں پر زمانہ جاہلیت میں جھنڈیاں اس لیے لگی رہتی تھیں تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ بدکار عورتوں کا گھر ہے بایں وجہ مروان کو ابن زرقاء کہتے تھے مروان نے بادشاہ بننے کے بعد خالد کی ماں یعنی یزید بن معاویہ کی بیوی سے نکاح کرلیا تا کہ خالد بن یزید بن معاویہ اس کے راستے سے ہٹ جائے ایک دن خالد بن یزید مروان کے پاس گیا تو مروان نے اس کی ہتک کی اور کہا کہ خالد ابن رطبہ (بڑی سرین والی عورت کا بیٹا ہے خالد واپس اپنی ماں کے پاس آیا اور تمام بات بتادی خالد کی ماں جس کا نام ام خالد تھا یہ ابو ہشام بن عقبہ کی پوتی تھی) نے کہا کہ تم خاموش ہو جاؤ میں مروان سے پوچھ لوں گی جب مروان اس کے پاس آیا تو مروان نے کہا خالد نے =

بیٹا امام زین العابدین کو پسند کرتے تھے اور ان کے باہمی اچھے تعلقات اور روابط تھے کیونکہ اگر امام زین العابدین علیہ السلام کو پسند کرتے تھے یا ان کے ساتھ اچھے تعلقات تھے تو عبدالملک بن مروان[1] نے اپنے دورِ حکومت میں امام زین العابدین علیہ السلام کو گرفتار

= میرے متعلق تمہارے ساتھ کوئی بات نہیں کی ہے تو ام خالد نے کہا خالد تمہاری عزت کرتا ہے وہ تمہارے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا مروان مطمئن ہو گیا ایک رات جب مروان ام خالد کے گھر سو رہا تھا تو ام خالد نے اس کے منہ پر تکیہ رکھ کر اتنا دبایا کہ مروان مر گیا ان کی حکومت صرف 9 ماہ اٹھارہ دن رہی ۹۵ھ میں مرا۔

(تاریخ طبری ۴۴۳)

[1] ۶۵ ہجری میں مروان بن حکم مر گیا اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک بادشاہ بنایہ۔ بہت عقل مند تھا اس کی سیاست بہت سخت تھی اس نے حجاج بن یوسف ثقفی جیسے ظالم حاکم کو لوگوں پر مسلط کیا اور ۷۱ھ میں عبدالملک کا مقابلہ امیر عراق مصعب بن زبیر سے ہوا جس میں مصعب بن زبیر مارے گئے پھر ۷۳ھ میں عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو عبداللہ بن زبیر کے مقابلے کے لیے روانہ کیا، عبداللہ بن زبیر مکہ میں تھے۔ عراق اور حجاز والوں نے ان کو اپنا بادشاہ مقرر کر لیا لیکن عبداللہ بن زبیر چونکہ سخی نہ تھے لہٰذا وہ حصول حکومت میں کامیاب نہ ہو سکے حجاج نے مکہ کا محاصرہ کر لیا اور کعبہ پر پتھر برسائے اور عبداللہ بن زبیر کے ساتھی ان کو چھوڑنے لگے آخر کار یہ حجاج کی فوجوں سے لڑتے لڑتے قتل ہو گئے حجاج بن یوسف نے ان کے قتل کی خوشخبری عبدالملک کے پاس بھیج دی عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو ظلم کرنے کے لیے کھلی چھٹی دی ہوئی تھی لہٰذا اس نے کوئی جرم اور ظلم نہیں چھوڑا جس کا ارتکاب نہ کیا ہو، بلاوجہ لوگوں کو قتل کیا، صحابہ کی توہین کی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گلے میں رسیاں ڈال کر ان کو ذلیل کیا اور لوگوں کو بلا گناہ جیل میں ڈال دیا اور اس حجاج بن یوسف نے عبدالملک کے حکم سے امام زین العابدین علیہ السلام کو گرفتار کر کے آپ کے ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا دیں اس نے جتنے ظلم اور جرم کیے ان تمام کا براہ راست ذمہ دار عبدالملک بن مروان ہے جب عبدالملک بیمار ہوا تو اس نے کہا کہ مجھے کسی اونچی جگہ پر بٹھا دو، جب ایک بلند جگہ پر بٹھایا گیا جہاں اس نے تازہ ہوا میں سانس لی پھر کہنے لگا اے دنیا تو کتنی اچھی ہے تیری طویل زندگی بھی دراصل مختصر ہے اور تیرا بہت کچھ دیا ہوا بھی تھوڑا ہے بے شک ہم تیرے متعلق دھوکے میں رہے۔ ۸۶ھ میں اس کی موت ہوئی اور اس کے بیٹے ولید نے جنازے کی نماز =

کیوں کیا تھا اور ان کے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مدینہ منورہ سے باہر کیوں نکالا تھا چنانچہ ابن حجر مکی (المتوفی ۹۷۴ھ) میں لکھتے ہیں کہ شہاب الدین زہری (المتوفی

= بڑھائی اس کے بعد اس کا بیٹا ولید بن عبدالملک بادشاہ بنا اس نے امام زین العابدین علیہ السلام کو زہر دے دیا جس سے امام زین العابدین علیہ السلام کی وفات ہوئی اور ولید ۹۶ھ میں مر گیا، اس کے بعد اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک بادشاہ بنا اس نے حجاج بن یوسف کے مقرر کردہ حاکموں کو معزول کر دیا اور جن لوگوں کو حجاج نے قید میں ڈال رکھا تھا ان کو بھی آزاد کر دیا، اس نے اپنا وزیر عمر بن عبدالعزیز کو بنایا اور ان کے مشورے سے ہی یہ کام کرتا تھا یہ خوبصورت بھی تھا، روایت ہے کہ ایک دن اس نے سبز لباس پہنا اور سبز ہی عمامہ باندھا پھر آئینہ دیکھ کر کہنے لگا میں ایک جوان بادشاہ ہوں اتنے میں اس کی ایک کنیز اس کو دیکھنے لگی سلیمان نے پوچھا تو کیا دیکھ رہی ہے اس نے یہ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

تو بہترین سرمایہ ہے کاش تجھے بقا نصیب ہوتی لیکن کیا کیا جائے بقا انسان کی قسمت میں نہیں ہے جہاں تک مجھے علم ہے تجھ میں کوئی ایسا عیب نہیں ہے جو لوگوں میں پایا جاتا ہے، بجز اس کے کہ تو فانی ہے اس واقعہ پر ایک جمعہ بھی گزرنے نہیں پایا کہ سلیمان مر گیا، واقعہ ۹۹ھ میں ہوا، جلال الدین سیوطی نے اس واقعہ کو قدرے اختلاف کے ساتھ ذکر کیا ہے، سلیمان نے مرتے وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بادشاہ بنایا آپ کی وفات ۱۰۱ھ میں ہوئی ان کے بعد یزید بن عبدالملک بادشاہ بنا یہ رند تھا یہ ہمہ وقت دو کنیزوں سلامہ اور حبابہ کو اپنے سے جدا نہ کرتا اور ان پر سخت فریفتہ تھا اس کی موت ۱۰۵ھ میں ہوئی ہے اس کے بعد اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک بادشاہ بنا اس کے زمانہ میں امام زید علیہ السلام نے خروج کیا اس نے یوسف بن عمر حاکم عراق کو امام زید کے مقابلے کے لیے روانہ کیا جس میں امام زید علیہ السلام شہید ہوئے اور یہ ۱۲۵ ہجری میں فوت ہوا اس کے بعد ولید بن یزید بن عبدالمک بادشاہ بنا چونکہ ولید بن یزید نہایت عیاش تھا لہٰذا اس کو قتل کر دیا گیا اور یہ واقعہ ۱۲۶ میں ہوا۔ اس کے بعد یزید (ناقص) بن ولید بادشاہ بنا۔ ناقص اس کو اس لیے کہتے تھے کہ اس نے اہل حجاز اور فوج کے وظائف میں کمی کر دی تھی اس نے کوئی زیادہ حکومت نہیں کی، اسی سال ۱۲۶ھ میں مر گیا تھا۔ اس کے بعد اس کا بھائی ابراہیم بن ولید بادشاہ بنا یہ صرف ستر دن بادشاہ رہا، اس کو مروان بن محمد بن مروان نے معزول کر کے خود حکومت پر قبضہ کر لیا۔ یہ بنو امیہ کا آخری بادشاہ تھا۔ اس کو مروان الحمار بھی کہتے تھے کیونکہ وہ لڑائی میں ہر سختی کو برداشت کر لیتا =

۱۲۴ھ) کہتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف (المتوفی ۹۵ھ) کو حکم دیا کہ علی بن حسین (امام زین العابدین) کو گرفتار کر کے ملک شام میں پہنچا دیا جائے چنانچہ آپ کو بھاری زنجیروں میں جکڑ کر مدینہ منورہ سے باہر ایک خیمہ میں ٹھہرا دیا گیا اور گماشتے (چوکیدار) بھی حفاظت کے لیے متعین کر دیئے گئے زہری کہتے ہیں کہ جب مجھے علم ہوا کہ عبدالملک نے امام زین العابدین علیہ السلام کو گرفتار کرلیا ہے اور آپ کو مدینہ منورہ سے باہر ایک خیمہ میں رکھا گیا ہے تا کہ آپ کو دمشق لے جایا جائے تو میں عبدالملک کے پاس گیا اور کہا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کو گرفتار کیوں کیا ہے وہ تو تیری حکومت کے معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے وہ تو اللہ والے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا انہیں کسی سے مطلب نہیں ہے اس کے بعد عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو لکھا: ان یجتنب دماء بنی عبدالمطلب کہ بنی عبدالمطلب کو تنگ کرنے اور ان کا خون بہانے سے تمہیں اجتناب کرنا چاہیے۔ نیز عبدالملک نے لکھا:

رأیت آل ابی سفیان لما و لعوا بهالم یلبثوا الا قلیلاً۔ (نورالابصار ۲۴۶)

کہ میں نے دیکھا ہے کہ ابوسفیان بن حرب کی اولاد نے ان کو (بنی ہاشم کو) ستایا اور تکلیفیں دیں تو وہ دنیا میں زیادہ دیر تک نہیں رہے، یعنی عبدالملک بن مروان نے اپنے گورنر حجاج[1] بن یوسف ثقفی کو لکھا کہ وہ بنی ہاشم اور اولاد عبدالمطلب کے خون

= اور اسی سے حکومت منتقل ہو کر بنو عباس میں پہنچی ہے عباسی فوجوں نے اس کی فوجوں کو شکست دیتے ہوئے مصر تک تعاقب کیا۔ یہ بوصیر گاؤں میں جو مصر کے قریب واقع ہے ۱۳۲ھ میں مارا گیا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۲۵۰ و تاریخ الفخری ص ۲۱۱)

[1] حجاج بن یوسف ثقفی ۴۰ھ میں پیدا ہوا اس کا تعلق بنی ثقیف سے تھا اس کی والدہ کا نام فارعہ بنت ہمام ہے، فارعہ کا نکاح پہلے حارث بن کلدہ سے تھا پھر اس نے یوسف ثقفی سے نکاح کیا، =

بہانے سے پرہیز کرے۔ کیونکہ ابوسفیان کی اولاد نے ان کو ستایا اور تکلیفیں دیں تھیں تو

= حجاج پیدا ہوا اس کی دبر یعنی پاخانہ کرنے کی جگہ نہ تھی سوراخ کیا گیا اور پھر یہ ماں کا دودھ بھی نہ پیتا تھا حارث بن کلدہ چونکہ عرب کا حکیم تھا اس کی شکل میں شیطان آیا اس نے کہا کہ حجاج کے منہ میں سانپ، ہرن اور بکرے وغیرہ کا خون ڈالو تا کہ وہ اس کو چاٹ لے جب اس نے خون چاٹا تو اپنی ماں کا دودھ پینا شروع کر دیا بایں وجہ یہ بہت بڑا سفاک، خون خوار تھا عبدالملک بن مروان نے اس کو حجاز کا گورنر بنایا اس نے ابن زبیر کو قتل کیا، ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نے جب عبداللہ بن زبیر کو قتل کر لیا تو پھر اس کے بعد عبداللہ بن زبیر کی والدہ اسماء بنت ابوبکر کے پاس جا کر کہنے لگا کہ تیرا بیٹا عبداللہ بن زبیر بے دین تھا بایں وجہ اللہ نے اس کو دردناک عذاب میں مبتلا کیا ہے۔ حضرت اسماء نے فرمایا تو جھوٹا ہے وہ والدین کا تابعدار دن کو روزہ رکھنے والا رات کو قیام کرنے والا عبادت کرنے والا تھا نیز قسم اٹھا کر فرمایا کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی کہ بنی ثقیف سے دو کذاب نکلیں گے ایک دوسرے سے زیادہ شریر ہوگا اور تو مبیر و ہلاک کرنے والا ہے، سفیان ثوری نے محمد بن منکر سے روایت کی ہے کہ حضرت جابر جب حجاج کے پاس گئے تو نہ اس کو سلام دیا اور نہ اس کے پیچھے نماز پڑھی، حجاج ناصبی تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض و عداوت رکھتا تھا اور مروانیوں کے ساتھ محبت رکھتا تھا، ایک دن حجاج کہنے لگا کہ امام حسین علیہ السلام رسول اللہ کی ذریت سے نہیں کیونکہ یہ آپ کی بیٹی کے بیٹے ہیں نسب تو باپ کی طرف سے چلتا ہے وہاں یحییٰ بن معمر تھے انہوں نے کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے حضرت امام حسین علیہ السلام حضور کی ذریت سے ہیں اور حضور ﷺ کے بیٹے ہیں حجاج نے کہا کہ اس کو قرآن سے ثابت کرو ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا، یحییٰ بن معمر نے کہا کہ قرآن پاک میں آتا ہے: و من ذریته داؤد سلیمان الیٰ قوله وزکریا ویحییٰ وعیسٰی اب یہاں قرآن نے عیسیٰ علیہ السلام کو ذریت ابراہیم علیہ السلام سے شمار کیا ہے حالانکہ وہ تو اپنی ماں کی طرف منسوب ہیں ان کا تو کوئی باپ نہیں ہے اسی طرح امام حسین علیہ السلام بھی حضور ﷺ کی ذریت سے ہیں اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کے بیٹے ہیں حجاج خاموش ہو گیا اور کہنے لگا کہ تم نے ٹھیک کہا ہے اور حجاج بن یوسف بہت بڑا ظالم تھا اس نے ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد لوگوں کو بلاوجہ قتل کیا اور اسی ہزار آدمیوں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جن میں تیس ہزار عورتیں ہیں اس نے حضرات صحابہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی توہین کی نیز بے شمار تابعین کو قتل کیا۔ ۹۵ھ میں یہ مرا۔ (البدایہ والنہایہ ۱۳۶ ج ۹، شذرات الذہب ۱۰۷ ج ۱، تاریخ کامل ۳۶۱ ابن اثیر، مشکوۃ ۵۵۱)

وہ دنیا میں تباہ و برباد ہو گئے، اس کے بعد حجاج بن یوسف اولاد عبد المطلب پر ظلم کرنے سے رک گیا، ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ واقعہ کربلا کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام سیاسی قصوں سے الگ تھلگ ہو گئے تھے۔

عبد الملک (المتوفی ۵۶ھ) کے زمانے میں بھی امام زین العابدین علیہ السلام نے حکومت وقت کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کی چونکہ عوام اپنی روحانی تسکین کے لیے امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس ہر وقت آتے رہتے، عبد الملک نے ان کی مقبولیت کو دیکھ کر صرف شک کی بنا پر گرفتار کرنے کا حکم دے دیا، بقول محدث زہری امام زین العابدین علیہ السلام کی حکومت کے معاملات میں کسی قسم کی دلچسپی نہیں تھی لیکن پھر بھی بنو امیہ کے حکمرانوں کے دل اہل بیت کے متعلق صاف نہیں تھے وہ شک کی نگاہوں سے امام زین العابدین علیہ السلام کی طرف دیکھتے رہتے، سائل کے قول کے مطابق اگر امام زین العابدین علیہ السلام کے یزید، مروان یا عبد الملک کے ساتھ اچھے تعلقات ہوتے تو وہ آپ کو بار بار کیوں گرفتار کرتے آپ کے ہاتھوں پاؤں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کیوں پہناتے ان کا امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ یہ جبر و تشدد اس پر واضح ثبوت ہے کہ ان کے امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ کسی قسم کے اچھے تعلقات نہیں تھے اور جو علامہ ابن سعد نے بحوالہ زہری روایت ذکر کی ہے کہ عبد الملک اور مروان دونوں امام زین العابدین علیہ السلام کو پسند کرتے تھے یہ کسی ناصبی اور خارجی کی روایت ہے جس کو علامہ ابن سعد نے ذکر کر دیا ہے، نیز اگر یہ لوگ امام زین العابدین علیہ السلام کو اچھا سمجھتے یا ان کا دلی طور پر ادب و احترام کرتے تو نہ عبد الملک ان کو گرفتار کرتا اور نہ ہی عبد الملک کا لڑکا ولید بن عبد الملک (المتوفی ۹۴ھ) امام زین العابدین علیہ السلام کو زہر دلواتا، علامہ بن صباغ مالکی فرماتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام کو ولید بن

عبدالملک نے زہر دلوایا تھا جس کی وجہ سے آپ کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی۔

(نورالابصار ۲۴۹)

غرضیکہ امام زین العابدین علیہ السلام کا یزید مروان، عبدالملک، ولید وغیرہ کے ساتھ کسی قسم کا تعلق و ربط نہیں تھا بقول شہاب زہری وہ تو اللہ والے تھے ان کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مطلب و تعلق نہیں تھا۔

امام زین العابدین علیہ السلام کا صبر

مدینہ منورہ سے مقام کربلا تک بلکہ اس کے بعد تادم حیات جس صبر و رضا کا نمونہ امام زین العابدین علیہ السلام نے پیش فرمایا اس کی مثال کائنات میں نہیں مل سکتی چونکہ صبر کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی سخت کام میں دل پر کدورت نہ آنے دے اور اگر آ بھی جائے تو اس کی پرواہ نہ کرے اور کام کو سخت نہ جانے بلکہ مصیبت کے وقت مصیبت کو برداشت کرے تو یہ صبر کرے، رب کی شکایت کرنا جس نے مصیبت میں مبتلا کیا ہے، بھی بے صبری ہے، صبر انبیاء اور اولیاء کی سنت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرودی آگ میں اپنے آپ کو داخل کر کے اور اپنے فرزند اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے ذبح فرما کر صبر کی مثال قائم فرمائی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے سخت بیماری برداشت فرما کر بھی صبر کی مثال قائم فرمائی، ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار مکہ کی ہر طرح کی سختیاں برداشت کر کے صبر کا نمونہ قائم فرمایا اور دشمنوں سے بدلہ لینے کا تصور تک نہ فرمایا چنانچہ فتح مکہ کے دن جب یہ سارے بڑے بڑے جباران قریش اسلامی لشکر کے محاصرہ میں محصور و مجبور ہو کر حرم کعبہ میں انتقام کے ڈر اور خوف کی وجہ سے کانپ رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مجرموں اور پاپیوں کو یہ فرما کر چھوڑ دیا۔

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ط فاذھبوا انتم لطلقاء۔

آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے تم سب آزاد ہو ایک کافر کو صحابہ کرام پکڑ کر لائے کہ یا رسول اللہ ﷺ اس نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا تھا وہ شخص خوف اور دہشت سے لرزہ براندام تھا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تم کوئی خوف نہ رکھو اگر تم نے میرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا تو کیا ہوا تم کبھی مجھ پر غالب نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے میری حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ نبی کریم ﷺ ایک جنگ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ حضور ﷺ دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے قریبی بستی کا ایک آدمی غورث بن حارث آپ کے قتل کے ارادے سے آیا آپ کی تلوار پڑی ہوئی تھی اس کو لے کر نیام سے کھینچ لی حضور ﷺ کی اسی وقت آنکھ کھل گئی غورث کہنے لگا اے محمد ﷺ اب کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچائے گا۔ فرمایا ''اللہ تعالیٰ'' نبوت کی ہیبت سے تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی حضور ﷺ نے تلوار پکڑ کر فرمایا بول اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچانے والا ہے، غورث پاؤں پر گر پڑا کہ آپ ہی میری جان بچا دیں، رحمتہ اللعالمین ﷺ نے چھوڑ دیا اور معاف فرما دیا چنانچہ غورث بن الحارث اپنی قوم میں آ کر کہنے لگا کہ اے لوگو! میں ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جو تمام دنیا کے انسانوں میں سے سب سے بہتر ہے۔ (شفاء ۶۲ ج ۱، جواہر البحار ۲۳ھ علامہ یوسف نبہانی)

جس طرح نبی کریم ﷺ کی کوئی مثال نہیں ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ کی اولاد پاک کے صبر و حلم اور رضا کی بھی کوئی مثال نہیں ہے چنانچہ امام حسین علیہ السلام نے میدان کربلا میں اپنے بچوں کو اپنے سامنے ذبح کرا کر تین دن کا روزہ رکھ کر پیاسے حلق پر خنجر چلوا کر صبر کی بے نظیر مثال قائم فرما دی آپ کے بیٹے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے سامنے اپنے باپ، بھائیوں، اپنے عزیزوں اپنے غلاموں کو ذبح ہوتے دیکھا پھر کوفہ سے دمشق تک ہاتھ میں بھاری ہتھکڑیاں پاؤں میں بھاری

بیڑیاں اور گلے میں بھاری طوق برداشت کیے دشمنوں کی طرف سے بار بار قتل کی دھمکیاں سہیں قید و بند کے مصائب برداشت کیے کئی دن دشمنوں نے بھوکا پیاسا رکھا دشمنوں کے توہین آمیز کلمات اور گستاخانہ الفاظ سے ساری زندگی مروانیوں، سفیانیوں اور پابندیوں کے مصائب و آلام برداشت کیے لیکن نہ تو اپنے رب سے شکایت کی اور نہ ہی کسی کے سامنے مصائب مذکورہ کا شکوہ کیا بلکہ ہمیشہ صبر و رضا کو اختیار فرمایا اور تمام غم و آلام اپنے دل اور قلب میں ہی رکھے یہ صبر و رضا کا ایک ایسا نمونہ تھا جس کی دنیا بھر میں کوئی مثال نہیں مل سکتی تھی بایں وجہ کسی نے کہا ہے کہ اگر ایوب علیہ السلام بھی ان مصائب سے بعض کو ہی دیکھ لیتے تو فرماتے ہاں اہل بیت رسول ﷺ کا امتحان تو عظیم ہے، نہیں بلکہ عالم ازل سے لے کر آخر دنیا تک بنی نوع انسان کو جو مصائب اور تکالیف پہنچے ہیں وہ اہل بیت رسول کے پیش آمدہ مسائل کے مقابلے میں بے حقیقت ہیں، پھر عجیب تر بات تو یہ ہے کہ جس دشمن نے ہی دشمنی کی جب وہ سامنے آیا تو جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے دشمنوں کو معاف کیا اسی طرح امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے دشمنوں کو معاف کیا، چنانچہ روایات میں ہے کہ جب مختار ثقفی نے اعلان کیا کہ جو لوگ قتل حسین میں شریک ہوئے ہیں ان تمام سے بدلہ لیا جائے گا تو لوگ خوف کے مارے روپوش ہونے لگے ان میں سے سنان بن انس بھی تھا کیونکہ بقول ابن جریر طبری سنان بن انس بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کا مدعی تھا چنانچہ روپوش ہو کر جنگلوں اور صحراؤں میں اپنی جان چھپاتا پھرتا تھا ایک دن بھوک پیاس کی شدت سے پانی اور خوراک کی تلاش میں تھا کہ صحرا میں کچھ خیمے نظر آئے وہ اس طرف بڑھا اور ایک خیمہ کے نزدیک پہنچا اور خیمہ کا پردہ اٹھایا تھا کہ بھاگ کھڑا ہوا یہ خیمے امام زین العابدین علیہ السلام کے تھے جو سفر حج کے سلسلے میں لگائے ہوئے تھے سنان نے اسی خیمہ کا پردہ اٹھایا جس میں امام زین العابدین علیہ السلام تھے امام زین العابدین علیہ السلام نے فوراً خادم کو اس کے پیچھے

دوڑایا جب خادم اسے واپس لے آیا تو آپ نے پوچھا اے شخص تم آئے تھے اور بھاگ بھی پڑے تم کو یہاں آنے سے کسی نے روکا یا کسی نے کچھ کہا تم کس لیے آئے تھے بیان کرو اس نے جواب دیا مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا میں بھوک اور پیاس سے نڈھال تھا خیمے دیکھ کر آیا تا کہ کھانا اور پانی مل سکے آپ نے اسے تین دن مہمان رکھا تیسرے دن اشرفیوں کی تھیلی زادراہ کے لیے دے کر رخصت کیا تو وہ کہنے لگا شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا ہم نے تمہیں اسی وقت پہچان لیا تھا جب تم نے ہمارے خیمہ کا پردہ اٹھایا تھا کیا تم سنان بن انس نہیں ہو جس نے میرے نوجوان بھائی علی اکبر کے کلیجے میں برچھی ماری تھی اس کے بعد اس برچھی کو فخریہ ہوا میں لہرایا تھا اس کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا سنو!

وہ تمہارا کردار تھا اور یہ ہمارا اخلاق ہے کہ ہم دشمنوں کو بھی قدرت رکھنے کے باوجود کچھ نہیں کہتے غرضیکہ امام زین العابدین علیہ السلام بہت بڑے صابر تھے تمام زندگی مصائب برداشت کیے لیکن کسی موقع پر بھی کسی کے سامنے کبھی بھی شکوہ وشکایت نہیں کیا بلکہ صبر ورضا کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی تمام زندگی بسر فرمائی۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی عبادت

امام زین العابدین علیہ السلام بہت بڑے عابد اور زاہد تھے امام مالک (المتوفی ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ آپ کو کثرت عبادت کی وجہ سے ہی زین العابدین کہا جاتا ہے کہ عبادت کرنے والوں کی آپ زینت ہیں ایک دن اور رات میں ہزار رکعت نماز (نفل) پڑھا کرتے تھے۔ (شذرات الذاہب ۱۰۵ ج ۱)

اور شواہد النبوت صفحہ ۳۱۱ میں ہے کہ آپ زین العابدین کے نام سے یوں

مشہور ہوئے کہ ایک رات آپ نماز تہجد میں مشغول تھے کہ شیطان ایک سانپ کی شکل میں ظاہر ہوا تا کہ اس ہیبت ناک شکل سے آپ کو عبادت سے باز رکھ سکے امام زین العابدین علیہ السلام نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی یہاں تک کہ سانپ نے آپ کے پاؤں کا انگوٹھا اپنے منہ میں ڈال لیا لیکن آپ نے پھر بھی کوئی توجہ نہ دی اس نے آپ علیہ السلام کے انگوٹھے کو نہایت سختی سے کاٹا جس سے آپ کو بہت درد محسوس ہوا اس پر بھی آپ نے نماز قطع نہ کی اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمایا کہ وہ شیطان ہے آپ نے اسے بُرا بھلا کہا اور پھر کہا اے ذلیل و کمینے دور ہو جا جوں ہی سانپ دور ہوا آپ کھڑے ہو گئے تا کہ درد ختم ہو جائے دریں اثناء آپ نے یہ آواز سنی کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا آپ زین العابدین ہیں آپ زین العابدین آپ زین العابدین ہیں۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب آپ وضو کرتے تو آپ کا رنگ زرد ہو جاتا اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو خوفِ خدا کی وجہ سے آپ کے جسم مبارک پر کپکپی طاری ہو جاتی لوگوں نے پوچھا حضور یہ کیا بات ہے فرمایا تمہیں معلوم نہیں میں کس کی بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہوں ایک مرتبہ جس کمرے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ آگ لگ گئی آپ حالت سجدہ میں تھے لوگوں نے چیخنا شروع کر دیا کہ اے رسول اللہ کے بیٹے کمرے میں آگ لگ گئی ہے لیکن آپ نے سر تک نہ اٹھایا یہاں تک کہ آگ بجھا دی گئی آپ علیہ السلام نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد دریافت کیا کہ کیا بات ہے لوگوں نے کہا آگ لگ گئی تھی ہم نے بجھا دی ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے تو اس سے بڑی آگ نے مشغول کر رکھا تھا آپ علیہ السلام کی ایک کنیز سے آپ کی عبادت کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں تفصیل سے بات کروں یا مختصر تو سائل نے کہا کہ مختصر بات کرو تو اس نے کہا کہ میں امام (زین العابدین) کے لیے کبھی دن کو کھانا نہیں لائی یعنی آپ دن میں ہمیشہ روزے سے ہوتے ہیں اور رات کو کبھی آپ کے لیے بستر نہیں کیا یعنی آپ

تمام رات عبادت میں رہتے ہیں، روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ کا بچہ کنویں میں گر گیا اہل مدینہ گھبرا گئے آخر کار اس بچہ کو کنویں سے نکال لیا گیا آپ اس عرصہ میں نماز پڑھ رہے تھے نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا تو فرمایا مجھے معلوم نہیں ہوا کیونکہ میں تو اپنے رب سے مناجات (راز داری سے گفتگو) کر رہا تھا۔

طاؤس[1] (المتوفی ۱۰۶ھ) سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں نے رات کو حجر

---

[1] طاؤس نام، ابو عبدالرحمن کنیت ہے یہ بڑے تابعین سے ہیں علامہ نووی (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ ان کی امامت و جلالت پر اتفاق ہے عمرو بن دینار (متوفی ۱۲۶ھ) فرماتے تھے میں نے طاؤس جیسا کوئی نہیں دیکھا ابن عماد حنبلی (المتوفی ۱۰۸۹ھ) لکھتے ہیں وہ امام اور تابعین میں سے سب سے زیادہ حلال و حرام کو جاننے والے تھے آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پچاس صحابہ کی زیارت کی ہے اور جن صحابہ سے علم حاصل کیا ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر (المتوفی ۷۸۳ھ) عبداللہ بن عباس (المتوفی ۲۸۰ عبداللہ بن زبیر (المتوفی ۷۳ھ) عبداللہ بن عمرو بن العاص (المتوفی ۶۳ھ) زید بن ارقم (المتوفی ۶۶ھ) زین بن ثابت (المتوفی ۴۵ھ) ابوہریرہ (المتوفی ۵۸ھ) عائشہ صدیقہ (المتوفاۃ ۵۷ھ) سراقہ بن مالک (المتوفی ۳۴ھ) صفوان بن امیہ (المتوفی ۴۳ھ) جابر بن عبداللہ (المتوفی ۷۴)۔ رضی اللہ عنہم

طاؤس زیادہ تر حضرت ابن عباس کے پاس جاتے تھے یحییٰ بن معین (المتوفی ۲۳۳ھ) اور ابو زرعہ (المتوفی ۲۶۴ھ) دونوں لکھتے ہیں کہ طاؤس ثقہ تھے ابن خلکان (المتوفی ۶۸۱ھ) کہتے ہیں کہ بہت بڑے فقیہ تھے حافظ ذہبی (المتوفی ۷۸۴ھ) لکھتے ہیں کہ طاؤس اہل یمن کے شیخ اور مفتی تھے قیس بن سعد کہتے ہیں کہ طاؤس کی وقعت ہمارے نزدیک وہی ہے جو ابن سیرین (المتوفی ۱۱۰ھ) کی اہلِ بصرہ میں ہے۔ طاؤس بن کیسان نہایت مستغنی مزاج تھے۔ بڑے بڑے بادشاہوں کی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے ایک مرتبہ طاؤس اور وہب بن منبہ (المتوفی ۱۱۰ھ) دونوں حجاج کے بھائی محمد بن یوسف کے پاس گئے جو اس وقت گورنر تھا موسم سرد تھا، طاؤس جا کر کرسی پر بیٹھ گئے محمد بن یوسف نے اپنے غلام کو کہا کہ چادر لے کر طاؤس کو اڑھا دو اس نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ طاؤس نے اس چادر کو زمین پر گرا دیا محمد بن یوسف =

اسود کے قریب امام زین العابدین علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ نے بہت طویل سجدہ کیا میں نے کہا کہ آپ اہل بیت نبوت سے ہیں۔ سنتا ہوں کیا پڑھ رہے ہیں، میں نے سنا آپ یہ دعا پڑھ رہے تھے:

عبدك و بغنائك و مسكينك و بغنائك سائلك
و بغنائك و فقيرك بغنائك۔

طاؤس نے کہا کہ اللہ کی قسم جب بھی مجھے کوئی مشکل درپیش آئی میں نے یہ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے میری مشکل کو حل فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ ۱۰۵ ج ۹، نور الابصار ۲۴۵)

طاؤس کی پیش کردہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام درج بالا دعا مانگا کرتے تھے اور یہ دعا حل مشکلات کے لیے مجرب ہے۔ جبھی کسی مسلمان کو کوئی مشکل درپیش ہو تو نماز پڑھ کر یہ دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکل کو حل فرماتے ہیں۔ نیز صاحب نور الابصار لکھتے ہیں کہ مولیٰ علی علیہ السلام کو جب کوئی اہم کام پیش آتا تو آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

يا كهيعص اعوذبك من الذنوب اللتي بها تزيل
النعم و اعوذبك من الذنوب اللتي تحل النقم و

= یہ دیکھ کر ناراض ہو گیا۔ وہب بن منبہ نے طاؤس کو کہا کہ اگر آپ کو چادر کی ضرورت نہیں تھی تو محمد بن یوسف کو ناراض کرنے کی کیا ضرورت تھی آپ اس کو لے لیتے اور فروخت کر کے قیمت غریبوں پر صدقہ کر دیتے طاؤس نے کہا اگر میں چادر لے لیتا تو لوگ کہتے کہ اس نے چادر لے لی ہے۔ آپ نے چالیس حج کیے آپ مکہ مکرمہ میں تھے، ذی الحجہ ۱۰۲ھ کی ساتویں تاریخ تھی کہ آپ کا انتقال ہو گیا، جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ جنازہ کا چلنا دشوار تھا، ابراہیم بن ہشام امیر مکہ نے پولیس کا نظام کیا، عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب علیہ السلام بھی شریک جنازہ تھے۔ ہشام بن عبدالملک نے نماز جنازہ پڑھائی اور مکہ مکرمہ میں ہی دفن کیے گئے لوگوں نے دعا کی اللہ تعالیٰ طاؤس پر رحم کرے، انہوں نے چالیس حج کیے تھے۔ (تہذیب الاسماء ص ۲۵۱ شذرات الذہب ص ۱۳۳) (تہذیب التہذیب ص ۹، ابن خلکان ص ۲۳۳) (طبقات ابن سعد ص ۳۹۴)

اعوذ بك من الذ نو بك اللتی بها تثیر الاعداءُ و
اعوذ بك من الذ نوب اللتی بها تحبس غیث
السَّماء۔

اور یہ دعاء بھی مشکلات کے حل کے لیے مجرب ہے۔ (نورالابصار ۲۴۵)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ (المتوفی ۷۴ھ) کا بیان ہے کہ وہ ایک مرتبہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس آئے کیا دیکھتے ہیں کہ آپ نماز ادا فرما رہے ہیں، حضرت جابر بن عبداللہ نے کہا کہ جناب آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو آپ (اہل بیت رسول) کے لیے اور آپ کے عقیدت مندوں کے لیے پیدا کیا ہے تو پھر آپ ہر وقت عبادت اور نماز میں مصروف کیوں رہتے ہیں اور ہر وقت آپ نے اپنی ذات کو عبادت و ریاضت کی مشقت میں ڈال رکھا ہے اگر آپ میانہ روی اختیار فرمالیں تو پھر بھی ٹھیک ہے امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا اے رسول اللہ کے صحابی آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی عبادت فرماتے ہے کہ آپ کے پاؤں مبارک کو ورم ہو جاتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ عبادت میں اتنی تکلیف اٹھا رہے ہیں آپ تو معصوم ہیں آپ کو عبادت کی اتنی کیا ضرورت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

افلا اکون عبدًا شکورًا۔

کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں پھر امام زین العابدین علیہ السلام نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے رسول کے صحابی میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں اس خدا کا شکر گزار بندہ بننا چاہتا ہوں لہٰذا میں اللہ کی عبادت کے معاملہ میں میانہ روی اختیار نہیں کرسکتا۔

شواہد النبوت صفحہ ۳۱۲ میں ہے کہ ایک رات ایک سائل یہ کہہ رہا تھا: این

الزاھدون فی الدنیا الراغبون فی الاخرۃ وہ دنیا کے زاہد کہاں ہیں جو آخرت کی طرف راغب ہیں جنت البقیع کی طرف سے ایک غیر مرئی (نظر نہ آنے والے) شخص کی آواز سنائی دی کہ وہ علی بن حسین (امام زین العابدین) ہیں حافظ بن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ میں نے امام زین العابدین علیہ السلام سے زیادہ کسی کو پرہیزگار نہیں دیکھا۔ سفیان بن عیینہ[۱] سے روایت ہے کہ امام زین

---

[۱] آپ کا نام سفیان کنیت ابو محمد والد کا نام عیینہ تھا اصل وطن کوفہ تھا پھر مکہ میں رہنے لگے ان کے دادا محمد بن مزاحم کے غلام تھے یہ ۹ بھائی تھے جن میں سے پانچ بمعہ سفیان محدث ہوئے ہیں سفیان ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے اپنی تعلیم کے بارے میں سفیان خود باین کرتے ہیں کہ میں نے چار برس کی عمر میں قرآن مجید ختم کر لیا تھا ساتویں برس حدیثیں لکھنی شروع کر دی تھیں پھر جب میں پندرہ سال کا ہوا تو میرے والد نے مجھ سے کہا بیٹے اب تم سے بچوں کے احکام منقطع ہو گئے ہیں تمہیں علم حدیث کی تکمیل کے لیے علماء حدیث کی خدمت میں رہنا چاہیے اور اسے خوب یاد رکھو کہ علماء سے وہی شخص استفادہ کر سکتا ہے جو ان کی اطاعت کرے پس تم ان کی اطاعت کرو تو سعادت مند ہو گے اور ان کی خدمت کرو گے تو ان کے علم سے استفادہ کر سکو گے، سفیان کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کی نصیحت پر ہمیشہ کاربند رہا اور کبھی اس سے عدول نہیں کیا حضرت سفیان کے ذوق وشوق اور سعادت مندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ علم تفسیر و حدیث کے بڑے امام ہو گئے یہاں تک کہ بڑے بڑے آئمہ نے ان کی جلالت شان کو تسلیم کیا ہے امام شافعی فرماتے تھے کہ اگر امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا امام نووی کہتے ہیں کہ ان کی امامت، جلالت، شان اور عظمت پر سب کا اتفاق ہے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں میں نے ابن عیینہ سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا ابن عماد حنبلی (المتوفی ۱۰۸۹ھ) نے کہا ہے کہ سفیان بن عیینہ حرم کے محدث تھے آپ تفسیر قرآن میں بڑی مہارت رکھتے تھے، بشر بن مفضل کہتے تھے کہ اب زمین پر کوئی شخص باقی نہیں رہا جو سفیان بن عیینہ کے مثل ہو یحییٰ بن سعید (المتوفی ۱۴۳ھ) نے کہا ہے کہ ابن عیینہ کے سوا اساتذہ حدیث میں کوئی نہیں ہے ابن مدینی (المتوفی ۲۳۴ھ) نے یحییٰ بن سعید سے پوچھا کہ کیا سفیان بن عیینہ حدیث میں امام ہیں کہا وہ چالیس سال سے امام ہیں، عجلی کہتے ہیں سفیان بن عیینہ معتمد علیہ ہیں، عثمان دارمی کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے دریافت کیا کیا آپ کو عمرو بن دینار کے دونوں =

العابدین علیہ السلام نے جب حج کے لیے احرام باندھا تو آپ کا رنگ زرد ہو گیا اور جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔ آپ لبیک نہ کہہ سکے آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا آپ لبیک کیوں نہیں کہتے فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ اگر لبیک کہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے "ولا لبیك" تو میرے لبیک کہنے کا کیا فائدہ عرض کیا گیا کہ لبیک کہنا تو ضروری ہے تو امام زین العابدین علیہ السلام نے لبیک کہا اور بے ہوش ہو کر سواری سے نیچے گر پڑے تمام حج کے دوان یہی حالت رہی یہاں تک کہ حج کا موسم ختم ہو گیا۔ (تہذیب التہذیب ۲۰۵ ج ۷)

غرضیکہ امام زین العابدین علیہ السلام جیسا عبادت و زہد و تقویٰ میں کوئی نہیں تھا بایں وجہ آپ کو زین العابدین کہا گیا ہے اور آپ کا سر بھی نہیں اٹھتا تھا مگر دوسرا سجدہ کرنے کے لیے لہٰذا آپ کو سجاد کہا گیا ہے۔

= شاگردوں میں سے سفیان بن عینیہ زیادہ پسند ہیں یا سفیان ثوری کہا سفیان بن عینیہ پھر پوچھا حماد بن زید کے متعلق کیا خیال ہے کہا ابن عینیہ کو ان سے بھی زیادہ علم ہے اس کے بعد انہوں نے شعبہ کے متعلق پوچھا تو کہا کہ ابن عینیہ ان سے بھی بڑے عالم تھے، ابو حاتم رازی کا بیان ہے کہ ابن عینیہ ثقہ امام ہیں ہارون الرشید ابن عینیہ کو سید الناس کہتے تھے ابن عینیہ نے ستر حج کیے ہر مرتبہ حج کرنے کے بعد دعا کیا کرتے تھے اے اللہ اس کے آخری حج نہ بنانا ان کی یہ دعا قبول ہوتی تھی اور اس کے بعد ان کو حج کا موقعہ مل جاتا تھا آخری مرتبہ حج کرنے کے بعد انہیں پھر یہ دعا کرتے ہوئے شرم آئی چنانچہ انہیں اس کے بعد حج کا موقع نہیں ملا یہاں تک کہ ۳۰ جمادی الثانی ۱۹۸ھ میں وفات پائی آپ فرماتا کرتے تھے کہ جس آدمی کی عقل زیادہ ہوتی ہے اس کا رزق کمھوتا ہے اور نیز فرمایا کرتے تھے کہ علم اگر تم کو نفع نہ پہنچائے تو نقصان ضرور پہنچائے گا یعنی اگر عمل کرے گا تو نفع دے گا اگر عمل نہیں کرے گا تو نقصان پہنچائے گا۔

(تذکرۃ الحفاظ ص ۲۴۲ ج ۱، الجواہر المضیۃ ص ۲۳۰ ج ۲، حلیۃ الاولیاء ص ۲۸۰، ج ۷، شذرات الذہب ص ۳۵۴ ج ۱، طبقات الحفاظ لسیوطی ص ۱۱۳، میزان الاعتدال ص ۱۷۰ ج ۲، طبقات المفسرین داؤدی ص ۱۹۰ ج ۱، وفیات الاعیان ص ۲۹۱ ج ۲، کشف الظنون ص ۴۳۹ ج ۱، تہذیب الاسماء ص ۲۲۴ ج ۱، تہذیب التہذیب ص ۱۱۹ ج ۴، العلم والعلماء ص ۲۹۱) (مفتی غلام رسول) (لندن)

امام زین العابدین علیہ السلام کے اخلاق

آپ علیہ السلام کے اخلاق حسنہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم کی چمک دمک تھی یہی وجہ تھی کہ دشمن نے بھی امام زین العابدین علیہ السلام کے بلند اخلاق کا اعتراف کیا ہے اور امام زین العابدین علیہ السلام محاسن اخلاق کے تمام زاویوں اور گوشوں کو لپیٹے ہوئے تھے یعنی علم وعفو، رحم وکرم، جود وسخا، مہمان نوازی، عدم تشدد، صبر وقناعت، ایفاء، نرم گفتاری، غم خواری، تواضع وانکساری کے تمام مراتب پر امام زین العابدین علیہ السلام فائز تھے چنانچہ سفیان بن عیینہ کا بیان ہے کہ ایک شخص امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا کہ فلاں شخص آپ کی غیبت کر رہا ہے امام زین العابدین علیہ السلام نے سن کر فرمایا کہ تم میرے ساتھ اس کے پاس چلو وہ بایں وجہ آپ کے ساتھ چلا کہ آپ اس کو ناراض ہوں گے لیکن امام زین العابدین علیہ السلام جب اس کے پاس پہنچے تو امام زین العابدین نے فرمایا اے شخص جو کچھ تم نے میرے متعلق کہا ہے اگر سچ ہے تو خدا تعالیٰ مجھے بخش دے اگر تم نے غلط کہا ہے تو خدا تعالیٰ تجھے بخش دے پھر آپ واپس تشریف لے آئے۔ (نور الابصار ۲۴۵)

ایک مرتبہ آپ مسجد سے باہر نکلے ایک آدمی آپ سے ملا اس نے آپ علیہ السلام کے خلاف ہتک آمیز کلمات استعمال نے شروع کر دیئے آپ کے غلام اور موالی اور دیگر لوگ اس کو پکڑنے لگے آپ علیہ السلام نے فرمایا اس کو چھوڑ دو پھر آپ علیہ السلام نے اس شخص کو فرمایا کیا تمہیں ہمارے ساتھ کوئی کام تھا جو پورا نہیں ہو سکا وہ یہ سن کر نادم و پشیمان ہوا اس کے بعد آپ نے اسے ایک قیمتی چادر اور پانچ ہزار درہم دیئے یہ لینے کے بعد اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے ہیں۔

(نور الابصار ۲۴۷ھ)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس کچھ مہمان آئے آپ نے اپنے غلام کو روٹی تیار کرنے کے لیے کہا وہ گرم روٹیاں تنور میں لگا رہا تھا اور ان کو نکال رہا تھا اس کے ہاتھ میں ایک سیخ تھی جو نہایت گرم ہو چکی تھی اس کے ہاتھ سے گری وہاں امام زین العابدین علیہ السلام کا ایک چھوٹا بچہ کھیل رہا تھا اس کے سر پر پڑی جس سے وہ فوت ہو گیا غلام بڑا پریشان ہوا امام زین العابدین علیہ السلام کو جب پتہ لگا تو غلام کو فرمایا کہ تو راہ خدا میں آزاد ہے کیونکہ تو نے یہ کام کوئی جان بوجھ کر تو نہیں کیا پھر آپ نے اپنے بیٹے کی تجہیز و تکفین کی اور اس کو دفن کر دیا نیز ابن کثیر نے محدث عبدالرزاق کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام کو ایک کنیز وضوء کرا رہی تھی اچانک اس کے ہاتھ سے لوٹا گرا جو کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے سر پر لگا آپ نے سر اٹھا کر کنیز کی طرف دیکھا تو اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ الکاظمین الغیظ اور غصہ کو پینے والے ہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا میں نے غصہ پی لیا پھر لونڈی نے کہا والعافین عن الناس اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا میں نے تجھے معاف کیا پھر اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں واللہ یحب المحسنین خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتے ہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا جاؤ میں نے تم کو خدا کے راستے میں آزاد کر دیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۱۰۷ ج ۹)

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام اخلاق حسنہ کے مالک تھے یہاں تک کہ آپ کے دشمن بھی آپ کے اعلیٰ کردار اور بلند اخلاق کی تعریف کیا کرتے تھے چنانچہ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ جب ہشام بن اسماعیل مدینہ منورہ کا گورنر تھا تو وہ امام زین العابدین علیہ السلام کو سخت تکلیفیں پہنچاتا تھا لیکن آپ علیہ السلام صبر فرمایا کرتے تھے جب ولید بن عبدالملک بادشاہ بنا تو اس نے اس کو اس کے کرتوتوں کی بناء پر معزول کر دیا اور اس کے بارے میں یہ حکم بھی نافذ کیا کہ اس کو لوگوں کے سامنے کھڑا کیا جائے

تا کہ اس نے لوگوں پر جو زیادتیاں کی ہیں وہ اس سے اپنے انتقام لے سکیں، ہشام بن اسماعیل کو جب لوگوں کے سامنے کھڑا کیا جاتا تھا تو وہ کہتا تھا کہ مجھے امام زین العابدین علیہ السلام کے سوا کسی کا ڈر ہے اور نہ ہی میں کسی کو ان کے سوا اہمیت دیتا ہوں، امام زین العابدین علیہ السلام کو جب علم ہوا کہ ہشام بن اسماعیل کو گورنری سے معزول کر دیا گیا ہے اور آج کل وہ حکومت کے زیر عتاب ہے تو آپ علیہ السلام نے اپنے دوستوں اور عقیدت مندوں سے کہا کوئی شخص بھی ہشام بن اسماعیل کے ساتھ برائی سے پیش نہ آئے نیز اس کو پیغام بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ تم سے مال وغیرہ واپس لیا جا رہا ہے اگر تم اس کی ادائیگی سے عاجز ہو تو ہمارے پاس کافی مال ہے ہم تمہاری طرف سے ادائیگی کر دیں گے مجھ سے اور میرے تمام تابعدار لوگوں سے تمہیں اچھے سلوک کی توقع رکھنا چاہیے، جب یہ بات ہشام بن اسماعیل نے سنی تو کہنے لگا، "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ" اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالتیں رکھے۔

(طبقات ابن سعد ۲۲۰ ج ۵) (البدایہ والنہایہ ۱۷ ج ۹ تاریخ کامل ۵۳۲ ج ۲۱)

یہ بھی روایات میں آیا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام اکثر ان لوگوں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے جو آپ کو نہ جانتے ہوں اور نہ پہچانتے ہوں، ایک مرتبہ ایک قافلہ کے ساتھ سفر میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی نے پہچان لیا اس نے قافلہ والوں کو بتایا تم جانتے ہو یہ کون ہیں لوگوں نے کہا کہ ہم کو تو علم نہیں ہے اس نے کہا یہ ہی تو امام زین العابدین علیہ السلام ہیں پس لوگ دوڑ پڑے کوئی آپ کے ہاتھ چومنے لگا کوئی پاؤں کو بوسہ دینے لگا لوگوں نے عرض کیا حضور آپ علیہ السلام نے اپنے متعلق بتایا نہیں کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم دوزخ میں جائیں اگر ہم سے آپ کے بارے میں کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو ہماری ہلاکت ظاہر تھی امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا اگر میں ان کے ساتھ سفر کروں جو مجھے جانتے ہوں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے میرے ساتھ پر تکلفات

سلوک کرتے ہیں جو مجھے پسند نہیں اگر میں اپنے متعلق تمہارے سامنے بھی ظاہر کر دیتا تو تم لوگ بھی میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے اپنی طاقت سے بڑھ کر برتاؤ کرتے جو مجھے پسند نہ ہوتا لہٰذا میں نے اپنے متعلق اظہار ہی نہیں کیا غرضیکہ امام زین العابدین علیہ السلام اپنے بلند کردار اور اخلاق کے لحاظ سے بے مثل تھے جس طرح آپ کے دوست اور عقیدت مند آپ کے اخلاق حسنہ کی تعریف کرتے تھے اسی طرح آپ کے دشمن بھی معترف تھے کہ آپ اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں آپ کے اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرزدق نے کہا ہے کہ جب قریش ان کو دیکھتے ہیں تو کہنے والے نے کہا ہے کہ ان کے مکارم اخلاق تک کرم کی انتہا ہے وہ نرم اخلاق والے ہیں ان کی جلد بازیوں کا خوف نہیں ہے انہیں دو چیزیں ایک حلم اور دوسرا کرم زینت دیتی ہیں۔

(البدایہ والنہایہ ۱۰۹)

امام زین العابدین علیہ السلام کی سخاوت

امام زین العابدین علیہ السلام بہت بڑے فیاض اور سخی تھے چونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے ہیں لہٰذا آپ سخاوت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمونہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات سے بڑھ کر زیادہ سخی تھے۔ دوست پر بھی سخاوت تھی اور دشمن پر بھی چنانچہ صفوان بن امیہ جب مقام جعرانہ میں حاضر دربار ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اتنی تعداد میں اونٹوں اور بکریوں کا ریوڑ عطا فرما دیا کہ دو پہاڑیوں کے درمیان کا میدان بھر گیا، صفوان مکہ جا کر بلند آواز سے اپنی قوم (قریش) سے کہنے لگا اے لوگو! دامن اسلام میں آجاؤ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر زیادہ مال عطا فرماتے ہیں کہ فقیری کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہتا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی سائل کے جواب میں خواہ وہ کتنی ہی

بڑی چیز کا سوال کیوں نہ کرے لا (نہیں) کا لفظ نہیں فرمایا جیسے رسول اللہ ﷺ کی سخاوت دوست اور دشمن دونوں پر تھی اسی طرح آپ کے بیٹے امام زین العابدین علیہ السلام کی سخاوت بھی دوست اور دشمن دونوں کے لیے تھی جیسے رسول پاک ﷺ نے کبھی بھی کسی سائل کے جواب میں لا (نہیں) نہیں فرمایا، اسی طرح امام زین ابعالدین علیہ السلام نے بھی اپنی تمام عمر میں کسی سائل کے جواب میں کلمہ لا (نہیں) کا استعمال نہیں فرمایا۔ چنانچہ فرزدق[1] شاعر امام زین العابدین علیہ السلام کی تعریف میں اپنے قصیدے کہتا ہے:

---

[1] فرزدق کا نام ہمام ہے، والد کا نام غالب ہے، دادا کا نام صعصعہ بن ناجیہ ہے، دادا صحابی تھے۔ فرزدق کی کنیت ابو فراس ہے، زیادہ تر مشہور فرزدق کے ساتھ ہیں۔ فرزدق نے خود بیان کیا ہے کہ مجھے میرا باپ ساتھ لے کر حضرت علی المرتضیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضرت علی علیہ السلام نے میرے متعلق پوچھا یہ کون ہے میرے باپ نے کہا کہ میرا بیٹا ہے جو کہ شاعر ہے حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا اس کو قرآن کی تعلیم دلاؤ جو کہ شعروں سے بہتر ہے اور یہ بھی فرزدق نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (المتوفی ۵۸ھ) نے میرے قدموں کی طرف دیکھ کر کہا کہ فرزدق تمہارے قدم چھوٹے ہیں ان کے لیے جنت میں جگہ تلاش کرو میں نے کہا کہ میرے گناہ زیادہ ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا فکر کی کوئی بات نہیں ابھی سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوا یعنی ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے حضور نے ارشاد فرمایا تھا: ان بالمغرب بلباً مفتوحا للتوبة لا يغلق حتى تطلع الشمس من مغربها معاویہ بن عبد الکریم نے ذکر کیا ہے کہ میرے باپ نے کہا کہ میں نے فرزدق کو دیکھا اس کے پاؤں میں بیڑیاں ہیں تو میں نے کہا یہ کیا ہے تو فرزدق نے کہا کہ میں نے حلف (قسم) اٹھا رکھی ہے کہ جب تک میں قرآن پاک یاد نہیں کروں گا اس وقت تک پاؤں سے بیڑیاں نہیں اتاروں گا، اصمعی (المتوفی ۲۱۶ھ) نے بیان کیا ہے کہ فرزدق کی بیوی نوار بنت اعین جب فوت ہونے لگی تو اس نے وصیت کی کہ میری نماز جنازہ حضرت حسن بصری پڑھائیں جب وہ فوت ہو گئیں تو حضرت حسن بصری نماز جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف لائے تو حضرت حسن بصری نے فرزدق سے کہا کہ لوگ کیا کہتے ہیں فرزدق نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اس جنازہ میں بہتر لوگ بھی ہیں اور بُرے لوگ بھی یعنی آپ بہتر ہیں اور میں بُرا ہوں حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ ابو فراس اس دن موت کے لیے کیا تیاری کی ہے =

ما قال لا قطعه الا فی تشهد
لو لا التشهد کانت لاءُ ہٗ نعم

(شذرات الذہب ۴ ۱۴۴)

انہوں نے کبھی لا (نہیں) نہیں کہا مگر تشہد میں اگر تشہد نہ ہوتی تو ان کی لا بھی نعم (ہاں) ہوتی۔ یعنی امام زین العابدین علیہ السلام نے کسی سائل کے جواب میں لآ

= کہا کہ اسی (۸۰) سال سے کلمہ شہادت پڑھ رہا ہوں حسن نے کہا یہ کافی تیاری ہے پھر حضرت حسن بصری نے نماز جنازہ پڑھائی اور نماز جنازہ کے بعد نوار کی قبر پر گئے فرزدق نے قبر کے سلسلہ میں چند شعر پڑھے حسن بصری رونے لگے پھر حسن بصری نے فرزدق کو اپنے سے لپٹا لیا اور کہا کہ اس سے پہلے تو میرے ہاں مبغوض تھا لیکن آج تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۶۲۵ ج ۹)

ابن جریر لکھتے ہیں کہ ۵۰ھ میں جب کہ فرزدق کا عالم شباب شروع ہو رہا تھا اس نے اشہب اور بعیث کی ہجو کی انہوں نے فرزدق کی شکایت زیاد بن ابی سفیان کے پاس کی زیاد نے حکم دیا کہ فرزدق کو حاضر کیا جائے فرزدق کو جب علم ہوا کہ مجھے زیاد گرفتار کرنا چاہتا ہے تو یہ بھاگ کر مدینہ منورہ کے گورنر سعید بن عاص کے پاس چلا گیا اور یہ بھی روایت ہے کہ اس کے بعد اس نے ایک قصیدہ لکھا جس میں حضرت معاویہ کے متعلق گلہ وشکوہ کیا زیاد یہ سن کر فرزدق پر زیادہ ناراض ہوا اور حکم دیا کہ جہاں کہیں فرزدق ملے اس کو گرفتار کر لیا جائے لیکن زیاد فرزدق کو گرفتار نہ کر سکا کیونکہ اس نے مدینہ منورہ میں سعید بن عاص کے پاس جا کر پناہ لے لی اور سعید کے بارے مدحیہ قصیدہ بھی لکھا جس میں یہ کہا کہ کوئی زیاد کو جا کر میرا پیغام دے کہ میں سعید کی پناہ میں آ گیا ہوں اور سعید جس کا ہو اس کی طرف کسی کی مجال نہیں کہ آنکھ اٹھا کر دیکھے فرزدق زیاد کے مرنے تک مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں ہی رہا پھر جب عبدالملک بن مروان کا دورِ حکومت تھا تو عبدالملک کا لڑکا ہشام بن عبدالملک حج کے لیے گیا جب حرم کعبہ میں طواف شروع کیا اور حجر اسود کو بوسہ دینے لگا تو زیادہ ہجوم کی بناء پر حجر اسود کو بوسہ نہ دے سکا آخر کار ایک جگہ بیٹھ کر لوگوں کے ہجوم کے کم ہونے کا انتظار کرنے لگا ہشام کے ارد گرد شامی امراء اور رامشیر وغیرہ بھی تھے یہ ابھی بیٹھا ہوا انتظار کر رہا تھا کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے امام زین العابدین علیہ السلام طواف کعبہ کے لیے تشریف لائے لوگوں نے جب دیکھا کہ امام زین العابدین علیہ السلام تشریف لائے ہیں تو انہوں نے مطاف (طواف کی جگہ) =

(نہیں) کا لفظ نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ نعم (ہاں) ہی کہا مگر کلمہ شہادت میں لا (نہیں) کا لفظ ضرور آپ کی زبان پر آتا تھا اور اگر کلمہ شہادت میں لآ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی تو اس میں بھی لآ (نہیں) کی جگہ آپ نعم (ہاں) ہی فرماتے نیز فرزدق کہتا ہے کہ ان کے دونوں ہاتھ بادل ہیں کہ جن کا نفع سب دوست اور دشمن کے لیے ہے وہ مسلسل برستے

= کو خالی کر دیا امام زین العابدین علیہ السلام حجر اسود کے قریب تشریف لے گئے آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا ہشام اور اس کے تمام حواری یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ ایک شامی نے ہشام سے پوچھا یہ کون ہیں جن کے لیے لوگوں نے تمام مطاف ہی خالی کر دیا ہے، ہشام نے یہ خیال کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں نے بتایا کہ رسول اللہ کے بیٹے زین العابدین ہیں تو یہ لوگ بھی ان کی طرف التفات کریں گے لہٰذا تجاہل عاقانہ کے طور پر کہنے لگا میں نہیں پہچانتا وہاں فرزدق (نامی گرامی شاعر) بھی موجود تھا اس نے ہشام اور شامیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا انا اعرفہ ان کو میں جانتا ہوں، صرف میں ہی نہیں جانتا بلکہ ان کو خانہ کعبہ میں حل و حرم پہنچاتے ہیں اور ان کے قدم رکھنے کی جگہ قدم کی چاپ کو زمین بطحاء بھی محسوس کر لیتی ہے، ہم اس قصیدے کا ذکر پہلے بحوالہ البدایہ والنہایہ کر چکے ہیں نیز حافظ ابن کثیر کے علاوہ اس قصیدے کا تذکرہ درج ذیل محدثین نے کیا ہے، علامہ ابن خلکان (المتوفی ۶۸۱ھ) نے وفیات الاعیان ۳۳۸ ج ۲ میں ابن عماد حنبلی (المتوفی ۱۰۲۸ھ) نے شذارت الذاہب ۱۴۲ھ ج ۱ میں علامہ شبرادی نے اتحاف ۵۱ میں علامہ تقی الدین سبکی (المتوفی ۷۷۱ھ) نے طبقات شافعیہ ۱۵۳ ج ۱ میں حافظ ابونعیم (المتوفی ۴۳۰ھ) نے حلیۃ الاولیاء صفحہ ۱۱۹ نے شرح شواہد مغنی ۳۴۹ میں علامہ شبلنجی نے نور الابصار صفحہ ۲۳۸ میں علامہ ابن حجر مکی (المتوفی ۹۷۴ھ) نے صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۹ میں علامہ دمیری (المتوفی ۸۹۸) نے حیاۃ الحیوان ۱۱ ج ۱ میں سبط ابن جوزی (المتوفی ۲۳۹ ج ۱ میں علامہ ابن صباغ نے فصول مہمہ ۲۱۸ میں علامہ ابراہیم قندوزی (المتوفی ۱۲۹۴ھ) نے ینابیع المودۃ ۴۷۹ میں علامہ ابن طلحہ شافعی نے مطالب السؤل صفحہ ۷۹ میں احمد حسن زیارت نے تاریخ الادب العربی ۱۲۰ میں داتا گنج بخش ہجویری (المتوفی ۴۲۵ھ) نے کشف المحجوب صفحہ ۱۴۲ میں علامہ ابو محمد عبداللہ زوزنی (المتوفی ۴۳۱ھ) نے شرح سبع معلقات میں ان مذکورہ بالا محدثین کے علاوہ دیگر علماء نے بھی اپنی اپنی تصنیفات میں اس قصیدہ کا ذکر کیا ہے۔ جب اس قصیدے کو ہشام نے سنا تو وہ فرزدق پر سخت ناراض ہو گیا اور اس کو عسفان کے جیل خانہ میں قید کر دیا۔ =

ہیں اور ان کے لیے رکنا نہیں ہے، چنانچہ روایات میں ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام انگور پسند فرمایا کرتے تھے ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں عمدہ قسم کے انگور آئے آپ کی ام ولد کنیز نے انگور خریدے اور افطار کے وقت آپ کے پاس لائی آپ ان کی طرف ہاتھ بڑھا ہی رہے تھے کہ دروازے پر ایک سائل آیا آپ علیہ السلام نے کنیز کو کہا کہ یہ سائل کو دے دو کنیز نے عرض کی کچھ آپ رکھ لیں بقایا سائل کو دے دیتے ہیں فرمایا نہیں تمام ہی سائل کو دے دو کنیز نے دوسرے دن پھر بازار سے انگور خریدے اور افطاری کے وقت پھر امام کی خدمت میں پیش کیے اتفاقاً پھر سائل آگیا آپ نے کنیز کو فرمایا تمام سائل کو دے دو تیسرے دن پھر کنیز نے انگور منگوائے اور بوقت افطار امام زین العابدین علیہ السلام کی بارگاہ میں پیش کیے اس مرتبہ سائل نہ آیا تو امام علیہ السلام نے انگور کھائے اور فرمایا کہ الحمدللہ ہماری طرف سے تو کوئی کوتاہی نہیں ہوئی امام زین العابدین علیہ السلام اکثر روزہ رکھا کرتے تھے حکم یہ ہوتا کہ ہر دن ایک بکرا ذبح کیا جائے اس کو پکایا جاتا جب گوشت پک جاتا تو خود دیگوں پر جھک کر دیکھتے پھر بڑے بڑے پیالے منگاتے اور فرماتے اس میں فلاں خاندان کے لیے ڈال دو اور اس میں فلاں خاندان کے لیے ڈال دو یہاں تک کہ دیگیں ختم ہو جاتی پھر آپ کے لیے روٹی اور کھجور لائی جاتی

= امام زین العابدین علیہ السلام کو جب پتہ لگا تو آپ نے بارہ ہزار درہم اس کے پاس بھیجے لیکن فرزدق نے یہ کہہ کر بارہ ہزار درہم واپس کر دیئے کہ میں نے دنیاوی اجرت کے لیے یہ قصیدہ نہیں کہا بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور حصول ثواب کے لیے کہا ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے پھر یہ رقم فرزدق کے پاس بھیج دی اور فرمایا کہ ہم آل محمد کا یہ اصول ہے کہ جو چیز دے دیتے ہیں وہ واپس نہیں لیتے، تم اسے لے لو۔ خدا تم کو تمہاری نیت کا بھی اجر عظیم دے گا، وہ سب کچھ جانتا ہے پھر فرزدق نے اس کو قبول کر لیا۔

فرزدق کی وفات ۱۱۰ ہجری میں ہوئی۔ فرزدق کا معاصر (ہم عصر) بہت بڑا شاعر جریر بن خطفی ابوحرزہ بصری فرزدق کی وفات کے چالیس دن بعد فوت ہو گیا تھا۔ (مفتی غلام رسول) (لنڈن)

آپ وہی کھا کر رات بسر کر لیتے امام زین العابدین علیہ السلام کی یہ عادت مبارکہ تھی جب تک کھانا صدقہ نہ کر لیتے اس وقت تک خود کھانا نہ کھاتے یتیموں مسکینوں کو اپنے دستر خوان پر دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے ابوحمزہ ثمال کا بیان ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام روٹیوں کا تھیلا اپنی پشت پر اٹھا لیتے اور صدقہ کرتے تھے اور فرماتے کہ پوشیدہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ختم کر دیتا ہے، سفیان بن عینیہ سے روایت ہے کہ ایک سرد رات میں جب کہ بارش ہو رہی تھی مسلم بن شہاب زہری نے علی بن حسین (امام زین العابدین علیہ السلام) کو دیکھا کہ آپ اپنی پشت پر آٹے کی بوری اٹھائے جا رہے ہیں عرض کیا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے میرا غلام اٹھا لیتا ہے امام علیہ السلام نے فرمایا نہیں پھر زہری کہنے لگے میں خود اٹھاتا ہوں امام علیہ السلام نے فرمایا ہرگز نہیں کیونکہ میرا سفر کا ارادہ ہے جس کے لیے زاد راہ کی ضرورت ہے میں چاہتا ہوں یہ زاد راہ خود محفوظ جگہ پر رکھ دوں امام علیہ السلام نے زہری کو فرمایا تم اپنا کام کرو مجھے چھوڑ دو انسان کے سفر میں جو چیز اس کی نجات کا باعث بنے وہ خود اس کو سر انجام دینی چاہیے کچھ دنوں کے بعد زہری نے امام زین العابدین علیہ السلام سے کہا کہ آپ فرما رہے تھے کہ میں نے سفر پر جانا ہے تشریف نہیں لے گئے آپ نے فرمایا زہری وہ سفر نہیں جس کا تمہیں گمان ہوا ہے بلکہ سفر سے مراد موت کا سفر ہے میں اس کی تیاری کر رہا ہوں موت کے سفر کی تیاری، اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال کا خرچ کرنا ہے، ابن کثیر لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ مدینہ منورہ میں کئی گھرانے ایسے تھے جنہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کا رزق کہاں سے آتا ہے جب امام زین العابدین علیہ السلام کی وفات ہوئی ان کا رزق بند ہو گیا پھر انہیں معلوم ہوا کہ ہمارا رزق تو امام زین العابدین علیہ السلام کے گھر سے آتا تھا ابن کثیر یہ بھی لکھتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے دو مرتبہ اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں تقسیم کر دیا تھا۔

(البدایہ والنہایہ ۱۰۵ ج ۹)

جب سرف بن عقبہ نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا تو مدینہ متورہ کی تقریبا چار سو عورتیں ان کے بچے اور ان کے غلاموں نے امام زین العابدین علیہ السلام کے ہاں پناہ لی بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگ شہر چھوڑ کر امام عالی مقام زین العابدین علیہ السلام کے ہاں چلے گئے آپ نے تمام لوگوں کے کھانے پینے کا انتظام فرمایا یہاں تک کہ سرف بن عقبہ مدینہ منورہ سے چلا گیا تو جو لوگ ان ایام میں امام زین العابدین علیہ السلام کے زیر کفالت رہے وہ بعد میں حلف اٹھا کر کہتے تھے کہ ہم نے اپنے ماں باپ کے گھر میں وہ آرام اور خوشی نہیں دیکھی جو امام زین العابدین علیہ السلام کے گھر میں دیکھی ہے ایک مرتبہ امام زین العابدین محمد بن اسامہ بن زید کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے تو محمد بن اسامہ نے رونا شروع کر دیا، امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا تم روتے کیوں ہو کہا میں نے قرض دینا ہے اس کی ادائیگی کی کوئی صورت نہیں ہے فرمایا کتنا عرض ہے عرض کیا سترہ ہزار دینار ہیں تو امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا تم فکر نہ کرو ہم ادا کرتے ہیں چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام نے تمام قرض ادا کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ ۱۰۵ج۹)

امام زین العابدین علیہ السلام کی وفات کے بعد جب آپ کو غسل دیا گیا تو لوگوں نے آپ کی پشت پر کچھ آثار دیکھے پوچھا یہ کیسے نشانات ہیں بتایا گیا کہ آپ رات کے وقت آٹے کی بوریاں پشت پر اٹھا کر پوشیدہ طور پر مدینہ منورہ کے گھرانوں میں پہنچایا کرتے تھے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ جب آپ علیہ السلام کی وفات ہوئی تو معلوم ہوا کہ آپ اہل مدینہ کے سو (۱۰۰) گھروں کی مستقل کفایت فرمایا کرتے تھے اور کھانے پینے کی چیزیں خود اٹھا کر ان کے گھرانوں میں پہنچایا کرتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ ۱۰۵ج۹)

غرضیکہ امام زین العابدین علیہ السلام بہت بڑے فیاض اور سخی تھے اس وقت

تک خود کھانا نہ کھاتے جب تک صدقہ نہ فرما لیتے، غریبوں، مسکینوں اور تکلیف زدہ لوگوں کو اپنے دستر خوان پر بٹھا کر خوش ہوا کرتے جو شخص آتا اگر وہ بچوں کو ساتھ نہ لاتا تو آپ اس کو کھانا کھلانے کے بعد کافی مقدار میں اس کے بچوں کے لیے بھی اس کے گھر کھانا بھیج دیتے آپ جو چیز زیادہ پسند فرماتے اس کا صدقہ کرتے چنانچہ آپ شکر اور بادام زیادہ صدقہ کرتے اس کے بارے میں آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے اس آیت کریمہ:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ

کی تلاوت فرمائی (تم اس وقت تک ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک اس میں سے خرچ نہ کرو جسے محبوب رکھتے ہو) اور آپ ان دو چیزوں (شکر اور بادام) کو بہت پسند فرمایا کرتے تھے لہٰذا ان کا صدقہ بھی زیادہ فرماتے تھے نیز آپ علیہ السلام مظلوم اور خستہ حال لوگوں کی زیادہ امداد اور حمایت فرمایا کرتے تھے چونکہ وہ غلامی کا دور تھا اسی لیے اسلام نے غلامی کی حالت کو آزادی سے بدلنے کو بہت بڑی نیکی اور ثواب قرار دیا اس کی کئی صورتیں تجویز کیں یا تو براہ راست غلام کو خرید کر آزاد کر دیا جائے یا پھر گناہوں کے کفارے میں ان کو آزاد کر دیا جائے وغیرہ وغیرہ امام زین العابدین علیہ السلام نے جتنے غلام آزاد کیے ہیں کسی اور نے اتنے نہیں کیے آپ علیہ السلام جب بھی غلام یا کنیز خریدتے تو آپ ان کو اپنی خدمت کے لئے نہیں خریدا کرتے تھے بلکہ آپ آزاد کرنے کی نیت سے خریدا کرتے تھے جب آزاد فرما دیتے اس کی تعلیم و تربیت بھی فرماتے اور اس کو اپنی طرف سے اتنا مال دیتے کہ اس سے غلامی کے اثرات ختم کر دیتے جب وہ آزاد ہو جاتا تو وہ اپنے آپ کو ایک باضمیر انسان تصور کرتا نیز وہ امام زین العابدین علیہ السلام کے اخلاق سے اتنا متاثر ہوتا کہ آپ کے ہاں سے جانا وہ پسند ہی نہ کرتا لیکن امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے کہ تم جا سکتے ہو کہ لوگ تمہیں یہ نہ سمجھیں کہ ابھی تک تم غلامی کے پنجہ

سے آزاد نہیں ہو سکے امام زین العابدین علیہ السلام کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں غلام ہی نظر آتے جن کو امام زین العابدین آزاد کر چکے تھے مورخین لکھتے ہیں کہ آپ نے تقریباً پچاس ہزار سے زائد غلاموں کو خرید کر آزاد کیا ہے بایں وجہ فرزدق نے آپ کی تعریف میں کہا ہے کہ قومیں جب مصیبت میں پھنس جائیں تو ان کے بوجھ اٹھانے والے ہیں ان کے احسانات تمام مخلوقات پر عام ہیں تو بتا تو سہی دنیا میں کون ہے جس کی گردن میں ان کی نعمتوں کے ہار نہیں ہیں ان کمالات کے مالک علی بن حسین (امام زین العابدین) تو ہیں جو رسول اللہ کی اولاد ہیں کہ جن کے نور ہدایت سے ساری امتیں ہدایت حاصل کرتی ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ۱۰۵ ج ۹)

امام زین العابدین علیہ السلام کی کرامات

دنیا چونکہ عالم اسباب سے ہے اور عالم اسباب میں ہر چیز کو کسی نہ کسی سبب سے مربوط کر دیا گیا ہے کہ جب وہ سبب پایا جائے تو مسبب بھی پایا جائے لیکن بعض اسباب ایسے ہیں جن کا سراغ لگانے سے ہماری عقلیں قاصر ہیں اور فہم و ادراک سے عاجز ہیں گویا کہ ہماری نظروں میں مسبب سبب کے علاوہ بھی موجود ہو جاتا ہے اس کو خرق عادت کہتے ہیں یہ خرق عادت (خلاف عادت) اگر انبیائے کرام سے صادر ہو تو معجزہ ہے اور اولیاء کاملین سے صادر ہو تو کرامت ہے اور متکلمین نے کہا ہے کہ خلاف عادت کی چھ قسمیں ہیں:

نمبر ۱: معجزہ، جو نبی سے بعد از دعویٰ نبوت صادر ہو۔

نمبر ۲: ارہاص،[1] جو نبی سے قبل از دعویٰ نبوت صادر ہو۔

---

[1] علامہ سید شریف جرجانی (المتوفی ۸۱۲ھ) ارہاص کی تعریف میں لکھتے ہیں ما یظھر من الخوارق عن النبی ﷺ قبل ظھورہ کاالنور الذی کان فی جبین آباء نبینا ﷺ =

نمبر ۳: کرامت، جو ولی سے صادر ہو۔

نمبر ۴: معونت، جو عام مومنوں سے صادر ہو۔

نمبر ۵: اہانت، جو کافر سے اس کی غرض کے خلاف صادر ہو۔

نمبر ۶: استدراج، جو کافر سے اس کی غرض کے موافق صادر ہو۔

نیز متکلمین نے کہا ہے کہ معجزہ نبی کے دعویٰ نبوت میں سچے ہونے کی دلیل ہے اور کرامت اولیاء برحق کی تکریم و تعظیم ہے کرامت اصل میں معجزہ کا پرتَو ہے فرق اتنا ہے کہ نبی پر اپنے دعویٰ نبوت کا اظہار فرض ہے اور ولی پر اپنے حال کا اخفا (پوشیدگی) لازم اور ضروری ہے ہاں اگر کسی مقصد کی وجہ سے اظہار کرنا پڑے یا خود بخود اس کا اظہار ہو جائے تو کوئی حرج نہیں چنانچہ جب امام زین العابدین علیہ السلام کو عبدالملک بن مروان نے گرفتار کر کے پاؤں میں بیڑیاں، ہاتھ میں زنجیریں اور گردن میں طوق ڈال دیئے پھر ملک شام کی طرف لے جانے کے ارادے سے امام زین العابدین علیہ السلام کو مدینہ منورہ کے باہر ایک خیمہ میں رکھا اور اپنے گماشتے (چوکیدار) بھی نگہبانی کے لیے مقرر کر دیئے تو امام زین العابدین علیہ السلام کے شاگرد ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ میں آپ کے خیمہ میں حاضر ہوا آپ کی یہ حالت دیکھ کر میں نے رونا شروع کر دیا اور میں نے عرض کیا کہ کاش آپ کی جگہ مجھے پابند سلاسل کیا جاتا اور آپ محفوظ رہتے تو امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا اے زہری تو یہ خیال کرتا ہے کہ ان زنجیروں اور طوق سے میں تکلیف میں ہوں اگر میں چاہوں تو یہ فوراً اتر جائیں پھر آپ علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں کو زنجیروں سے اور پاؤں کو بیڑیوں سے علیحدہ کر لیا پھر تھوڑی دیر کے بعد ہاتھ پاؤں کو زنجیروں اور بیڑیوں میں ڈال لیا پھر فرمایا اے زہری

جو نبی سے خلافِ عادت قبل از ظہور نبوت ظاہر ہو جیسے کہ وہ نور جو ہمارے نبی کریم ﷺ کے آباؤ اجداد کی پیشانیوں میں چمکتا تھا۔

میں ان کے ساتھ اس حالت میں دو منزلوں سے زیادہ نہ جاؤں گا جب صبح ہوئی تو آپ اس خیمہ سے غائب تھے زہری کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں عبدالملک بن مروان کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے امام زین العابدین علیہ السلام کا حال پوچھا میں نے بیان کیا تو عبدالملک بن مرون نے کہا کہ جس وقت میرے گماشتوں نے انہیں گم کر دیا تو امام زین العابدین علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے کہ اب میرے اور تمہارے درمیان کوئی چیز حائل ہے (یعنی میرے اور تمہارے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے اور جو سلوک کرنا چاہتے ہو کرلو تمہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہے) عبدالملک کہتا ہے کہ میں نے کہا آپ یہاں ٹھہریں۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے کہا کہ میں ٹھہر نہیں سکتا۔ آپ علیہ السلام تشریف لے گئے اور خدا کی قسم میں آپ علیہ السلام کے رعب و جلال سے خوف زدہ ہو گیا۔

اب ظاہر ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے ہاتھ اور پاؤں سے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں جدا کر دیں اور پھر ان کو پہن بھی لیا جس سے مقصد یہ تھا کہ ہم خدا کی رضا پر راضی ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ طاقت دے رکھی ہے کہ یہ ظاہری طور پر پابند سلاسل ہونا ہمیں نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی یہ ہمارے لیے کوئی ظاہری رکاوٹ ہے اب اس مقصد کے اظہار کے لیے آپ سے اس کرامت کا صدور ہوا اور ولی اگرچہ اپنی کرامت کا اظہار نہیں کرتا لیکن بعض مقاصد کے لیے اظہار کر بھی دیتا ہے اور یہ بھی ہم نے ذکر کیا ہے کہ کرامت معجزہ کا پرَتو ہے اور ولی نبی کا نائب ہے امام زین العابدین علیہ السلام صرف ولی ہی نہیں بلکہ دین اسلام کے امام اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے اور آپ کے برحق نائب ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت میں آپ کو تمام تصرفات کا اختیار دیا گیا سیاہ وسفید کے آپ مختار تھے علوم غیبیہ آپ پر منکشف تھے ما کان و مایکون کا علم اور لوح محفظ پر آپ کو اطلاع تھی صرف کرامات ہی نہیں دیئے گئے بلکہ مجسمہ کرامات تھے آپ کی بے شمار کرامات ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں۔

ایک دن آپ اپنے غلاموں کے ساتھ ایک جنگل میں تشریف لے گئے چاشت کے کھانے کے لیے جب دستر خوان بچھادیا گیا وہیں ایک ہرن آ کر ٹھہر گیا آپ علیہ السلام نے اس کو کہا میں علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہوں اور میری ماں فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے تم آؤ اور ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ ہرن آپکے پاس آیا آپ نے اس کو کھانا دیا اس نے کھایا پھر ایک طرف چلا گیا کسی ایک غلام نے کہا اسے ذرا پھر بلائیے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اگر ہم نے بلایا تو اسے پناہ دیں گے تمہیں اس کی پناہ نہ ٹھکرانا ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز نہیں ٹھکرائیں گے حضرت زین العابدین علیہ السلام نے ہرن کو بلایا پھر وہ آگیا اور دستر خوان کے نزدیک ٹھہر گیا اور ان کے ساتھ کچھ کھایا، کسی ایک نے ہرن کی پشت پر ہاتھ رکھا تو وہ بھاگ گیا۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا تم نے میری پناہ کو ٹھکرادیا ہے۔ ایک مرتبہ آپ چند ساتھیوں کے ہمراہ جنگل میں جارہے تھے کہ اچانک ایک ہرنی آگئی اور آپ کے پاس آکر کہنے لگی کہ اے ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل فلاں قریشی میرا بچہ اٹھا لایا ہے اور میں نے تو اس کو کل کا دودھ بھی نہیں پلایا آپ نے اس قریشی کو بلایا وہ آیا تو آپ نے فرمایا یہ ہرنی شکایت کرتی ہے کہ تم اس کا بچہ اٹھا لائے ہو اور یہ ہرنی اب مجھ سے درخواست کررہی ہے کہ میں تجھے اس کا بچہ واپس کرنے کے لیے کہوں تا کہ وہ اسے دودھ پلائے اس قریشی نے بچہ لا کر حاضر کیا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے دونوں کو چھوڑا تو ہرنی چوکڑیاں بھرتی شور مچاتی چلی گئی۔ حاضرین نے دریافت کیا اے رسول اللہ کے بیٹے یہ کیا کہتی ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا تمہیں بالفاظ جزاك الله خيراً دعا دیتی ہے۔ (شواہد النبوت ۳۱۳)

منہال بن عمرو کہتے ہیں کہ حج کے دنوں میں حضرت زین العابدین علیہ السلام کو ملنے گیا تو آپ نے مجھ سے خزیمہ بن کاہل اسدی کے متعلق پوچھا میں نے عرض کیا وہ کوفہ میں موجود ہے تو آپ نے اس کے لیے یہ بددعائیہ کلمات کہے اے اللہ اس کو آگ کی

حرارت میں جلا دے منہال بن عمرو کہتے ہیں جب میں کوفہ واپس آیا تو معلوم ہوا کہ مختار بن ابی عبید ثقفی[1] خروج کر چکا تھا، میں اس سے ملاقات کرنے کے لیے گھوڑے پر سوار

---

[1] مختار بن ابی عبید ثقفی یہ پہلے ناصبی تھا حضرت علی سے دشمنی رکھتا تھا یہ اپنے چچا کے پاس مدائن میں رہتا تھا جو کہ مدائن کا گورنر تھا ایک مرتبہ امام حسن علیہ السلام اس کے چچا کے پاس گئے تو مختار نے اپنے چچا کو کہا کہ تم امام حسن کو پکڑ کر معاویہ کے سپرد کر دو تو تمہیں انعام واکرام سے نوازیں گے اس کے چچا نے کہا مختار بکواس بند کرو۔ (تذکرۃ الخواص ۱۷۹)

اب مختار نے سمجھا کہ جب تک میں امام حسین علیہ السلام کا نام استعمال نہیں کروں گا مجھے کامیابی نہیں ہو گی لہٰذا یہ کوفہ چلا آیا اور کہا کہ میں امام حسین شہید کربلا کا ان کے قاتلوں سے بدلہ لوں گا نیز کہا کہ مجھے محمد بن حنفیہ نے اپنا نائب مقرر کیا ہے لوگوں نے اس کی حمایت شروع کر دی ابن زیاد نے اس کو گرفتار کر کے کوڑے مارے چونکہ اس کی ہمشیرہ صفیہ بنت ابی عبید حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں لہٰذا ابن عمر کی سفارش پر مختار کو رہا کر دیا گیا، امام زین العابدین علیہ السلام کی بیعت کرنا چاہی مگر آپ نے بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ ۲۹۸ ج ۸ مروج الذہب ۱۵۵اج ۶۷)

امام زین العابدین علیہ السلام نے نور فراست سے معلوم کر لیا کہ یہ آدمی اپنے مفاد کے لیے کام کرنا چاہتا ہے لہٰذا آپ علیہ السلام نے نہ ہی اس کی حمایت فرمائی اور نہ ہی اس سے بیعت لی۔ لیکن لوگوں نے اس کے اعلان کی وجہ سے اس کی حمایت شروع کر دی، علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر کے مقرر کردہ کوفہ کے حاکم عبداللہ بن یزید انصاری نے مختار کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا اور سلیمان بن صرد جو کہ توابین کا سربراہ تھا یہ اپنی سترہ ہزار فوج کو لے کر ۶۵ ہجری کو کوفہ سے نکل کر ملک شام کی طرف روانہ ہوا روانگی کے وقت عبداللہ بن سعد بن نفیل نے سلمان بن صرد کو کہا کہ تمام قاتلان حسین تو کوفہ میں ہیں ان کو چھوڑ کر تم ملک شام کی طرف کیوں جا رہے ہو اس نے کہا یہ تو حکم کے بندے تھے اصل مجرم عبید اللہ بن زیاد ہے ہم اس سے لڑیں گے یہ کوفہ سے چل کر مقام کربلا میں آئے وہاں مقتل حسین اور مدفن حسین جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی لاش بے سر مدفون تھی، خوب روئے دھوئے بایں وجہ یہ لوگ اپنے کو توابین کہتے ہیں کہ پہلے انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ بے وفائی کی ان کو قتل کرانے کا جرم کیا پھر اس سے تائب ہو کر تلافی کے درپے ہوئے مقام کربلا میں ایک دن اور ایک رات قیام کرنے کے بعد عین الوردہ کے =

ہوا جب اس کے پاس پہنچا وہ بھی گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا ہم دونوں چل پڑے مختار ایک جگہ پر جا کر کھڑا ہو گیا ایک آدمی کا انتظار کرنے لگا اچانک خزیمہ بن کاہل اسدی کو پکڑ

= مقام پر پہنچ کر خیمہ زن ہوئے تو ابن زیاد نے حصین بن نمیر کو ۲۲ ہزار فوج دیکر توابین کے مقابلہ کے لیے بھیج دیا لڑائی شروع ہوئی توابین کو بری طرح شکست ہوئی خود ان کا سردار سلیمان بن صرد بھی مارا گیا جو بچے انہوں نے راہ فرار اختیار کیا جب یہ توابین شکست کھا کر کوفہ پہنچے تو مختار ثقفی نے جیل خانہ سے ان بقیہ کی طرف تعزیت نامہ لکھ کر روانہ کیا اور ساتھ یہ پیغام بھیجا تمہیں فکر نہ کرنی چاہیے اگر میں زندہ رہا تو ضرور امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں سے بدلہ لوں گا اور ان کا ایسا خون بہاؤں گا کہ لوگوں کو بخت نصر کا زمانہ یاد آجائے گا کہ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا۔

چنانچہ مختار ثقفی نے امام حسین علیہ السلام کے قتل کے بدلے میں ستر ہزار شامی اور کوفی قتل کیے امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ روایت ذکر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ پر وحی بھیجی کہ قوم یہود نے حضرت ذکریا علیہ السلام کو قتل کیا تو ان کے خون کے بدلے ستر ہزار یہودی قتل ہوئے اور آپ کے نواسے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ایک خون کے بدلے ستر ہزار اور ستر ہزار یعنی ایک لاکھ چالیس ہزار (شامی و کوفی) قتل ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا کہ مختار ثقفی نے ستر ہزار شامی وکوفی قتل کیے اور پھر عباسی سلطنت کے بانی عبداللہ سفاح کے ہاتھ سے ستر ہزار شامی وکوفی مارے گئے قاتلان حسین نے دنیا میں یوں ہی عذاب دیکھا جیسا کہ یہود نے بخت نصر سے دیکھا ابھی ان قاتلان حسین کے لیے آخرت کا عذاب باقی ہے۔ نیز یہ بھی لکھا کہ جو شخص ہمارے ساتھ اس کام میں شرکت کرنا چاہتا ہے وہ ہم سے وعدہ کرے اس خط کو جب توابین میں سے رفاعہ بن شداد، سعد بن حذیفہ بن یمان، حمزہ بن شمیط، یزید بن انس، عبداللہ بن شداد، عبداللہ بن کامل وغیرہ نے پڑھا تو وہ خوش ہوئے کہ خدا کا شکر ہے کہ ابھی ایک ایسا شخص موجود ہے جو خون حسین کا بدلہ لینے کا دل میں جذبہ رکھتا ہے چنانچہ رفاعہ بن شداد چار پانچ آدمیوں کو لے کر جیل خانہ میں گیا اور مختار سے ملاقات کی اور کہا کہ ہم لوگ تم کو جیل خانہ سے نکالنا چاہتے ہیں، مختار نے کہا صبر کرو میں خود جیل خانہ سے باہر آجاؤں گا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر کی سفارش سے مختار جیل سے باہر آگیا اور اپنی جماعت بنانا شروع کر دی اسی اثناء میں حضرت عبداللہ بن زبیر نے کوفہ کا نیا گورنر عبداللہ بن مطیع کو مقرر کر دیا اور عبداللہ بن مطیع نے آتے ہی شہر کا کوتوال ایاس بن ابی مضارب کو مقرر کیا۔ ایاس نے عبداللہ بن مطیع =

= کو مختار کی سرگرمیوں سے مطلع کیا چنانچہ عبداللہ بن مطیع نے مختار کے چچا زید بن مسعود ثقفی کو حسین بن رافع اژدی کے ہمراہ بھیجا کہ مختار کو میرے پاس بلاؤ مجھے اس سے ضروری کام ہے یہ دونوں مختار کے پاس گئے مختار گورنر کی ملاقات کے لیے تیار ہو گیا لیکن زید نے یہ آیت پڑھی:

وَاِذْ یَمْکُرُ بِكَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ (آخر آیت تک)

مختار سمجھ گیا کہ زید کا مطلب کیا ہے مختار نے کہا کہ مجھے سردی لگ رہی ہے اور بخار چڑھ رہا ہے مجھ پر کپڑا (لحاف) ڈال دو پھر حسین بن رافع کو کہنے لگا کہ میں جانے کے لیے تیار تو ہوں مگر مجھے بخار ہو گیا ہے جب طبیعت درست ہو گی تو گورنر سے ملاقات ہو گی، اس کے بعد مختار نے اپنی جماعت کے آدمیوں سے بات کی اور کوفہ کے گورنر کے عزائم سے ان کو مطلع کیا اور خروج کا اظہار کیا لیکن اس کی جماعت سے سعد ابن ابی سعد کہنے لگا کہ ابھی کچھ دن خروج کو ملتوی رکھو چنانچہ مختار نے کچھ دنوں کے لیے خروج کو ملتوی کر دیا اور خود روپوش ہو گیا اور سعد بن ابی سعد نے چار آدمی مدینہ منورہ روانہ کیے کہ وہ محمد بن حنفیہ سے پتہ کریں کیا واقعی انہوں نے مختار کو اپنا نائب مقرر کیا ہے آپ نے فرمایا ہم نے مختار کو خون حسین کا بدلہ لینے کی اجازت دی ہے جب یہ بات اہل کوفہ تک پہنچی تو انہوں نے مختار کی بیعت شروع کر دی اور مختار نے ابراہیم بن مالک بن اشتر کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور اگلے دن ۶۶ھ میں رات کے وقت خروج کیا دوسری طرف ایاس بن مضارب کو اور عبداللہ بن مطیع گورنر کو بھی پتہ لگ گیا کہ انہوں نے خروج کر دیا ہے وہ سرکاری فوجیں لے کر مقابلہ میں آ گئے، لڑائی شروع ہو گئی سرکاری فوج بھاگ پڑی اور عبداللہ بن مطیع گورنر دارالامارہ میں بند ہو گیا، ایاس بن مضاوب مارا گیا مختار نے دارالامارہ کا محاصرہ کر لیا آخر کار عبداللہ بن مطیع دارالامارۃ سے پوشیدہ طور پر نکل کر ابو موسیٰ اشعری کے مکان میں جا کر چھپ گیا اور ایک دو دن کے بعد عبداللہ بن مطیع کوفہ سے بھاگ کر بصرہ چلا گیا۔ مختار نے لوگوں کو کوفہ کی جامع مسجد میں جمع کیا اور خطبہ دیا جس میں لوگوں کو محمد بن حنفیہ کی امامت تسلیم کرنے کی ترغیب دی اور لوگوں سے حسن سلوک کا وعدہ کیا جب مختار کا کوفہ پر مکمل قبضہ ہو گیا تو اس نے دیگر بلاد اسلامیہ پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا یہاں تک کہ آذربائیجان، مدائن، حلوان کے علاقوں پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا، اسی اثناء میں مختار نے ان تمام لوگوں کی فہرست بنوائی جو ابن زیاد کے لشکر میں قتل حسین میں شریک تھے یا جنہوں نے میدان کربلا میں حصہ لیا تھا، عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن، =

اس نے جلاد کو بلایا تا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے اس کے بعد اس نے آگ

= حفص بن عمرو کو قتل کر دیا گیا، عمرو بن سعد اور شمر کا سر مدینہ منورہ میں محمد بن حنفیہ کے پاس بھیجا گیا۔ اس کے بعد مختار نے ابراہیم بن مالک اشتر کو ابن زیاد کو قتل کرنے کے لیے بھیجا جو کہ واقعہ کربلا کا براہ راست ذمہ دار تھا اور ساتھ ہی وہ تابوت بھی بھیجا جس میں وہ کرسی رکھی تھی جس پر بیٹھ کر حضرت علی المرتضیٰ احکام جاری فرمایا کرتے تھے اور مختار لوگوں کو اس کرسی کے متعلق بتایا کرتا تھا کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے تابوت سکینہ کو موجب نصرت و برکت بنایا تھا اسی طرح شیعان علی کے لیے اس کرسی کو نشانی قرار دیا ہے جس کی وجہ سے ہرگز ہم کو فتح و نصرت حاصل ہوگی۔ ابراہیم مختار کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے عبداللہ بن زیاد کے مقابلہ کے لیے نہر خازر کے مقام پر پہنچ گیا وہاں عبداللہ بن زیاد بھی فوج لے کر آیا ہوا تھا دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ شامی فوج کو شکست ہوئی۔ عبداللہ بن زیاد اور ان کا ایک اور بڑا سردار حصین بن نمیر بھی مارا گیا، ابراہیم بن مالک نے عبیداللہ کا سر کاٹ کر مختار کے پاس بھیجا اور اس کا جسم جلایا گیا، ابن اثیر لکھتے ہیں کہ جب عبیداللہ بن زیاد کا سر مختار کے سامنے پھینکا گیا تو ایک سانپ آیا وہ اس ملعون ابن زیاد کے منہ میں داخل ہو کر ناک سے نکلا پھر ناک سے داخل ہو کر منہ سے نکلا یہ بار بار داخل ہوتا رہا اور نکلتا رہا، امام ترمذی نے اس کو اپنی جامع میں ذکر کیا ہے نیز لکھتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد کی ماں "مرجانہ" نے اس کو کہا اے خبیث تو نے (حسین) رسول اللہ کے بیٹے کو شہید کر دیا تو ہمیشہ ہمیشہ جنت میں نہیں جائے گا۔

(نبراس صفحہ ۵۱۷ جلد ۴) (تاریخ کامل ۲۶۵ ج ۴)

جب عبیداللہ بن زیاد مارا گیا اور مختار ثقفی کی طاقت میں اضافہ ہو گیا تو بصرہ کا گورنر مصعب بن زبیر مختار ثقفی سے خطرہ سمجھتے ہوئے مہلب بن ابی صفرہ کو ساتھ لے کر کوفہ پر حملہ کے لیے روانہ ہوا اور کوفہ سے مختار اپنی فوج لے کر نکلا، دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا مختار کی فوج کو شکست ہوئی، مختار بھاگ کر کوفہ کے دارالامارۃ میں محصور ہو گیا اور مصعب بن زبیر اور مہلب بن ابی صفرہ نے دارالامارۃ کوفہ کا محاصرہ کر لیا یہ محاصرہ کئی روز تک جاری رہا۔ آخر کار مختار تنگ آ کر باہر مقابلہ کے لیے نکلا عبداللہ بن دجاجہ کے دونوں لڑکوں طرفہ و اطراف نے مختار کو ۱۴ رمضان ۶۷ ہجری میں قتل کر دیا۔ (تاریخ کامل ۲۷۳ ج ۴)

مفتی غلام رسول

لندن

جلانے کے لیے کہا جس میں خزیمہ کو پھینک دیا گیا وہ جل گیا میں نے اس واقعہ کے دیکھنے کے بعد کہا سبحان اللہ خلیفہ مختار نے کہا کہ تم نے 'سبحان اللہ' کیوں کہا ہے میں نے خلیفہ بیان دیتے ہوئے کہا کہ خزیمہ کے متعلق امام زین العابدین علیہ السلام نے یوں فرمایا تھا، مختار گھوڑے سے نیچے اترا دو رکعت نماز نفل ادا کی اور دیر تک سجدے میں پڑا رہا پھر وہاں سے چلا میں ساتھ ہی تھا، راستے میں میرا گھر آگیا میں نے مختار کو اخلاقی طور پر ٹھہرنے کے لیے کہا مختار کہنے لگا اے منہال جب تم نے مجھے خود بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام زین العابدین علیہ السلام کے کلمات کو پورا کیا ہے تو میں آج کچھ نہیں کھاؤں گا بلکہ شکرانے کا روزہ رکھوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی توفیق بخشی ہے کہ میں نے حضرت زین العابدین علیہ السلام کی فرمائش کے مطابق خزیمہ کو سزا دی ہے۔ (شواہد النبوت ۶۱۷)

صاحب شواہد النبوت نے یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ جس ناقہ پر آپ سواری کیا کرتے تھے جس وقت امام زین العابدین علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو وہ اونٹنی حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی قبر کے سرہانے آکر بیٹھ گئی، امام باقر علیہ السلام نے آکر دیکھا تو اونٹنی کو کہا کہ اٹھ اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے لیکن اونٹنی نہ اٹھی تو امام باقر علیہ السلام نے فرمایا اسے چھوڑ دو وہ جا رہی ہے اس کے بعد صرف تین دن زندہ رہی پھر وہ مرگئی۔

(شواہد النبوت، ۳۱۴ھ)

الغرض امام زین العابدین علیہ السلام سے بے شمار کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ آپ رسول اللہ کے بیٹے تھے اور پرتو نبوت تھے لہٰذا آپ سے کرامات کا صدور و ظہور کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے بلکہ آپ تو مجسمہ کرامات تھے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کے ارشادات

آپ نے اپنے بیٹے امام باقر علیہ السلام سے فرمایا کہ پانچ آدمیوں سے دوستی نہیں رکھنی چاہیے:

۱۔ فاسق سے کیونکہ وہ تمہیں ایک لقمہ یا اس سے کم پر بھی بیچ دے گا کیونکہ وہ لالچ اور طمع کرنے والا ہے جو لقمہ کے حصول کے لیے تمہاری قیمت لگا دے گا۔

۲۔ جھوٹے شخص سے بھی دوستی نہ کرنا کیونکہ وہ سراب کی مانند ہے۔ قریب کو بعید اور بعید کو تم سے قریب کر دے گا۔

۳۔ بخیل اور کنجوس سے بھی دوستی نہ رکھنا کیونکہ وہ تمہیں اپنے مال سے اس وقت کاٹ دے گا جبکہ تم کو اس کی بہت زیادہ ضرورت ہوگی۔

۴۔ احمق سے بھی میل جول نہ رکھنا کیونکہ وہ تمہیں نفع پہنچانے کی بجائے نقصان پہنچا دے گا۔

۵۔ قطع رحمی کرنے والے سے بھی میل جول نہ رکھنا کیونکہ میں نے اسے اللہ کی کتاب میں ملعون پایا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔

(البدایہ النہایہ ۱۰۲ ج۹)

☆ جو شخص ہمارے (یعنی اہل بیت رسول کے) ساتھ اللہ کی رضا کے لیے محبت

کرتا ہے قیامت کے دن جب کوئی سایہ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کا سایہ عطا فرمائیں گے اور جو ہمارے ساتھ اس لیے محبت کرتا ہے کہ آخرت میں جنت ملے۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت مرحمت فرمائیں گے اور جو شخص ہمارے ساتھ کسی دنیاوی غرض کے لیے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو وسیع رزق عطا فرمائیں گے۔

- ☆ آپ فرمایا کرتے تھے اے خدا میں اس سے تمہاری پناہ مانگتا ہوں کہ لوگوں کی نظر میں میرا ظاہر اچھا ہو جائے اور باطن بگڑ جائے۔
- ☆ بعض لوگ خوف کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں یہ گویا کہ غلاموں کی عبادت ہے۔ بعض جنت کی طمع میں عبادت کرتے ہیں یہ گویا کہ سوداگروں کی عبادت ہے کچھ ایسے بھی ہیں جو محض خدا کے لیے عبادت کرتے ہیں یہ آزادوں کی عبادت ہے۔
- ☆ مومن وہ ہے جو اپنا علم اپنی عقل میں سمو چکا ہے۔ سوال کرتا ہے کہ سیکھے، خاموش رہتا ہے تاکہ سوچے سمجھے اور عمل کرے۔
- ☆ وہ شخص کیسے تمہارا دوست ہو سکتا ہے جب تم اس کی کوئی چیز استعمال کر لو تو اسے خوشی نہ ہو۔
- ☆ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے بھائیو! میں تمہیں آخرت کے گھر کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ دنیا کے متعلق نہیں کیونکہ اس پر تو تم آگے ہی حریص ہو کیا تمہیں وہ بات یاد نہیں جو عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کہی تھی کہ دنیا ایک پل ہے۔ پس اسے عبور کر لو۔ اس کی تعمیر شروع نہ کرو نیز فرمایا تم میں سے کون ہے جو دریا کی موج پر گھر بنائے یہ دنیا قرار کی جگہ نہیں ہے۔

امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری، امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زہری نہایت ہی غمناک تھے۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے غمناکی کی وجہ دریافت فرمائی۔ عرض کیا گناہ سرزد ہے جس کی وجہ سے پریشان ہوں فرمایا! زہری ناامید کیوں ہوتے ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہارے گناہ سے بہت زیادہ وسیع ہے زہری نے کہا:

اللہ اعلم حیث یجعل رسالاتہ۔ (البدایہ والنہایہ ۱۰۷ ج ۹)

نیز زہری نے عرض کیا کہ مجھ پر جو نعمتیں ہیں ان پر لوگ حسد کرتے ہیں اور جن سے میں نیکی کرتا ہوں وہی میرے خلاف ہوتے ہیں تو امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا اپنی زبان کی حفاظت کر کہ اس ذریعہ سے تو اپنے بھائیوں کا مالک بن جائے گا زہری نے کہا کہ میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا زہری تم بہت دور چلے گئے ہو ان چیزوں کے ذریعے اپنے اوپر اترانے سے بچو، اے زہری جس کی عقل کامل نہ ہو اس کی ہلاکت ظاہر ہے۔ اے زہری تم پر لازم ہے کہ تم مسلمانوں کو اپنے گھر کے افراد کی طرح سمجھو بڑوں کو اپنے باپ کی جگہ چھوٹوں کو اولاد کی جگہ اور ہم عمروں کو اپنے بھائیوں کی جگہ اگر تمہارے دل میں یہ بات آئے کہ تم میں فلاں کی نسبت برتری ہے تو تم غور کرو اگر وہ فلاں تم سے بڑا ہے تو کہو کہ وہ مجھ سے ایمان اور عمل صالح میں سبقت کر چکا ہے لہٰذا وہ مجھ سے بہتر ہے۔ اگر وہ تمہارا ہم عصر ہے تو خیال کرو کہ مجھے اپنا یقین ہے اور اس کے معاملے میں شک ہے تو پھر کیا حق ہے کہ اپنے یقین کو شک کی بناء پر ترک کر کے شک کے پیچھے چلے جاؤ۔ اگر تم یہ دیکھتے ہو کہ مسلمان تمہاری عزت و تکریم کرتے ہیں تو کہو کہ یہ ان کا فضل ہے جو انہیں حاصل ہے۔ اگر وہ تجھ پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں تو پھر خیال کرو کہ یہ کسی گناہ کی وجہ سے ہے جو مجھ سے

سرزد ہوا ہے۔ اگر تم ان باتوں کو معمول بنالو تو پھر تمہاری زندگی تمہارے لیے آسان ہو جائے گی اور تمہارے دوستوں میں اضافہ ہو جائے گا اور تمہارے دشمن کم ہو جائیں گے اگر وہ نیکی کریں گے تو تم کو خوشی ہوگی زیادتی کریں گے تو تم کو افسوس نہیں ہوگا۔

☆ آپ لوگوں کو فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے لیے ہر آدمی کے پاس بیٹھنا جائز نہیں ہے کیونکہ قرآن پاک میں ہے:

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝٦٨

ترجمہ: "یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ جو تم چاہو منہ سے بات نکال دو۔"

چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

ترجمہ: "اور جس کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ۔"

ور نہ ہی یہ جائز ہے کہ جو تم چاہو وہ سنو۔

چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝٣٦

ترجمہ: "بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے ضرور سوال ہوگا۔"

☆ امام زین العابدین علیہ السلام یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے جو کسی مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ۱۰۰ ضرورتوں کو پورا کرے گا اور جو کسی کی مصیبت دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے مصائب کو دور فرمائے گا اور جو کسی مظلوم کی مدد کرے گا اللہ تعالیٰ پل صراط پر

گزرتے وقت اس کی مدد فرمائے گا اور جو کسی بھوکے کو کھانا کھلائے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھلوں سے کھانا عطا فرمائے گا اور جو کسی ننگے کو کپڑے دے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کپڑے مرحمت فرمائے گا اور جو کسی بیمار کی بیمار پرسی کرتا ہے تو فرشتے اس کے لیے دعا بھی مانگتے ہیں اور اس کو جنت کی بشارت بھی دیتے ہیں۔

☆ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ متکبر جب تکبر کا اظہار کرتا ہے تو اس پر تعجب آتا ہے کیا وہ سوچتا نہیں کہ اس کا آغاز کیا تھا اور اس کا انجام کیا ہوگا آغاز اس کا نطفہ (گندہ پانی) تھا اور انجام اس کا مردار ہونا تھا اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ابن آدم پر تعجب ہے کہ اس کی ابتداء نطفہ ہے اس کی انتہاء جیفہ (مردار) ہے اور یہ پاخانہ کا برتن ہے پھر یہ تکبر کرتا ہے اگر متکبر اپنی اول اور آخری حالت پر غور کرے اور یہ بھی سوچے کہ اس کے پیٹ نے اپنے اندر کتنی گندگی اٹھا رکھی ہے تو کبھی تکبر نہ کرے۔

☆ امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک آدمی کو دیکھا کہ یہ دعا مانگ رہا تھا کہ اے اللہ مجھے صبر کرنے کی توفیق دے۔ فرمایا یہ دعا نہ مانگو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت (آرام) کا سوال کرو اور اس پر شکر کرنے کی توفیق مانگو کیونکہ عافیت پر شکر کرنا یہ مصیبت پر صبر کرنے سے بہتر ہے۔

امام زین العابدین کا یہ ارشاد کہ عافیت پر شکر کرنا صبر کرنے سے بہتر ہے۔ یہ عوام الناس کے لیے ہے جو صبر پر قائم نہیں رہ سکتے اور جو صبر کر سکتے ہیں جیسا کہ خود امام زین العابدین علیہ السلام نے تمام زندگی میں صبر کر کے صبر کرنے کی مثال قائم فرمائی ان کے نزدیک صبر کرنا شکر کرنے سے بہتر ہے کیونکہ صبر

شکر سے اعلیٰ ہے اور صابر شاکر سے افضل ہے کیونکہ شکر کی جزاء زیادتی نعمت ہے اور صبر کی جزاء خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ظاہر ہے کہ جتنا ثوابوں میں فرق ہے اتنا ہی کاموں میں فرق ہے نیز شکر سے دنیاوی کام اور سامان بڑھتے ہیں اور صبر سے رضاء الٰہی ملتی ہے شاکر اپنا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے اور صابر اپنی جان! اس سے ظاہر ہے کہ صبر شکر سے اعلیٰ و افضل ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے جس آدمی کو دیکھا کہ وہ صبر کرنے کی دعا مانگ رہا ہے چونکہ وہ آدمی عوام الناس سے تھا۔ آپ جانتے تھے کہ صبر کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا لہٰذا اس کے لیے فرمایا کہ تمارے لیے عافیت پر شکر کرنا ہی بہتر ہے ورنہ صبر کا مرتبہ شکر سے بہت زیادہ بلند ہے۔

☆ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو تم میں سے زیادہ اخلاق والا ہو اور تم میں سے اللہ تعالیٰ کے یہاں زیادہ پسندیدہ شخص وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کی بہترین پرورش کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پانے والا وہ شخص ہے جس کے دل میں اللہ کا ڈر اور خوف زیادہ ہے اور جو شخص زیادہ عمل کرنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے اور تم میں سے اللہ تعالیٰ کے یہاں زیادہ مکرم و محترم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا زیادہ خوف اور ڈر رکھتا ہو۔

وفات

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی وفات ۹۴ھ ہے۔ ابن صباغ مالکی نے لکھا ہے کہ امام زین العابدین کو ولید بن عبدالملک (المتوفی ۹۶ھ)

نے زہر دلوایا تھا جس کی وجہ سے آپ کی وفات ہوئی اور آپ کی کل عمر شریف ستاون سال تھی اور وفات کا دن ۱۸ محرم ہے بعض نے کہا ہے کہ ۲۵ محرم ہے۔

(البدایہ والنہایہ ۱۱۳ ج ۹، نور الابصار ۲۴۹)

اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا جہاں امام حسن علیہ السلام کو دفن کیا گیا تھا چنانچہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کی قبر کے نزدیک امام زین العابدین بن امام حسین اور امام جعفر صادق بن امام محمد باقر کی قبریں ہیں حقیقت میں تمام آئمہ ایک ہی مقبرہ میں مدفون ہیں۔ اس بڑے قبہ کو قبہ عباس کہتے ہیں، زبیر بن بکار روایت کرتے ہیں کہ امام حسن مجتبیٰ نے امیر المومنین علی المرتضیٰ علیہ السلام کے جسم شریف کو بھی لا کر بقیع میں دفن کیا اور یہ بھی روایت ہے کہ ۸۶۲ھ) میں مشہد حسن عباس میں قبلہ کی جانب ایک قبر کھود رہے تھے کہ زمین سے ایک لکڑی کا صندوق نکلا جو سرخ نمدہ میں لپٹا ہوا تھا اور اس پر کیلیں جڑھی ہوئی تھیں سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ صندوق کی کیلیں بدستور چمک رہی تھیں زنگ کا کچھ بھی اثر نہ تھا اور تابوت کا کپڑا ابھی پرانا نہیں ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا جسم شریف ہو جیسے کہ زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے اور روایت ہے کہ یزید بن معاویہ نے سر مبارک حضرت امام حسین بن علی المرتضیٰ (سلام اللہ علیہما) کو عمرو بن عاص کے پاس جو اس وقت یزید بدبخت کی جانب سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا بھیجا اس نے اس کی تدفین بقیع کے اندر ان کی والدہ فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا کی قبر مبارک کے پاس کر دی اس سے ظاہر ہوا کہ خاتونِ جنت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی قبر بھی بقیع میں ہے۔ شاہ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزاہراء سلام اللہ علیہا کی قبر مطاہرہ کی تعین میں مختلف خبریں ہیں جس طریقہ سے آپ کا حلیہ کمال آپ کی حیات میں اجنبیوں کی آنکھوں سے چھپا ہوا تھا اسی طرح ان کا

عصمت جمال انتقال کے بعد بھی پوشیدہ ہی رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی وصیت کے بموجب کسی امیر فقیر کو آپ کی وفات اور دفن سے مطلع نہیں کیا گیا ان کی نماز جنازہ میں بھی کسی کو نہیں بلایا گیا۔ صرف حضرت علی المرتضیٰ اور چند افراد اہل بیت تھے۔ رات ہی میں آپ کو دفن کیا گیا۔ حضرت امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ وعلی آباء الکرام سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ الزاہراء سلام اللہ علیہا کو ان کے حجرہ میں دفن کیا گیا تھا جس کو عمر بن عبدالعزیز نے مسجد میں داخل کر دیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی گھر میں دفن کیا گیا اور حضرت فاطمہ کو چونکہ رات میں دفن کیا گیا اس سے کسی کو معلوم نہ ہوا اور یہ بھی مردی ہے کہ ایک دن صبح کے وقت حضرت فاطمتہ الزاہراء سلام اللہ علیہ نہایت خوش اٹھیں اور کنیز سے فرمایا کہ غسل کے لیے پانی رکھو۔ آپ نے نہایت احتیاط سے غسل فرمایا پاکیزہ کپڑے پہنے اور گھر میں ایک بستر بچھایا پھر قبلہ رو ہو کر سونے کے واسطے لیٹیں اور اپنے دست مبارک کو رخسار شریف کے نیچے رکھا پھر فرمایا میں اب فوت ہوتی ہوں میں نے غسل بھی کر لیا ہے اور کپڑے بھی پہن لیے ہیں مرنے کے بعد کوئی شخص بھی مجھے نہ کھولے اور اسی مقام پر جس طرح سوئی ہوں دفن کر دیں جب علی المرتضیٰ گھر تشریف لائے تو آپ سے یہ بیان کیا گیا آپ نے دیکھا کہ فاطمتہ الزاہراء کی روح پاک اعلیٰ علیین کو پہنچ گئی ہے۔ حضرت علی سلام اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کو کھولا نہ جائے اسی سابق غسل اور لباس میں دفن کیا جائے اور علامہ مسودی نے مروج الذہب میں ذکر کیا ہے کہ فاطمہ الزاہراء کو بقیع میں دفن کیا گیا ہے اور ان کے پاس ہی حضرت امام حسن علیہ السلام مدفون ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب حسن علیہ السلام کے انتقال کا وقت قریب آیا۔ آدمی کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا گیا اگر آپ اجازت دیں تو امام حسن کو حجرہ مبارکہ کے اندر نانا پاک کے پہلو میں دفن کریں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا ٹھیک ہے

ایسا ہی ہوگا لیکن جب یہ بات مروان بن حکم نے سنی (یہ اس وقت حاکم مدینہ تھا) تو کہنے لگا یہ نہیں ہوسکتا کہ حسن بن علی حجرہ میں دفن ہوں اور عثمان بن عفان باہر پڑے رہیں۔ ابوہریرہ اور دوسرے اصحاب جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے کہہ رہے تھے کہ واللہ یہ صراحتاً ظلم ہے کہ حسن کو ان کے نانا کے پہلو میں دفن ہونے سے روکا جائے۔ اس کے بعد لوگ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ آپ کے بھائی نے وصیت کی ہے کہ اگر لڑائی جھگڑے کی نوبت آئے تو مجھے مسلمانوں کے مقبرے میں دفن کرنا۔ آخر کار ان حضرات کے کہنے پر امام حسن علیہ السلام کو بقیع میں دفن کر دیا گیا۔ آپ کی وفات ۵۰ھ میں ربیع الاول کے مہینہ میں ہوئی۔ علامہ مسعودی نے مروج الذہب میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام حسن، امام زین العابدین، امام محمد باقر اور جعفر صادق سلام اللہ علیہ کی قبروں کے پاس ۳۳۲ھ میں ایک پتھر ملا جس پر لکھا ہوا تھا:

> ھذا قبر فاطمۃ بنت رسول اللہ ﷺ سیدۃ نساء العالمین و قبر حسن بن علی و علی بن الحسین بن علی و قبر محمد بن علی و جعفر بن محمد علیہم السلام۔

اور ایک تیسرا قول یہ ہے کہ خاتونِ جنت فاطمۃ الزاہراء کی قبر مبارک اس مسجد میں ہے جو بقیع میں ان کی طرف منسوب ہے۔ یہ قبہ عباس سے قبلہ کی جانب مائل بشرق واقع ہے۔ ابوحامد غزالی نے بقیع کی زیارت کے تذکرہ میں اس مسجد کا ذکر کیا ہے اور اس میں نماز پڑھنے کی تاکید کی ہے دوسرے لوگوں نے بھی اس مسجد کا ذکر کیا ہے کہتے ہیں کہ جو مسجد بیت الحزن کے نام سے مشہور ہے اس لیے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کے غم میں لوگوں سے علیحدہ ہو کر وہاں پر قیام فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس مقام پر سکونت فرمائی تھی غرضیکہ

فاطمۃ الزہراء کے مزار میں تین قول ہیں۔ ایک اپنے حجرہ میں جو اب مسجد نبوی میں شامل ہے۔ یہ راجح اور معتبر قول ہے دوسرا قول مسجد بیت الحزن میں تیسرا قول مقام بقیع میں جہاں امام حسن امام زین العابدین، امام باقر اور امام جعفر صادق کے مزارات مقدسہ ہیں۔ (جذب القلوب ۱۸۲)

غرضیکہ امام زین العابدین علیہ السلام کی قبر مبارک بقیع میں ہے جہاں امام حسن، امام باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام کی قبریں ہیں۔ گویا کہ یہ تمام آمہ کرام ایک ہی مقبرہ میں مدفون ہیں جسے قبہ عباس کہا جاتا ہے۔

اولادِ امجاد

امام زین العابدین علیہ السلام کے گیارہ بیٹے اور نو بیٹاں تھیں جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) ابوجعفر امام باقر علیہ السلام ۲ ( ) امام زید الشہید علیہ السلام ۳ ( ) عمر الاشرف (۴) عبداللہ الباہر (۵) حسن (۶) حسین الاکبر (۷) حسین الاصغر (۸) عبدالرحمان (۹) قاسم (۱۰) سلیمان (۱۱) علی۔

بیٹیوں کے نام یہ ہیں:

(۱) خدیجہ (۲) فاطمہ (۳) علیہ (۴) ام کلثوم (۵) ام الحسن (۶) ام موسیٰ (۷) عبدۃ (۸) ملیکہ (۹) سکینہ۔ (نور الابصار ۲۴۹) (حواشی عمدۃ الطالب ۲۲۳)

اور آپ کی نسل جن چھ صاحب زادوں سے جاری ہے وہ یہ ہیں:

محمد باقر، زید شہید، عبداللہ باہر، عمر اشرف، حسین الاصغر، علی الاصغر۔

امام ابو جعفر امام باقر علیہ السلام

آپ کی امامت پر اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ متفق ہیں اور یہی امامیہ کے دو بڑے فرقے ہیں۔ فرقہ امامیہ اس بات کا قائل ہے کہ امامت حضرت علی علیہ السلام کے لیے ہے۔ ان کے بعد حضرت حسن امام ہیں پھر حسین ہیں۔ امام حسین کے بعد استحقاق امامت کے سلسلہ میں ان کے مابین اختلاف پیدا ہو گیا اور یہ متعدد فرقوں میں بٹ گئے جن کی تعداد ستر سے بھی زیادہ ہے لیکن ان میں دو فرقے بہت بڑے ہیں۔

(۱) فرقہ اثنا عشریہ

(۲) فرقہ اسماعیلیہ

فرقہ اثنا عشریہ کے نزدیک ترتیب امامت یہ ہے:

(۱) علی علیہ السلام ۲() حسن بن علی (۳) حسین بن علی (۴) امام زین العابدین (۵) محمد باقر بن علی (۶) جعفر صادق بن محمد (۷) موسیٰ کاظم بن جعفر (۸) علی الرضا (۹) محمد جواد تقی (۱۰) علی ہادی نقی (۱۱) حسن العسکری (۱۲) محمد بن حسن العسکری، بارھویں امام محمد بن حسن عسکری کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ یہ "بمقام سر من رائے" اپنے گھر کے تہہ خانے میں داخل ہوئے لیکن پھر واپس نہ آئے۔ قرب قیامت تشریف لائیں گے اور فرقہ اسماعلیہ کی نسبت اسماعیل بن جعفر کی طرف ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد ان کے صاحبزادے اسماعیل منصب امامت پر فائز ہو گئے۔ اگرچہ وہ اپنے والد امام جعفر کی موجودگی میں ہی وفات پا گئے تھے لیکن امام جعفر نے ان کی امامت پر نص کر دی تھی لہٰذا ان کی امامت باقی رہی ان کے بعد یہ امامت محمد المکتوم کی طرف منتقل ہو گئی جو آئمہ مستورین میں سے

سب سے پہلے امام ہیں اور محمد المکتوم کے بعد امامت ان کے بیٹے جعفر المصدق کو ملی ان کے بعد امامت کا منصب ان کے بیٹے محمد الحبیب کو ملا یہ آئمہ مستورین میں سے آخری امام ہیں۔ محمد الحبیب کے بعد امامت ان کے بیٹے عبداللہ المہدی کو ملی جن کا ظہور مغرب افریقہ میں ہوا اور انہوں نے وہاں حکومت قائم کی پھر ان کے بعد ان کے بیٹوں نے مصر پر بھی قبضہ کر لیا جو فاطمی خلفاء کے نام سے مشہور ہوئے۔ (فرقہ اسماعیلیہ کو فرقہ باطنیہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ امام باطن کے قائل ہیں۔ عباسی خلیفہ المستظہر باللہ (المتوفی ۵۱۲ھ) کے عہد میں فرقہ باطنیہ کا بہت زور ہوا۔ اسماعیلی فرقے کے یہ لوگ مخصوص عقائد کے حامل تھے وہ اپنے جماعت خانوں میں علیحدہ عبادت کرتے اور بلادِ مشرق میں اپنے خیالات کی تبلیغ کے لیے داعی بھیجتے۔ اس فرقے کا سرکردہ مذہبی رہنما حسن بن صباح تھا۔ اس نے زیادہ تر اس عقیدے کی تبلیغ کی کہ سب کچھ جائز ہے۔ کسی امر کی پابندی نہیں۔ اس نے اپنے معتقدین کی ایک خفیہ جماعت منظم کی جس کے ارکان میں داعی، رفقا اور فدائی شامل تھے۔ جماعت کی کامیابی کا اصل راز فدائی تھے جنہیں حشیشین بھی کہا جاتا تھا ان کی سفید عباؤں کے اوپر سرخ رنگ کا خونی کمر بند نمایاں نظر آتا تھا جس میں دو لمبے خمدار خنجر آویزاں تھے، تمام فدائی نوجوان ہوتے تھے۔ ان نوجوانوں کو حسن بن صباح یوں حشیش خوری اور ”عرق و معجون“ (یعنی شراب اور افیون کے مرکب) کے استعمال سے آشنا کرتا کہ وہ اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہ جاتے وہ انہیں یقین دلاتا کہ موت حقیقی فنا نہیں بلکہ ایک لازوال مسرت کا دروازہ ہے۔ ان گمراہ نوجوانوں کے نزدیک حسن بن صباح ایک ایسا باکمال شخص تھا جس کے مقابلے میں اسلام کی بڑی بڑی شخصیتیں ہیچ تھیں۔ وہ غیر مطمئن اور سادہ اشخاص کے سامنے نجات دہندہ کا روپ دھار لیتا لیکن اس کا اصلی مقصد اس کے ہم نوالہ چالاک اور

عیار ساتھیوں کے سوا کسی اور کو معلوم نہ تھا وہ دراصل خوف و ہراس کے ذریعے مروجہ نظام کا تختہ الٹ کر اقتدار حاصل کرنا چاہتا تھا وہ اپنے فدائیوں کو کہا کرتا کہ ہر مقدس چیز کو سلطنت و مذہب کے کھنڈروں کے نیچے دفن کر دو۔ چنانچہ انہوں نے خوف و دہشت پیدا کرنے کے لیے قتل و غارت کی باقاعدہ مہم شروع کر دی۔ ایک شخص کو قتل کرنے کے لیے تین فدائی مقرر کیے جاتے جو عام طور پر اپنے شکار کو مسجد میں نماز کے وقت خنجر کا نشانہ بناتے یہ لوگ موت سے خائف نہیں ہوتے تھے بلکہ موت کے شائق ہوتے تھے۔ ان فدائیوں نے اسلامی دنیا کے بے شمار علماء اور امراء کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ انہوں نے ہی نظام الملک کو قتل کیا نظام الملک کی موت سے سلطنت سلجوقیہ کا شیرازہ بکھر گیا اور چاروں طرف بدنظمی پھیل گئی۔ حسن بن صباح نے اس بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر اپنے اقتدار کی بنیادیں مضبوط کر لیں۔ اس کے بعد اس نے غازی اشمال سلطان مودود کو بھی قتل کرا دیا۔ اب ہر طرف فدائیوں کی ہیبت طاری ہو گئی۔ چنانچہ ایک بہت بڑے عالم کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنے وعظ اور خطبہ میں حسن بن صباح کی مذمت بیان کرتا تھا ایک دن وہ اپنے دارالمطالعہ میں سو رہا تھا اس کی آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک فدائی اس کے سینے پر بیٹھا ہوا ہے اور اپنے چمکدار خنجر کی نوک سے اس کے پیٹ کی نرم جلد کو بہلا رہا ہے۔ اب فدائی فوراً غائب ہو گیا لیکن اس کے بعد اس عالم نے حسن بن صباح کے خلاف کبھی لب کشائی نہ کی، لوگوں نے اس عالم سے پوچھا کہ اب حسن بن صباح کے متعلق کبھی گفتگو نہیں ہوتی تو اس عالم نے مسکرا کر جواب دیا ان کے پاس کچھ ایسے دلائل بھی ہیں جن کا واقعی جواب نہیں۔ اسی طرح سے فدائی اپنے دشمنوں اور حریفوں کو خوف زدہ کرتے وہ اپنے دشمنوں کے سرہانے دو خنجر گاڑ دیتے اور جب ان کی آنکھ کھلتی اور وہ ان خنجروں کو دیکھتے تو ان کے اوسان خطا ہو

جاتے۔ ان کو ہر وقت موت اپنے سروں پر منڈلاتی محسوس ہوتی۔ ان کے حملوں سے کوئی بھی محفوظ نہ تھا۔ حسن بن صباح نے پہاڑوں میں بڑے بڑے مضبوط قلعے تعمیر کیے۔ ان قلعوں کی وجہ سے حسن بن صباح ’شیخ الجبل‘ کے لقب سے مشہور تھا۔ زندگی کے آخری ایام میں حسن بن صباح اپنی بادشاہت کی بنیادیں استوار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی سلطنت کی حدود میں سمرقند سے لے کر قاہرہ تک کے کوہستانی علاقے شامل تھے۔ اسی دوران جنت کی تعمیر ہوئی جس کی داستانیں سارے وسط ایشیاء میں پھیل گئیں۔ ان کا صدر مقام ’الموت‘ (یعنی آشیانہ عقاب) تھا۔ یہ قلعہ ایک دشوار گزار عمودی پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا۔ اس کی سنگین دیواروں کے اندر ایک وسیع باغ بنایا گیا۔ اس باغ میں عجیب وغریب درخت تھے مرمر کے فواروں سے اچھلتی ہوئی ارغوانی شراب کی ہلکی پھوار سورج کی کرنوں میں طلائی موتیوں کی طرح جگمگاتی تھی۔ مرصع و مزین ایوانوں میں دیباوحریر کے فرش بچھے ہوئے تھے۔ نوجوان افیون کے نشے میں سرشار جنت میں داخل ہوتے اور حسین وجمیل دوشیزاؤں کے حسن وجمال پر فریفتہ ہو جاتے۔ اس جنت میں صرف نوجوان ہی جا سکتے۔ پہلے ان کو نشہ آور شربت پلا کر ان کے دماغ ماؤف کیے جاتے پھر باغ میں لے جا کر چھوڑ دیا جاتا۔ تین دن یہ یہاں رہتے۔ یہاں کی حسین وجمیل حوریں ان کو دعوتِ گناہ بھی دیتیں اور اِن سے وعدہ ہوتا کہ فلاں عالم دین یا امیر یا بادشاہ کو قتل کرنا تمہاری طرف سے ہمارے لیے حق مہر ہے جس کی ادائیگی کے سوا تم ہم تک نہیں پہنچ سکتے، پہلے جا کر دنیا میں یہ کام کرو پھر ہمارے پاس پہنچ جاؤ یہ تو تمہیں جنت کی جھلک دکھائی گئی ہے جو موت کے بعد تمہاری منتظر ہے پھر نشہ آور شربت پلا کر باہر لایا جاتا۔ اب یہ نوجوان دوبارہ وہاں جانے کے لیے جب خواہش کرتے تو ان کو کہا جاتا کہ فلاں فلاں کا قتل وہاں پر پہنچنے کے لیے

ذریعہ ہے لہٰذا یہ فدائی وہاں پہنچنے کی خواہش پیش نظر رکھتے جو کام ان کے سپرد ہوتا وہ کر گزرتے۔ ان فدائیوں نے متعدد مرتبہ سلطان صلاح الدین ایوبی پر بھی حملے کیے۔ ایک مرتبہ سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ تین فدائیوں نے سلطان پر حملہ کر دیا جو پیچھے تھا اس کو سلطنت کے محافظ نے تلوار مار کر گرا دیا۔ باقی دونوں نے سلطان پر خنجر کے وار کیے سلطان نے ایک وار بڑی مستعدی سے روک لیا اور دوسرے کا خنجر سلطان کے فولادی خود پر پڑا۔ سلطان کو معمولی زخم آیا اتنے میں محافظوں نے فدائیوں کو گرا دیا اور ان سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے اعتراف کر لیا کہ ہم کو شیخ الجبل نے اس کام کے لیے مامور کیا تھا، غرض یہ کہ حسن بن صباح اور اس کے فدائیوں نے اسلام کو بہت بڑا نقصان پہنچایا اور بڑے بڑے عقلمند اور صاحب علم لوگوں کو انہوں نے قتل کیا۔ اسلامی دنیا کے بادشاہ اور حکمران ان کے مقابلہ سے عاجز آ گئے تھے۔ منگول جب دوسری مرتبہ بغداد اور یروشلم کی طرف آئے تو انہوں نے سواد خراسان اور ایران کے کوہستانی علاقوں میں پڑاؤ ڈال دیے وہاں منگول گشتی دستوں نے حشیش کے قلعوں کا کھوج لگایا کیونکہ فدائیوں نے ایک منگول جرنیل کو قتل کر دیا تھا۔ ہلاکو خان کے سرداروں نے بلا تاخیر کوہستانی قلعوں کا جائزہ لیا۔ ہلاکو خان نے موجودہ شیخ الجبل سے گفت و شنید کی لیکن شیخ الجبل نے دوبارہ غلطی کی اور انہیں عیاری و چالاکی سے مات دینے کی کوشش کی۔ اس خطرناک کھیل کا انجام یہ ہوا کہ اسے پابہ جولاں خاقانِ اعظم کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد اس کا نام و نشان تک نہ سنا گیا۔ الموت کے علاوہ فدائیوں کے سارے کوہستانی قلعوں کو پے در پے محاصرے کر کے نیست و نابود کر دیا گیا۔ شیخ الجبل اور اس کے فدائیوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا اور سرزمین فارس ان قلعوں سے پاک ہو گئی۔ (سلطان صلاح الدین ایوبی ۵۲۳ تاریخ الفخری ۲۱۸)

غرضیکہ امامیہ کے نزدیک امامت حضرت علی علیہ السلام کے لیے ہے کیونکہ آپ کی امامت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نص فرمائی ہے پھر حضرت علی نے امام حسن کی خلافت پر (نص) تصریح فرمادی۔ اسی طرح امام حسن علیہ السلام حسین علیہ السلام کے لیے گویا کہ امامیہ کے نزدیک امامت شارع علیہ السلام کی طرف سے یا امام علیہ السلام کی طرف منصوص ہے۔ اہل سنت کے نزدیک امام کا تعین لوگوں کی صوابدید پر موقوف ہے جس کو اہل حل وعقد امام کریں۔ وہی امام ہو گا۔ چنانچہ اہل سنت کہتے ہیں کہ امامت دو قسم پر ہے۔ (۱) امامت صغریٰ، (۲) امامت کبریٰ، امامت صغریٰ نماز کی امامت ہے اور امامت کبریٰ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت مطلقہ کہ حضور کی نیابت سے مسلمانوں کا تمام امور دینی و دنیاوی میں حسب شرع تصرف عام کا اختیار رکھے اور غیر معصیت میں اس کی اطاعت تمام جہان کے مسلمانوں پر فرض ہو۔ اس امام کے لیے مسلمان، آزاد، عاقل، بالغ، قادر، قریشی ہونا شرط ہے۔ ہاشمی، علوی، معصوم ہونا اس کی شرط نہیں ہے۔ محض مستحق امامت ہونا امام کے لیے کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ اہل حل وعقد نے اس کو امام مقرر کیا ہو یا امام سابق نے اس کو امام مقرر کر دیا ہو نیز امام ایسا شخص کرنا چاہیے جو کو شجاع (بہادر) اور عالم ہو یا علماء کی مدد سے کام سرانجام دے۔ اہل سنت وجماعت کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلیفہ برحق امام مطلق حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ، پھر حضرت سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام، پھر حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام ہوئے۔ اس کے بعد خلافت ختم ہوگئی ملوکیت اور بادشاہت شروع ہوگئی۔ پہلے بادشاہ حضرت معاویہ ہوئے چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الخلافة ثلاثون سنة ثم تصير ملكاً عضوضاً۔

ترجمہ: ”خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی اور اس کے بعد ظالم ملک ہوگا۔“

اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن حبان نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ منہاج نبوت پر خلافت حقہ راشدہ تیس سال ہی رہی کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے چھ مہینے پر ختم ہوگئی۔ اس کے بعد بادشاہت شروع ہوگئی اور اس بات پر تمام کا اتفاق ہے کہ امام کا تعین کرنا واجب ہے کیونکہ حدیث پاک میں ہے:

من مات ولم يعرف امام زمانه فقد مات ميتة جاهلية۔

ترجمہ: ”کہ جو شخص مرجائے اور اپنے زمانے کے امام کو نہ جانے پس وہ جاہلیت کی موت مرا۔“

نیز امتِ محمدیہ نے بعد وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے کام کا جو اہتمام کیا وہ امام کا تعین تھا۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن سے بھی پہلے خلافت کا مسئلہ طے کیا گیا۔ نیز بہت سے واجباتِ شرعیہ امام پر موقوف ہیں کہ وہ احکام جاری کرے اور حدیں قائم کرے اور لشکروں کے سامان جہاد کا انتظام کرے لوگوں سے زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی کرے چوروں اور ڈاکوؤں کو سزا دے اور جمعہ وعیدین کی نمازیں قائم کرے اور جھگڑوں کا فیصلہ کرے اور جن حقوق پر شہادتیں قائم ہو جائیں ان کو قبول کرے اور نابالغ لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح کرائے جن کا کوئی ولی نہ ہو وغیرہ وغیرہ ہر آدمی انفرادی طور پر یہ کام نہیں کر سکتا لہٰذا امام کا تعین کرنا ضروری ہوا اور پھر اہل سنت و جماعت کے نزدیک امام کا تعین لوگوں کے ضروری ہے۔

لیکن امامیہ (شیعہ) کا مذہب ہے کہ امامت مصالحت عامہ سے نہیں ہے کہ اسے امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے بلکہ یہ دین کا رکن اسلام کا ستون ہے اور نبی علیہ السلام

اس سے غفلت نہیں برت سکتا کہ امامت کو تفویض کو دے بلکہ اس پر لازم ہے کہ امت کے لیے ایک امام کا تعین کرے اور یہ امام صغیرہ کبیرہ گناہ سے معصوم ہو جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامت علی پر نص کی ہے اور آپ کے امام ہونے کو متعین کیا ہے اسی طرح ہر امام کی امامت منصوصہ ہے۔

سوال:

اہل سنت نے امام کے لیے جو قریشی ہونا قرار دیا ہے یہ قریشی ہونا جس روایت سے ثابت ہے تو وہ خبر واحد ہے اور خبر واحد کے ساتھ اعتقادی چیزوں کو ثابت نہیں کیا جا سکتا اور امام کا تعین تو اعتقادیات سے ہے۔

جواب:

یہ روایت اگرچہ خبر واحد ہے مگر جب اس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمام انصار صحابہ کے سامنے اپنی خلافت کے استدلال کے لیے پیش کیا تو کسی نے اس روایت سے انکار نہیں کیا تو گویا کہ یہ چیز متفق علیہ ہو گئی چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مبارک ہوا تو سب صحابہ کرام سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور مسئلہ خلافت پر بہت بحث و تمحیص کے بعد یہ مشورہ طے ہو گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ مقرر ہوں پس تمام صحابہ نے اس بات پر اتفاق کر کے آپ سے ۱۲ ہجری میں بیعت کر لی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی تمام صحابہ کے سامنے آپ کی بیعت کر لی۔

سوال:

محدث زہری نے کہا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے چھ ماہ بعد حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی وفات کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی تم نے کہا

ہے کہ حضرت علی نے اسی وقت بیعت کرلی تھی۔

جواب:

حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ منبر پر چڑھے اور لوگوں کو دیکھا آپ کو حضرت علی ؑ نظر نہ آئے تو آپ نے حضرت علی ؑ کو بلایا اور آپ سے خلافت کے مسئلہ میں بات کی تو حضرت علی ؑ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی بیعت کرلی اور سائل نے جو صحیح بخاری کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی ؓ نے چھ ماہ کے بعد بیعت کی ہے وہ زہری کا قول ہے جو کہ منقطع ہے چنانچہ علامہ بیہقی (المتوفی ۴۵۸ھ) سنن کبری ج ۶ میں لکھتے ہیں کہ زہری کا قول منقطع ہے اور ابوسعید خدری کی روایت اصح ہے اس کی تائید حافظ ابن حجر عسقلانی شرح فتح الباری، علامہ قسطلانی اپنی شرح بخاری مسمی ارشاد الساری ج ۸ صفحہ ۴۵۸ اور حافظ ابن کثیر البدایہ دالنہایہ ج ۵ میں ذکر کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ محدث زہری کا یہ قول کسی صحابی کی طرف منسوب نہیں ہے یہ ان کا اپنا بیان ہے اور خود شرکاء واقعہ صحابہ کرام کا بیان زہری کے مقابلہ میں راجح اور مقبول ہے جلدی بیعت کی روایت جو حضرت ابوسعید خدری ؓ (المتوفی ۷۴ھ) سے منقول ہے اس کی تائید سعید بن زید (المتوفی ۵۱ھ) صحابی کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ جلد ۳ میں نقل کیا ہے جس میں اس امر کی وضاحت ہے کہ حضرت صدیق اکبر ؓ کے ہاتھ پر صحابہ کرام نے اسی روز بیعت کی تھی اس میں کوئی تاخیر واقع نہیں ہوئی۔

سوال:

جب خلافت تیس سال تھی تو اس سے ظاہر ہے کہ امام عادل صرف تیس سال

تک رہا اس کے بعد زمانہ امام سے خالی ہو گیا لہٰذا سب امت گناہ گار ہو گئی اور ان کی موت جاہلیت کی واقعہ ہو گئی۔

جواب:

خلافت اور امامت میں فرق ہے خلفاء راشدین کے بعد دور خلافت تو ختم ہو گیا مگر امامت باقی رہی کیونکہ امامت عام ہے خواہ وہ طریقہ خلفاء راشدین پر ہو یا نہ ہو لہٰذا امام وہ ہوگا جس کو مسلمانوں پر حکومت اور ریاست حاصل ہو خواہ وہ نظام حکومت منہاج نبوت پر چلائے یا نہ اور خلیفہ وہ ہوگا جو کہ نظام حکومت منہاج نبوت پر چلائے جیسے کہ خلفاء اربعہ اور امام حسن علیہ السلام خلیفہ تھے۔

سوال:

قرآن پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ارشاد فرمایا:

اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ
قَالَ لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: "میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں ابراہیم نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی! فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔"

اس سے تو ظاہر ہے کوئی ظالم امام نہیں ہو سکتا اور تم نے کہا کہ امامت عام ہے خواہ منہاج نبوت پر ہو یا نہ ہو۔

جواب:

یہاں اس آیت کریمہ میں امامت سے مراد امامت مع النبوت ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی بھی تھے آپ کو جب امام بنایا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ

آپ نبی بھی ہیں اور امام بھی اور کوئی ظالم نبی نہیں ہو سکتا لہٰذا اس آیت سے مطلق امامت پر استدلال صحیح نہیں ہے۔

سوال:

جب قرآن نے کہا ہے کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا تو اس سے تو ثابت ہوا کہ امام معصوم ہوگا کیونکہ غیر معصوم ظالم ہوتا ہے لہٰذا غیر معصوم کو عہد امامت نہیں پہنچے گا۔

جواب:

سائل کا یہ قول غلط ہے جو معصوم نہ ہو وہ ظالم ہوتا ہے کیونکہ ظالم تو وہ ہوتا ہے جو ایسے گناہ کا ارتکاب کرے جس کے ساتھ اس کی عدالت ختم ہو جائے اور نہ ہی توبہ کرے اور نہ گناہ کے بعد اپنی اصلاح کرے پس نتیجہ یہ نکلا کہ جو معصوم نہ ہو یہ ضروری نہیں کہ وہ ظالم بھی ہو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور علی المرتضیٰ علیہ السلام امام حسین علیہ السلام معصوم نہ تھے لیکن وہ ظالم بھی نہ تھے بلکہ عادل تھے اسی طرح دیگر آئمہ اہل بیت اطہار اہل سنت و جماعت کے نزدیک معصوم نہیں بلکہ عادل اور گناہوں سے پاک اور محفوظ ہیں اہل سنت کے نزدیک امام کے لیے معصوم ہونا ضروری نہیں ہے البتہ نبی کے لیے معصوم ہونا ضروری ہے اور نبی بایں معنی معصوم ہے کہ اس کے لیے حفظ الٰہی کا وعدہ ہولیا جس کے سبب اس سے صدور گناہ شرعاً محال ہے نبی شرک و کفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لیے باعث نفرت ہو جیسے کذب و خیانت و جہل وغیرہا صفات ذمیمہ سے نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مروت کے خلاف ہیں، قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع معصوم ہے اور کبائر سے مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعمداً صغائر سے بھی قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔ (بہار شریعت ۱۴)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت کریمہ میں امامت سے مراد امامت مع النبوت ہے جس کا مطلب ہے کہ امامت مع النبوت کا منصب ظالم کو نہیں پہنچتا مطلق امامت مراد نہیں وہ تو خلافت سے عام ہے اور خلافت خاص ہے یعنی خلافت منہاج نبوت پر ہوگی اور امامت عام ہے خواہ منہاج النبوت پر ہو یا نہ ہو، معصوم ہونے کی شرط صرف نبی کے لیے ہے خلیفہ اور امام ہونے کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں ہے البتہ جو نبی خلیفہ ہو جیسے کے حضرت داوٗد علیہ السلام نبی ہیں اور خلیفہ بھی یا آدم علیہ السلام خلیفہ بھی امام بھی ہیں یہ معصوم ہوں گے صرف امام اور صرف خلیفہ کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں ہے البتہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو گناہوں سے محفوظ رکھے تو ان کو محافظ کہا جا سکتا ہے لیکن معصوم نہیں، آئمہ اہل بیت اطہار بھی محفوظ ہیں، معصوم نہیں ہیں اور آئمہ اہل بیت اطہار کو ولایت اور حکومت ظاہری اور باطنی دونوں حاصل تھیں لیکن ان پاک حضرات نے ارادۃً دنیاوی حکومت کو دوسرے لوگوں کے لیے چھوڑ دیا جیسے کہ سب سے پہلے امام حسین علیہ السلام نے دنیاوی حکومت کو امیہ خاندان کے لیے چھوڑ دیا جیسے کہ ہم پہلے مسئلہ امامت میں ذکر کر آئے ہیں کہ ان حضرات نے ولایت ظاہری کو چھوڑ دیا اور ولایت باطنی اور روحانی کو اختیار کیا جس کی بناء پر یہ آئمہ اہل بیت طریقت اور ولایت کے امام ہیں۔ شیعہ حضرات آئمہ اہل بیت کو صرف طریقت کے امام نہیں مانتے بلکہ ان کو ظاہری اور باطنی امام مانتے ہیں اور ان کی امامت کو منصوصہ کہتے ہیں اسی وجہ سے وہ خلفاء ثلاثہ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں امام نہیں مانتے شیعہ حضرات تو امام صرف آئمہ اہل بیت اطہار ہی کو مانتے ہیں بہر صورت امامیہ کے دونوں فرقے اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ حضرات امام باقر علیہ السلام کی امامت پر متفق ہیں، امام باقر علیہ السلام چونکہ علم و فضل میں بہت زیادہ وسعت رکھتے تھے، اس لیے آپ باقر کے لقب سے مشہور ہوئے امام باقر علیہ السلام کی والدہ کا نام فاطمہ تھا جو

امام حسن بن علی کی بیٹی تھیں آپ کی پیدائش مدینہ منورہ میں ماہ صفر کی تیسری تاریخ کو بروز جمعۃ المبارک ستاون ہجری کو ہوئی یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے تین سال پہلے، آپ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کے پاس گیااور ان کو سلام کیا جب کہ ان کی نظر ختم ہو چکی تھی، انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور پوچھا آپ کون ہیں تو میں نے بتایا میں محمد بن علی بن حسین بنی علی ہوں حضرت جابر نے کہا میرے نزدیک ہو جاؤ میں جب نزدیک ہوا تو انہوں نے میرے ہاتھ چوم لیے اور پاؤں چومنے لگے تو میں دور جا کر کھڑا ہو گیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام دیا تھا میں نے کہا کہ حضور پر بھی صلوٰۃ و سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت ہو پھر میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے تفصیل پوچھی تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے جابر تمہاری ملاقات میرے ایک فرزند سے ہوگی جو کہ محمد بن علی بن حسین ہوں گے اللہ تعالیٰ انہیں انوار و حکم عطا کرے گا تم نے ان کو میرا سلام دینا ہوگا ایک اور روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا اے جابر ہوسکتا ہے تو حسین کے ایسے بیٹے سے ملاقات کرنے کے لیے زندہ رہے جس کا نام محمد ہے اور جو علم دین کی خوب اشاعت و تصریح کرے گا جب تیری اس سے ملاقات ہو تو اسے میرا سلام کہنا حضرت امام باقر علیہ السلام بے شمار کمالات و فضائل و کرامات کے مالک تھے چنانچہ ایک ثقہ راوی کا بیان ہے کہ ہم محمد بن علی (امام باقر) کے ہمراہ ہشام بن عبدالملک کے گھر کے پاس سے اس وقت گزرے جب کہ وہ اس کی بنیاد رکھ رہا تھا امام باقر علیہ السلام نے فرمایا خدا کی قسم یہ گھر تباہ و برباد ہو جائے گا راوی کہتا ہے کہ مجھے آپ کی اس بات سے تعجب ہوا کیونکہ ہشام کے گھر کو کون تباہ کرسکتا تھا جب ہشام نے وفات پائی تو ولید بن ہشام کے

کہنے پر اس مکان کو مسمار کر دیا گیا اور مٹی کو اس حد تک کھودا گیا کہ بنیاد کے پتھر نظر آنے لگے یہ بھی اسی راوی کا بیان ہے کہ میں ایک دن حضرت امام باقر علیہ السلام کے ساتھ تھا کہ امام زید (آپ کے بھائی) ہمارے پاس سے گزرے تو امام باقر علیہ السلام نے فرمایا بخدا یہ کوفہ میں خروج (اظہار حق کے لیے نکلنا) کرے گا اور لوگ اسے شہید کر دیں گے اور اس کا سر گلی کوچوں میں پھرائیں گے پھر یہاں لے آئیں گے آخر میں اسی طرح ہوا کہ آپ کو شہید کیا گیا اور آپ کا سر مدینہ منورہ لایا گیا اور یہ بھی مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے باپ (امام باقر) نے مجھے وصیت کی کہ جب میری وفات ہو جائے تو میرے کفن و دفن کا انتظام تم نے کرنا ہوگا کیونکہ امام کے لیے یہ کام امام ہی سر انجام دیتا ہے ایک دوسرے شخص نے کہا کہ آپ کے بھائی عبداللہ جلد ہی امامت کا دعویٰ کرنے والے ہیں کیونکہ وہ لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیتے ہیں آپ نے فرمایا عبداللہ کی بات رہنے دو ان کی عمر بہت تھوڑی ہے جیسے میرے والد نے بتایا تھا اسی طرح ہوا، فیض بن مطر کہتے ہیں کہ میں حضرت امام باقر علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوا تو میں نے چاہا کہ میں نماز عشاء گزارنے کے لیے جگہ کے بارے میں سوال کروں میں نے ابھی سوال بھی نہ کیا تھا کہ آپ نے حدیث بیان کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی کشادہ زمین پر جہاں گھاس کثرت سے ہو نماز ادا کر لیا کرتے تھے ایک اور راوی کا بیان ہے کہ میں حضرت امام باقر علیہ السلام سے ملاقات کرنے کے لیے گیا اجازت طلب کی لوگوں نے کہا کہ انتظار کرو امام باقر کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں تھوڑی دیر کے بعد بارہ افراد تنگ قباؤں میں ملبوس اور ہاتھ پاؤں میں دستانے اور موزے پہنے ہوئے باہر آئے اور چلے گئے اس کے بعد میں امام باقر علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا میں نے پوچھا یہ کون تھے فرمایا کہ یہ جن تھے میں نے کہا کہ کیا آپ ان کو دیکھ لیتے ہیں امام باقر علیہ السلام

نے فرمایا جس طرح تم حلال وحرام کے متعلق سوال کرتے ہو اسی طرح وہ بھی آ کر پوچھتے ہیں حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے والد نے مجھ سے کہا میری عمر صرف پانچ سال رہ گئی ہے جب آپ نے وفات پائی تو ہم نے سال اور مہینے شمار کیے وہی مدت نکلی جتنی آپ نے بتائی تھی سلف صالحین سے ایک روایت کرتے ہیں کہ میں مکہ میں تھا میرے دل میں یہ بات آئی کہ مدینہ منورہ جاؤں وہاں حضرت امام باقر علیہ السلام کی زیارت کر آؤں میں نے سفر شروع کر دیا جب مدینہ منورہ پہنچا سخت بارش ہوئی جس کے باعث سردی بڑھ گئی نصف شب گزر چکی تھی تو میں آپ کے گھر پہنچا میں ابھی اسی فکر میں تھا کہ آپ کا دروازہ اس وقت کھٹکھٹاؤں یا صبح تک انتظار کروں اچانک امام باقر علیہ السلام نے اپنی کنیز کو کہا کہ فلاں شخص کے لیے دروازہ کھول دو کیونکہ اس کو بہت سردی لگی ہے لونڈی آئی اس نے دروازہ کھولا اور میں اندر چلا گیا۔ ایک راوی کہتا ہے کہ میں امام باقر علیہ السلام کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا ان دنوں میں ہی حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا وصال ہو چکا تھا، اچانک داؤد بن سلیمان اور منصور دوانقی آ گئے داؤد تو امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن دوانقی کسی اور جگہ بیٹھا رہا حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا دوانقی میرے پاس کیوں نہیں آیا داؤد نے معذرت پیش کر دی آپ علیہ السلام نے فرمایا کچھ دنوں بعد منصور مخلوق خدا کا حاکم ہوگا اور مشرق و مغرب اس کے ملک ہوں گے اس کی عمر بھی طویل ہوگی اور اتنے خزانے جمع کرے گا اس سے پہلے کسی نے بھی جمع نہ کیے ہوں گے، داؤد اٹھے اور سارا واقعہ منصور کو بتا دیا اور منصور حاضر خدمت ہوا اور کہا کہ آپ کے پاس آنے پر بجز آپ کے جلال واکرام کے کوئی چیز مانع نہ تھی پھر منصور نے کہا کہ داؤد کیا کہتا ہے فرمایا سچ کہتا ہے اور ایسا ہی ہوگا پھر منصور نے پوچھا آیا ہماری سلطنت زیادہ چلے گی یا بنو امیہ کی فرمایا تمہاری سلطنت

زیادہ دیر رہے گی بس یہی ہے جو میں نے اپنے والد محترم سے سنا ہے چنانچہ جب منصور بادشاہ بنا تو امام باقر علیہ السلام کی باتوں پر سخت متعجب ہوا (کیونکہ وہ حرف برف صحیح نکلیں) ایک راوی کہتے ہیں کہ ہم تقریباً پچاس افراد امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص آیا جس کا کاروبار خرما فروشی (کھجوریں بیچنے کا) تھا اس نے امام باقر علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا کہ کوفہ میں ایک شخص یہ کہتا ہے کہ امام باقر علیہ السلام کے پاس ایک فرشتہ ہے جو کہ کافر کو مومن سے اور دوست کو دشمن سے ممتاز کر کے بتا دیتا ہے امام باقر علیہ السلام نے پوچھا تم کیا کام کرتے ہو اس نے کہا کہ میں کبھی کبھی جو بھی بیچ لیتا ہوں آپ نے فرمایا تم تو کھجوریں بیچتے ہو اس شخص نے کہا کہ آپ کو یہ کیسے پتہ چلا ہے آپ نے فرمایا مجھے فرشتہ ربانی مطلع کر دیتا ہے کہ فلاں تمہارا دوست ہے اور فلاں تمہارا دشمن ہے ہاں یہ یاد رکھو کہ تم فلاں بیماری کے سوا کسی اور بیماری سے نہ مرو گے۔ راوی کہتا ہے کہ جب میں کوفہ واپس گیا اور اس شخص کے متعلق پوچھا تو لوگوں نے کہا کہ وہ تو اسی بیماری سے مر گیا ہے جو امام باقر نے ارشاد فرمائی تھی ایک دوسرے راوی کا بیان ہے کہ ایک دن ابن عکاشہ حضرت امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کے فرزند امام جعفر صادق علیہ السلام بھی آپ کے پاس حاضر تھے ابن عکاشہ نے کہا اب تو ماشاء اللہ حضرت جعفر جوان ہو گئے ہیں ان کی شادی ہونی چاہیے آپ ان کی شادی کیوں نہیں کر دیتے اس وقت امام باقر نے ایک سونے کی تھیلی دی اور کہا کہ ایک لونڈی خرید لاؤ ہم بردہ فروش کے پاس گئے اس نے کہا کہ میرے پاس دو لونڈیاں ہیں جو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں ہم نے کہا ان کو باہر لاؤ تا کہ ہم دیکھ لیں دونوں باہر آئیں تو ایک کو ہم نے پسند کر لیا میں نے کہا کہ اس کی کیا قیمت لے گا اس نے کہا ستر ہزار دینار ہم نے کہا کچھ تو کم کیجئے کہنے لگا ایک کوڑی کم نہ ہو گی آخر ہم

نے اس سے کہا ہم اس لونڈی کو اس تھیلی میں جو بھی ہے کے عوض خریدنا چاہتے ہیں ہم نہیں جانتے اس میں کتنے دینار ہیں بردہ فروش کے پاس ایک سفید ریش شخص تھا جس نے تھیلی کھولنے کے لیے کہا بردہ فروش بولا اسے مت کھولیے اگر ستر ہزار دینار سے ایک کوڑی بھی کم نکلی تو میں ہرگز فروخت نہیں کروں گا اس پر اس بزرگ نے تھیلی کو کھول کر وزن کیا تو سونا ستر ہزار دینار ہی نکلا چنانچہ ہم نے لونڈی خریدی اور حضرت امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دی اس وقت امام جعفر صادق (المتوفی ۱۴۸ھ) بھی آپ کے پاس کھڑے تھے ہم نے امام باقر علیہ السلام کو تمام واقعہ بھی سنا دیا آپ نے فرمایا الحمد للہ پھر ہم نے لونڈی سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے اس نے جواب دیا میرا نام حمیدہ ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا تو دنیا میں حمیدہ ہے اور آخرت میں محمودہ پھر آپ نے اس سے پوچھا کیا تم کنواری ہو یا غیر کنواری اس نے کہا میں کنواری ہوں آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے کیا کوئی لونڈی بردہ فروشوں کے ہاتھوں سلامت رہ سکتی ہے اس نے کہا کہ جب بردہ فروش میرے نزدیک آ کر کسی برائی کا ارادہ کرتا تو یہ سفید سر اور سفید ریش بزرگ آگے آ کر اس کے منہ پر طمانچے مارتے اور اسے مجھ سے دور کر دیتے اور اس طرح متعدد بار ہوا یہ سن کر حضرت امام باقر علیہ السلام نے لونڈی کو امام جعفر صادق علیہ السلام کے حوالے کر دیا اسی کے شکم اطہر سے بہترین خلائق حضرت امام موسیٰ کاظم بن جعفر علیہ السلام پیدا ہوئے۔

حضرت امام باقر علیہ السلام کے ماننے والوں سے ایک صاحب آنکھوں کی روشنی سے محروم ہو گئے تھے کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے امام باقر علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ محافظِ دین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں آپ نے فرمایا ہاں میں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تمام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں آپ نے فرمایا ہاں آپ ان کے علوم کے وارث ہیں میں نے کہا: ہاں۔ کیا آپ کو بھی وہ علوم میراث میں ملے ہیں، فرمایا ہاں میں نے کہا کہ کیا

آپ علیہ السلام کو طاقت ہے کہ مردوں کو زندہ کر دیں مادر زاد اندھوں کو بینا کر دیں اور کوہڑیوں کو چنگا بھلا کر دیں نیز یہ بتائیں کہ لوگ اپنے گھروں میں کیا کھاتے ہیں اور کیا بچا کر رکھتے ہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں میں اللہ کے حکم سے ہر چیز بتا سکتا ہوں پھر فرمایا کہ میرے سامنے آ کر بیٹھ جاؤ میں بیٹھ گیا آپ نے اپنا دست مبارک میرے چہرے پر پھیرا میری آنکھیں روشن ہو گئیں چنانچہ میں نے پہاڑ، جنگل، زمین اور آسمان کی دسعتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا آپ علیہ السلام نے پھر اپنا ہاتھ مبارک میرے چہرے پر پھیرا تو میں اپنی پہلی حالت پر آ گیا آپ نے مجھ سے پوچھا ان دو حالتوں سے کس حالت کو پسند کرتے ہو یہ کہ تمہاری آنکھیں درست ہو جائیں اور تمہارا حساب خدا کے سپرد ہو یا تمہاری آنکھیں ایسی ہی رہیں اور تم بغیر حساب کے جنت الفردوس میں جاؤ میں نے کہا کہ میں تو اس چیز کو پسند کرتا ہوں کہ میں نابینا ہی رہوں اور جنت میں بلا حساب وکتاب جاؤں۔

ایک دن آپ مدینہ منورہ میں چند آدمیوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ آپ نے اپنا سر نیچے جھکا لیا اور پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ تمہاری حالت یہ ہو گی کہ کسی وقت کوئی شخص مدینہ میں چار ہزار فوج کے ساتھ آ کر تین روز تک قتل عام کرے گا وہ تمہارے لیے بہت مصائب پیدا کرے گا، واقعہ آئندہ سال ہو گا تمہیں اس سے بچنا چاہیے میں جو کہتا ہوں سچ کہتا ہوں اسے یقین محکم سے مانو لیکن اہل مدینہ آپ کی ان حقیقت افروز باتوں کی طرف توجہ نہ دی چنانچہ آئندہ سال امام باقر علیہ السلام بنوہاشم کو لے کر مدینہ سے باہر چلے گئے اس کے بعد نافع الازرق مدینہ منورہ آیا اور اس نے وہی کچھ کیا جو آپ علیہ السلام نے فرمایا تھا اس واقعہ کے بعد اہل مدینہ نے کہا اب امام باقر علیہ السلام جو بھی فرمائیں گے ہم اس پر ہی عمل کیا کریں گے کیونکہ آپ اہل بیت نبوت سے ہیں اور جو کچھ بھی فرماتے

ہیں وہ حق وصداقت پر مبنی ہوتا ہے۔ (شواہد النبوت ۳۱۸ تا ۳۲۶)

امام باقر علیہ السلام کی علم وفضل میں تو کوئی مثال ہی نہیں تھی اسی طرح زہد واتقاء میں بھی بے مثل تھے آپ خلفاء ثلاثہ علیہم حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی بھی بہت عزت کیا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں بعض عراقیوں نے خلفاء ثلاثہ کی شان میں کچھ گستاخی کی تو اس پر امام باقر علیہ السلام بہت ناراض ہوئے اور شدت آمیز لہجے میں فرمایا کیا تم ان مہاجرین سے ہو جو اپنے دیس سے نکالے گئے اور جن کا مال چھین لیا گیا انہوں نے کہا نہیں امام باقر علیہ السلام نے دوبارہ دریافت کیا پھر کہا تم ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے مہاجرین اور اہل ایمان کو پناہ دی تھی اس کا جواب بھی عراقیوں نے نفی میں دیا، امام باقر علیہ السلام نے فرمایا تم عراقی ان لوگوں سے بھی نہیں ہو جو ان دو گروہوں کے بعد آئے اور وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائیوں کے حق میں دعا مغفرت کرتے ہیں جنہوں نے ایمان میں ان سے سبقت کی اور گزر گئے، جاؤ میرے پاس سے چلے جاؤ اللہ تعالیٰ تم سے دور رکھے تم اسلام کا زبانی اعتراف کرتے ہو مگر اہل اسلام سے نہیں ہو۔ (عہد وحیات ۱۲۸)

حافظ ابن کثیر نے اسی طرح کا واقعہ زین العابدین علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کے پاس چند عراقیوں نے حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے متعلق ناشائستہ گفتگو کی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: فقتم مواعنی۔ تم میرے پاس سے اٹھ جاؤ تم تو اسلام کے ساتھ استہزاء کرنے والے ہو تم مسلمان نہیں ہو۔

(البدایہ والنہایہ ۱۰۷ ج ۹)

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے آئمہ اہلِ بیت اطہار یعنی امام زید بن علی، امام محمد الباقر، امام جعفر صادق اور امام ابو محمد عبداللہ المحض سے بھی علمی

استفادہ کیا اور اپنی تمام زندگی میں اہل بیت اطہار کے آئمہ سے ربط و اتصال رکھا اسی سلسلہ میں جب پہلی مرتبہ امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اس وقت امام ابوحنیفہ جوان تھے مگر قیاس و رائے میں مشہور ہو چکے تھے مروی ہے کہ اس پہلی ملاقات میں امام باقر علیہ السلام نے امام ابوحنیفہ سے فرمایا: سنا ہے تم نے میرے جدِ امجد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین اور احادیث نبوی کو قیاس سے بدل ڈالا ہے یہ سن کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا معاذ اللہ بھلا میں ایسی جرأت کرسکتا ہوں امام باقر علیہ السلام نے فرمایا درست یہی ہے کہ تم نے دین کو تبدیل کر ڈالا ہے اس پر ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا آپ اپنی جگہ پر عزت سے تشریف رکھیے اور میں آپ کے سامنے ادب و احترام سے بیٹھا رہوں گا کیونکہ میرے دل میں آپ کا احترام وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں صحابہ کرام کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا (یعنی ابوحنیفہ نے امام باقر علیہ السلام کو عرض کیا کہ میں آپ کا احترام اور عزت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ہی کرتا ہوں) چنانچہ ابوحنیفہ امام باقر علیہ السلام کے سامنے ادب و احترام سے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے جس طرح ایک شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے پھر امام ابوحنیفہ نے عرض کیا میں جناب سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں آپ ان کا جواب مرحمت فرمائیے۔

مرد کمزور ہے یا عورت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا عورت کمزور ہے پھر ابوحنیفہ نے پوچھا میت کے ترکے میں عورت اور مرد کے حصے کیا ہیں امام باقر نے جواب دیا عورت کا ایک اور مرد کے دو حصے ہیں اس کے بعد ابوحنیفہ نے کہا! یہ ہے کہ آپ کے جدِ امجد کا مذہب اگر میں قیاس سے فتویٰ دیتا تو قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ عورت کو دو حصے دیئے جائیں کیونکہ وہ کمزور اور ضعیف ہے اور مرد کو ایک حصہ دیا جائے۔

۲۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا نماز افضل ہے یا روزہ، امام باقر علیہ السلام نے جواب دیا

نماز افضل ہے اس پر ابوحنیفہ نے عرض کیا یہ آپ کے جد امجد کا مذہب ہے اگر میں قیاس سے مذہب میں تبدیلی کرتا تو یہ کہتا کہ جو عورت ایام سے پاک ہو جائے تو اسے چاہیے کہ نماز قضا کرے اور روزہ کی قضا نہ کرے کیونکہ نماز روزہ سے افضل ہے۔

۳۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ پیشاب زیادہ نجس ہے یا نطفہ، امام باقر علیہ السلام نے جواب دیا پیشاب زیادہ نجس ہے یہ سن کر ابوحنیفہ نے عرض کیا اگر دین میں قیاس کو دخل ہوتا تو میں کہتا کہ پیشاب کے بعد غسل کرنا چاہیے اور اخراج منی کے بعد وضو کر لینا ہی کافی ہے مگر معاذ اللہ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں قیاس سے آپ کے جدِّ امجد کے دین کو تبدیل کر دوں اس گفتگو کے بعد امام باقر علیہ السلام اٹھے اور ابوحنیفہ سے بغلگیر ہوئے اور ابوحنیفہ کے چہرے کو چوما اور عزت و تکریم کے ساتھ بٹھایا غرضیکہ امام باقر علیہ السلام علم و فضل میں بے مثل تھے بڑے بڑے آئمہ آپ کے شاگرد ہیں آپ کی وفات ۱۱۴ھ ہجری ہے۔

(امام زید ۱۳۷ ابوزہرہ)

امام زید علیہ السلام

امام زید علیہ السلام، زہد، تقویٰ، شجاعت، دین داری اور شرافت کے اعتبار سے اہل بیت میں سے ایک عظیم شخصیت تھے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے سنہ ۱۰۵ھ میں جب ہشام[1] بن عبدالملک بادشاہ بنا تو اس نے امام زید کو متہم کیا کہ انہوں

---

[1] ہشام بن عبدالملک ۱۰۵ھ میں بادشاہ بنا یہ خوبصورت تو تھا لیکن (احول) بھینگا تھا اس کی ماں کا نام ام ہشام بنت ہشام بن اسماعیل مخزومی ہے عبدالملک نے خواب میں دیکھا کہ اس نے چار مرتبہ محراب میں پیشاب کیا ہے اس کی تعبیر سعید بن مسیب سے پوچھی تو انہوں نے کہا کہ تیری اولاد =

نے خالد بن عبداللہ قسری (معزول حاکم کوفہ) کی ایک امانت پر قبضہ کر رکھا ہے اور ان کو یوسف بن عمر ثقفی کے پاس جو اس زمانہ میں عراق کا حاکم تھا اس فرضی الزام کو ثابت کرنے کے لیے بھیج دیا اس نے امام زید سے قسم لی اور آپ نے کہا کہ میرے پاس خالد کا کوئی مال نہیں ہے اور آپ کو چھوڑ دیا اس واقعہ کے بعد امام زید علیہ السلام نے مدینہ منورہ کا رخ کیا اور کوفہ والے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے اور ان سے کہنے لگے خدا آپ پر رحم کرے آپ کہاں جا رہے ہیں آپ کی مدد کے لیے تو یہاں ایک لاکھ تلواریں موجود ہیں یہاں بنو امیہ کی تعداد بہت کم ہے غرض کہ کوفہ والوں نے اس وعدے کے اظہار سے اور اسی قسم کی اور باتوں سے ان کو خلافت کی ترغیب دلائی امام زید نے کہا اے لوگو! مجھے تمہاری بے وفائی کا اندیشہ ہے تم نے میرے دادا حسین علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ ظاہر ہے یہ کہہ کر امام زید نے انکار کر دیا اہل کوفہ نے خدا کا واسطہ دینا شروع کر دیا آپ واپس تشریف لے چلیں اور ہم حلف اٹھا کر وعدہ کرتے ہیں کہ ضرور آپ کے لیے ہم مر مٹیں گے آپ کو ہی فتح حاصل ہوگی آخر کار امام زید علیہ السلام واپس تشریف لائے تو شیعہ لوگ ان کے پاس آنے لگے اور انہوں نے امام زید علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کرنا شروع کر دی اور بیعت کرنے والوں کی تعداد اس حد تک پہنچ گئی کہ مدائن، بصرہ،

= سے چار لڑکے بادشاہ بنیں گے چنانچہ اسی طرح ہوا ہشام ان سے چوتھا تھا جو کہ بادشاہ بنا ہشام کے دور حکومت میں امام زید علیہ السلام نے خروج کیا اور ہشام نے یوسف بن عمر ثقفی کو امام زید علیہ السلام کے مقابلے میں روانہ کیا جنگ ہوئی فتح یوسف بن عمر کے حصے میں آئی امام زید علیہ السلام شہید ہوئے مشہور شاعر فرزدق نے جب امام زین العابدین علیہ السلام کی شان میں حرم کعبہ میں کھڑے ہو کر قصیدہ پڑھا تو ہشام نے فرزدق کو قید کرا دیا پھر فرزدق نے ہشام کی ہجو کی جس میں اس کے احول ہونے کا ذکر کیا یہ اگرچہ بخیل تھا لیکن عقل مند بردبار اور حکومت کرنے کا اس کو سلیقہ تھا ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ہشام نے ۱۹ سال اور سات ماہ اور گیارہ دن حکومت کی ہشام کی موت ۱۲۵ھ میں واقع ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ ۳۵۴ ج۹)

واسطہ، موصل، خراسان، رے، جرجان، اور جزیرہ (میسو پوٹیمیا) کے لوگوں کو چھوڑ کر صرف کوفہ کے پندرہ ہزار آدمی تھے یہ لوگ کئی مہینے تک کوفہ میں ٹھہرے رہے جب یہ صورت حال ہوگئی تو امام زید علیہ السلام نے فرمایا میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس نے میرے لیے میرے دین کو کامل کر دیا ہے خدا کی قسم مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حیا آتی ہے کہ میں کل کے روز حوض کوثر پر آپ کے پاس جاؤں درآں حالیکہ میں نے آپ کی امت کو نہ نیک کاموں کو حکم دیا ہو اور نہ بری باتوں سے روکا ہو جب امام زید علیہ السلام کے پاس لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے اپنے مقصد (خلافت) کا اعلان کر دیا۔ ہشام بن عبدالملک نے ان کے مقابلے کے لیے یوسف بن عمر ثقفی کو روانہ کیا جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو امام زید علیہ السلام کے ساتھی (شیعہ لوگ) کہنے لگے کہ ہم آپ کا ساتھ اس وقت دیں گے جب آپ ابو بکر اور عمر کے بارے میں اپنی رائے تبدیل کریں گے جنہوں نے آپ کے جد علی بن ابی طالب پر ظلم جائز رکھا تھا یہ سن کر امام زید علیہ السلام نے فرمایا ان دونوں (ابو بکر و عمر) کے لیے میں کچھ نہیں کہہ سکتا میں نے بنوامیہ کے خلاف خروج تو اس لیے کیا ہے کہ یہ میرے دادا حسین علیہ السلام کے قاتل ہیں یہی ہیں جنہوں نے حرہ کی جنگ میں مدینہ منورہ پر غارت گری کی اور یہی ہیں جنہوں نے بیت اللہ پر غارت گری کی اور یہی ہیں جنہوں نے بیت اللہ پر منجنیق سے پتھر پھینکا اور آگ برسائی یہ سن کر کوفی شیعوں نے کہا کہ ہم نے آپ کے ساتھ جو بیعت کی ہے وہ فسخ کرتے ہیں امام زید علیہ السلام نے ان کو رافضی ہونے کا خطاب دیا بقول حافظ ابن کثیر کے آپ کے ساتھ صرف دو سو اٹھارہ آدمی رہ گئے سخت مقابلہ ہوا امام زید اور آپ کے چند ساتھیوں نے یوسف ثقفی کی کئی ہزار فوج کا مقابلہ کیا آخر میں ایک تیر آپ کی پیشانی میں لگا جس سے امام زید شہید ہو گئے آپ کے ساتھیوں نے ایک نہر میں آپ کی قبر کھودی اور دفن کر کے اوپر سے پانی بہا دیا جب یوسف ثقفی کامیاب ہو گیا تو اس نے امام زید علیہ السلام کی قبر کا

پتہ لگانا شروع کر دیا آخر میں ایک غلام نے اس کو بتایا کہ امام زید علیہ السلام کو وہاں دفن کیا گیا ہے چنانچہ اس نے امام زید کو قبر سے نکال کر آپ کا سر مبارک کاٹ کر ہشام بن عبد الملک کے پاس بھیجا اور آپ کا جسم مبارک سولی پر لٹکا دیا چار سال تک آپ کا جسم مبارک سولی پر لٹکتا رہا ابن عمار حنبلی لکھتے ہیں کہ جب آپ کو سولی پر چڑھایا گیا تو جسم کو دشمنوں نے ننگا کر دیا اس وقت عنکبوت (مکڑی) نے آپ کے جسم پر جالا تن دیا چار سال کے بعد آپ کا جسم سولی سے اتارا گیا اور اس کو جلایا گیا اور اس کی راکھ دریائے فرات میں ڈال دی گئی۔ (البدایہ والنہایہ ۳۳۰ ج۹، شذرات المذہب ۱۵۹ ج۱)

امام زید علیہ السلام نے جب ہشام بن عبد الملک کے خلاف ۱۲۲ھ میں خروج کیا تو امام ابو حنیفہ نے فتویٰ دیا تھا:

خروجه يضاهی خروج رسول الله ﷺ يوم بدر.

"امام زید علیہ السلام کا خروج" بدر میں حضور کی جنگ سے مشابہ ہے اور کہا کہ امام زید برحق امام ہیں امام ابو حنیفہ نے دس ہزار درہم امام زید کی خدمت میں روانہ کیے خود بیمار ہونے کی وجہ سے جنگ میں شرکت نہ کر سکے امام ابو حنیفہ چونکہ امام زید علیہ السلام کے شاگرد بھی تھے کہتے تھے کہ میں نے زید بن علی کو اور ان کے خاندان کے دوسرے افراد کو دیکھا ہے مگر میں نے ان سے زیادہ فقیہہ، زیادہ فصیح و بلیغ اور حاضر جواب کسی کو نہیں پایا حقیقت یہ ہے کہ علم میں ان کی کوئی مثال نہیں تھی امام ابو حنیفہ نے زندگی کے ۵۲ سال اموی دور میں گزارے اور ۱۸ سال عباسی عہد میں انہوں نے دونوں حکومتوں کا زمانہ پایا اموی حکومت کا جاہ و جلال اور زوال و انحطاط دیکھا زیر زمین عباسی تحریک کو بھی ملاحظہ کیا پھر عباسیوں کا اقتدار اور غلبہ بھی دیکھا امام ابو حنیفہ نے یہ سارے انقلابات دیکھے نیز ان دونوں حکومتوں کا آل علی علیہ السلام پر تشدد اور ظلم ملاحظہ کیا اور اپنی نظر سے امام زید اور ان کے بعد ان کے بیٹے یحییٰ بن زید کو مقام خراسان ۱۲۵ھ

میں پھر عبداللہ بن یحییٰ کو ۱۳۰ھ ہجری میں امویوں کی تلوار سے قتل ہوتا دیکھا لیکن ابوحنیفہ نے ان تمام حالات میں آلِ علی کا ساتھ ہی نہیں چھوڑا بلکہ اہل بیت کی حمایت میں متعدد مرتبہ قابل تحسین موقف اختیار کیا جس کی بناء پرن سہولت میں حکومت کی طرف سے ان پر عتاب نازل ہوا اور آخر کار حق کے ساتھ تمسک اور نہایت بے نیازی کی حالت میں عترت نبوی کی محبت میں مقام شہادت حاصل کیا چنانچہ جب حکومت خاندان عباسیہ میں منتقل ہوئی تو عبداللہ سفاح (المتوفی ۱۳۶ھ) کے بعد اس کا بھائی ابوجعفر منصور بادشاہ بنا تو اس نے امام حسن علیہ السلام کی اولاد اسی طرح امام حسین علیہ السلام کی اولاد کو قید کر کے ان کو لوہے کی زنجیریں پہنائیں اور ان کو عراق بھیج دیا وہاں ان کو جیل خانہ میں قید کر دیا اسی سلسلہ میں امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے ایک آدمی منصور کے پاس آیا منصور نے پوچھا کیسے آنا ہوا تو اس نے کہا کہ میں امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے ہوں میرے اہل وعیال تمہارے ہاں قیدی ہیں مجھے بھی ان کے ساتھ قید کر دو منصور نے ان کو بھی قید کر دیا ان کا نام علی بن حسن بن حسن علیہم السلام تھا جو حضرات قید میں تھے اکثر قید میں ہی فوت ہو گئے ان قیدیوں میں محمد بن ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بنی علی بن ابی طالب علیہم السلام بھی تھے یہ بڑے خوبصورت تھے خوبصورت ہونے کی وجہ سے دیباج اصفر (زرد ریشم) کہا جاتا تھا منصور نے ان کو بلایا اور کہا تو دیباج اصفر ہے انہوں نے کہا کہ لوگ ایسا کہتے ہیں منصور نے کہا کہ میں تجھے بری طرح قتل کروں گا میں نے اس سے پہلے کسی کو اس طرح قتل نہیں کیا پھر منصور نے حکم دیا کہ ان کو زندہ ایک ستون میں چنوا دیا جائے یوں ہی ہوا کہ وہ دم گھٹ کر فوت ہو گئے ۔ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۸۲ جلد ۱۰)

امام حسن اور حسین علیہم السلام کی اولاد کے ساتھ منصور کی بدسلوکی کا باعث یہ تھا کہ بنی ہاشم کے دونوں قبیلے بنی ابوطالب اور بنی عباس متحدہ طور پر بنوامیہ کی مخالفت پر جمع ہو کر کام کرنے لگے اور دونوں فریقوں نے معاہدہ یہ کیا کہ لوگوں کو آل علی علیہ السلام کی حمایت

پر آمادہ کیا جائے اور یہ بھی طے پایا کہ سید نفس ذکیہ محمد بن عبداللہ بن الحسن بن حسن المجتبیٰ بن علی بن ابی طالب علیہم السلام کی بیعت کی جائے سب نے اس پر اتفاق کیا اس مجلس میں بنی ہاشم کے سردار علوی اور عباسی سب حاضر تھے بنی ابی طالب کے سرداروں میں صادق جعفر بن محمد اور عبداللہ (المحض) بن الحسن بن حسن بن علی بن ابی طالب علیہم السلام اور عبداللہ المحض کے دونوں بیٹے محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم اور دیگر بنی ابی طالب کی ایک بڑی جماعت شریک تھی عباسی سرداروں میں ابوالعباس سفاح، منصور اور دیگر بنی عباس موجود تھے تمام نے محمد نفس ذکیہ کی بیعت پر اتفاق کیا لیکن تقدیر خداوندی نے معاملہ برعکس کر دیا، حکومت سفاح کے ہاتھوں میں پہنچی اس کے بعد اس کے بھائی منصور کو پہنچی منصور جب بادشاہ بنا تو اس کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ لوگ تو محمد نفس ذکیہ کی طرف میلان رکھتے ہیں نیز محمد نفس ذکیہ اس کے اہل بھی تھے تو منصور نے محمد نفس ذکیہ کے باپ عبداللہ المحض کو کہا کہ نفس ذکیہ اور ابراہیم کو میرے ہاں حاضر کرو عبداللہ المحض نے کہا کہ کیا میں اپنے دونوں بچوں کو تمہارے پاس اس لیے لاؤں کہ تم انہیں قتل کر ڈالو اس پر منصور نے عبداللہ المحض اور ان کے اہل و عیال کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا اور عبداللہ المحض کی وفات جیل میں ہی ہو گئی۔ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۸۲ ج ۱۰)

محمد نفس ذکیہ کا خروج

جب سے منصور بادشاہ بنا تھا محمد نفس ذکیہ منصور کی مخالفت کی وجہ سے وطن سے دور ہوتے تھے جب انہیں اس مصیبت کا علم ہوا جو ان کے باپ اور دوسرے عزیزوں پر گزری تو انہوں نے مدینہ منورہ میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا، مدینہ کے سرداران کے مطیع ہو گئے سب نے ان کا ساتھ دیا پھر نفس ذکیہ نے مدینہ منورہ پر قبضہ

کر کے حاکم مدینہ کو جو منصور کی طرف سے مقرر تھا معزول کر دیا اور وہاں اپنی طرف سے ایک حاکم اور قاضی مقرر کیا قید خانوں کے دروازے توڑ کر قیدیوں کو آزاد کیا اب مدینہ منورہ پر امام محمد نفس ذکیہ کا پورا تسلط ہو گیا اور جب محمد نفس ذکیہ کی امارت کا اعلان ہوا تو ایک شخص عامری نام مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر ۹ دن میں بغداد پہنچا وہاں رات کے وقت پہنچا اس نے شہر کے دروازے پر کھڑے ہو کر شور مچایا لوگوں کو اس کا علم ہو گیا اور یہ اندر داخل ہو گیا اور کہا کہ مجھے ابوجعفر منصور سے ایک ضروری کام ہے میری ان سے ملاقات کراؤ اس کو منصور کے پاس لایا گیا اس نے کہا کہ مدینہ منورہ پر محمد نفس ذکیہ نے قبضہ کر لیا ہے منصور نے کہا کہ کیا تم نے خود بھی دیکھا ہے اس نے کہا میں خود نفس ذکیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر دیکھا ہے اور میں نے خود ان سے گفتگو کی ہے منصور نے اس کو ایک کمرے میں بند کر دیا جب دیگر ذرائع سے بھی اس کے متعلق خبریں موصول ہوئیں تو منصور نے اس کو کمرے سے باہر نکالا اور کہا اب میں تم سے بہتر سلوک کرتا ہوں اور تجھے بے نیاز کیے دیتا ہوں تو کتنی راتوں میں مدینہ منورہ سے یہاں تک پہنچا اس نے کہا نو راتوں میں منصور نے اسے نو ہزار درہم دیئے اس واقعہ کے بعد منصور کبھی اٹھتا اور کبھی بیٹھتا اسی اثناء میں محمد نفس ذکیہ اور منصور کے درمیان خط و کتابت ہوتی رہی جن میں منصور نے زیادتی بھی کی اور ان خطوط کو حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے آخر کار منصور نے اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو نفس ذکیہ سے لڑنے کے لیے بھیجا چنانچہ وہ ایک عظیم لشکر لے کر محمد نفس ذکیہ کی طرف روانہ ہوا دونوں لشکر مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ پر باہم مقابل ہوئے منصور کی فوج کو فتح ہوئی محمد نفس ذکیہ شہید ہوئے اور عیسیٰ بن موسیٰ نے ان کا سر کاٹ کر بغداد میں منصور کے پاس بھیج دیا، یہ واقعہ ۱۴۵ھ کا ہے۔ اس کے بعد محمد نفس ذکیہ کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ نے منصور کے خلاف خروج (اظہار حق کے لیے نکلنا) کیا جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم بن عبداللہ

المحض اپنی روپوشی کے زمانے میں منصور کے لشکر میں چھپ کر آجایا کرتے تھے او کبھی کبھی منصور کے دستر خوان پر بھی بیٹھ جایا کرتے تھے حالانکہ منصور ان کی تلاش میں تھا۔ آپ ایک مرتبہ بغداد سے نکل کر بصرہ میں تشریف لائے وہاں اپنے ارادے کا اعلان کیا اور لوگوں کو دعوت دی۔ لوگوں نے آپ کی اتباع کی یہاں تک کہ آپ کے پاس ایک بڑی جماعت لوگوں کی جمع ہوگئی جب منصور کا بھتیجا محمد نفس ذکیہ کی فوج کو شکست دے کر اور ان کو شہید کر کے واپس آیا تو منصور نے پندرہ ہزار فوج کے ساتھ امام ابراہیم کے مقابلے میں بھیجا۔ دونوں لشکر کوفہ کے قریب باخمری نامی گاؤں میں مقابل ہوئے۔ منصور کے لشکر کو فتح حاصل ہوئی اور امام ابراہیم شہید ہوئے۔ یہ واقعہ بھی ۱۴۵ھ کا ہے۔

جب محمد نفس ذکیہ نے ابوجعفر منصور کے خلاف خروج کیا تو ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام مالک نے نفس ذکیہ کی حمایت کرنے اور عباسی حکومت کے خلاف خروج کے جواز کا فتویٰ دیا تھا اور لوگوں کو کہا کہ تم محمد نفس ذکیہ کے دست حق پرست پر بیعت کر لو تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم تو منصور کی بیعت کر چکے ہیں۔ امام مالک نے جواب دیا کہ تم مجبور تھے اور بیعت جبری کوئی چیز نہیں ہے چنانچہ لوگوں نے امام مالک کے فتویٰ کے مطابق محمد نفس ذکیہ کی بیعت کر لی۔ (البدایہ والنہایہ ۸۴ ج ۱۰)

جس طرح امام مالک نے محمد نفس ذکیہ کی حمایت میں فتویٰ دیا اسی طرح امام ابوحنیفہ نے بھی محمد نفس ذکیہ کی حمایت کا اعلان کیا آپ کے اعلان سے متاثر ہو کر منصور کے بہت بڑے ایک فوجی جنرل (حسن بن قحطبہ) نے محمد نفس ذکیہ کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا چنانچہ مروی ہے کہ حسن بن قحطبہ امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میرے حالات جیسے کچھ بھی ہیں وہ آپ پر مخفی نہیں مگر آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر اب بھی توبہ کر لوں تو میری توبہ قبول ہو سکتی ہے امام ابوحنیفہ نے

اس کے جواب میں کہا اگر اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ تم اپنے کیے پر واقعی پشیمان ہو اور تمہاری یہ حالت ہو جائے کہ اگر تمہیں اختیار دیا جائے کہ یا تو کسی مسلمان کو قتل کرو یا خود قتل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ تو تم خود قتل ہونے پر آمادہ ہو جاؤ اور خدا کے سامنے یہ عہد کرو کہ اب تک جو کچھ کرتے رہے ہو اس کا پھر اعادہ زندگی بھر نہیں کرو گے پھر اگر تم اس عہد پر قائم رہے تو بلاشبہ تمہارا یہ ہی ارادہ اور عزم تمہاری توبہ ہے امام ابو حنیفہ کا یہ ارشاد سنکر حسن بن قحطبہ نے ان کے سامنے عہد کیا کہ میں خدا سے عہد کرتا ہوں کہ قتل مسلم کے ارتکاب کا اعادہ نہیں کروں گا، اسی اثناء میں بصرہ میں امام ابراہیم بن عبداللہ نے ظہور کیا ابو جعفر منصور نے حسن بن قحطبہ کو دربار میں طلب کیا اور اسے امام ابراہیم کا قلع قمع کرنے کے لیے جانے کا حکم دیا حسن بن قحطبہ یہ سنکر امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو واقعہ تھا اس سے مطلع کیا امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ تمہاری توبہ کے امتحان کا وقت آ گیا ہے تم نے خدا سے جو عہد کیا ہے اگر اس عہد کو پورا کیا تو بے شک تم توبہ کرنے والے ہوئے اور اگر اپنے عہد سے پھر گئے تو اگلی پچھلی معصیتوں کے مواخذے سے کسی طرح بھی نہ بچ سکو گے یہ سنکر حسن نے پھر توبہ کی اور یہ طے کر کے کہ بادشاہ کے دربار سے زندہ واپس نہیں آنا ہے پوری تیاری کے ساتھ منصور کے سامنے حاضر ہوا اور کہا امیر المومنین جس مہم پر آپ مجھے بھیجنا چاہتے ہیں میں اس پر نہیں جاؤں گا آپ کی فرماں برداری کر کے اگر میں نے خدا کی اطاعت کی ہے تو بہت زیادہ اپنا حصہ لے چکا ہوں اور اگر آپ کی اطاعت کر کے میں نے معصیت کا ارتکاب کیا ہے تو پھر معصیت کا یہ ذخیرہ میرے لیے بہت کافی ہے ابو جعفر منصور حسن بن قحطبہ کی یہ باتیں سن کر آگ بگولا ہو گیا یہ دیکھ کر حسن بن قحطبہ کا بھائی حمید بن قحطبہ کہنے لگا امیر المومنین سال بھر سے ہم ان کی عقل میں فتور محسوس کر رہے ہیں معلوم ہوتا ہے انہیں بہکایا گیا ہے ان کے بجائے اس مہم پر میں روانہ ہوتا ہوں چنانچہ جب حمید بن قحطبہ روانہ ہو گیا تو منصور نے اپنے ایک ساتھی سے

پوچھا فقہاء میں سے کس کے پاس حسن بن قحطبہ کی آمد و رفت زیادہ ہے اس سوال کے جواب میں اسے بتایا گیا کہ یہ امام ابوحنیفہ کے پاس آتا جاتا رہتا ہے۔

(عہد وحیات ابوزہرہ ۷۳)

اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ امام ابوحنیفہ نے جیسے کہ امام زید علیہ السلام کی حمایت کی اسی طرح محمد نفس ذکیہ کی بھی نصرت و حمایت کی بلکہ امام ابوحنیفہ تمام اہل بیت رسول علیہم السلام اور آل علی کے جذبہ محبت سے سرشار تھے اسی وجہ سے حکومت وقت کے تمام حاکموں پر سخت تنقید کرتے تھے امام ابوحنیفہ کے امام زید، امام باقر، امام جعفر صادق، امام ابراہیم اور محمد نفس ذکیہ اور ان کے والد ماجد عبداللہ المحض علیہم السلام تمام کے ساتھ خصوصی تعلقات و روابط تھے اور ان سے بے پناہ محبت رکھتے تھے اور ان کے مصائب پر دل گرفتہ رہتے تھے غرضیکہ امام زید علیہ السلام بہت بڑے عالم، امام برحق اور نہایت شجاع اور بہادر فصیح و بلیغ اور حاضر جواب تھے حقیقت یہ ہے کہ اہل بیت رسول میں ایک بے مثال شخصیت تھے۔

عبداللہ الباہر

آپ کا نام عبداللہ ہے اور آپ کا لقب الباہر ہے چونکہ آپ زیادہ خوبصورت اور حسن و جمال رکھتے تھے لہٰذا آپ کو الباہر کہا جاتا تھا علم و فضل، زہد و اتقاء میں اپنی مثال آپ تھے جب ستاون سال عمر ہوئی تو وفات ہوگئی۔

عمر الاشرف علیہ السلام

آپ کا نام عمر ہے آپ کی کنیت ابوعلی ہے آپ کو اشرف عمر اطرف کے لحاظ

سے کہا جاتا ہے کہ ان کو فضیلت اس لحاظ سے ہے کہ وہ خاتون جنت فاطمۃ الزہراء ؑ کی اولاد سے ہیں اور عمر اطرف کو فضیلت حضرت امیر المومنین علی ؑ کی نسبت سے ہے یہ اس طرح ہے جیسے کہ جعفر طیار کی اولاد میں اسحاق عریض کو اطرف کہا جاتا ہے اور اسحاق بن علی زینبی کو اشرف کہا جاتا ہے عمر الاشرف کی عمر ۶۵ سال تھی کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

حسین الاصغر ؑ

آپ کا نام حسین ہے کنیت ابو عبداللہ ہے۔ بہت بڑے زاہد متقی پاک باز محدث اور حجاز، عراق، شام بلکہ عرب و عجم کے بہت بڑے عالم تھے آپ کی وفات ۱۵۷ھ میں ہوئی اور آپ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

علی الاصغر ؑ

آپ کا نام علی ہے کنیت ابو الحسین ہے یہ امام زین العابدین ؑ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں جن سے آگے نسل چلی ہے غرضیکہ امام زین العابدین کی نسل ان چھ بیٹوں امام باقر، امام زید، امام عمر الاشرف، حسین الاصغر اور علی اصغر ؑ سے چلی ہے۔

* * * *

اختتامیہ

پہلے گزر چکا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام اہل بیت رسول میں سے ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ جلیل القدر تابعی اور علم حدیث کے بہت بڑے عالم اور عظیم فقیہ تھے اور آپ آئمہ، اہل بیت اطہار علیہم السلام میں سے چوتھے امام ہیں آپ دین اور طریقت کے امام ہیں۔ امام کا اصلی معنی مقتداء، پیشوا اور رہنما ہے اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ امامت دو قسم پر ہے۔ امامت کبریٰ، ریاست حکومت جسے حاصل ہو وہ اس معنی میں امام ہو گا۔ مامت صغریٰ نماز پنجگانہ اور جمعہ وعیدین کی نماز میں امامت کے فرائض سرانجام دینے والے کو بھی امام کہا جاتا ہے۔ دورِ اول میں وہی شخص امامتِ صغریٰ کے امور ادا کرتا تھا جو امامت کبریٰ کے منصب پر فائز ہوتا تھا بعد میں جب ملوکیت اور بادشاہت غالب آئی اور حکمرانوں نے اپنے فرائض میں کوتاہی کی تو اس وجہ سے امامت صغریٰ وکبریٰ دونوں منصب جدا ہو گئے۔ خلفاء اربعہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام اور حضرت امام حسن علیہ السلام (چھ ماہ تک) کی امامتِ کبریٰ ہی تھی اور یہی مدت تیس سال خلافت راشدہ بھی تھی، جب مدت خلافت راشدہ پوری ہوئی تو امام حسن علیہ السلام نے اپنی مرضی سے حکومت کی باگ ڈور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سپرد کر دی اور خود امامت باطنی کو اختیار فرمایا کہ امامت ظاہری (کبریٰ) میں حکومت واقتدار اور غلبہ وریاست عام ہوتی ہے اور امامت باطنی کے لیے ظاہری اقتدار اور غلبہ ضروری نہیں ہے بلکہ اس کے لیے

مقام قطبیت پر فائز ہو کر سالکان راہ طریقت کی روحانی تربیت و قلبی تصفیہ لازم ہے اور آئمہ اہلِ بیت کو اسی بناء پر امام کہا جاتا ہے اور آئمہ اہل بیت اطہار علیہم السلام سے صرف مولا علی علیہ السلام کے لیے ظاہری و باطنی دونوں امامتیں جمع ہوئیں اسی طرح حضرت امام حسن علیہ السلام کے لیے چھ ماہ امامت ظاہری امانت باطنی کے ساتھ جمع ہوئی، ان کے سوا دیگر تمام آئمہ اہل بیت علیہم السلام امامت باطنی کے منصب پر فائز ہوئے۔ چنانچہ مجدد الف ثانی (المتوفی ۱۰۳۴ھ) نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ امام علی کرم اللہ وجہہ جب ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بوجھ اٹھانے والے ہیں تو تمام اقطاب اوتاد اور ابدال کی تربیت ان کی امداد و اعانت کے ساتھ متعلق کر دی گئی ہے یہ وہ اولیاء ہیں جو گوشہ نشین رہتے ہیں اور ان میں کمالات ولایت کی جانب غالب ہوتی ہے۔ قطب الاقطاب کا سر جو قطب مدار[1] بھی کہلاتا ہے ان کے قدم کے نیچے ہوتا ہے۔ ان کی حمایت و رعایت سے

---

[1] قطب کا لغت میں معنی چکی کی میخ (کیل) ہے۔ جس پر تمام چکی کا مدار ہوتا ہے اگر وہ نہ ہو تو چکی چل ہی نہیں سکتی ایسے ہی اگر قطب جہاں نہ ہو تو انتظام عالم تباہ و برباد ہو جائے۔ قطب کے سبب ہی دائرہ وجود عالم قائم و محفوظ ہے۔ شیخ، عبدالوہاب شعرانی (المتوفی ۹۷۳ھ) بحوالہ فتوحات لکھتے ہیں کہ قطب اپنی قطبیت پر قائم نہیں رہ سکتا۔ تاوقتیکہ اس کو ان حروف مقطعات کے جو اوائل سور قرآنی میں ہیں، معنی معلوم نہ ہوں اور جب اللہ تعالیٰ اس کو ان حقائق و معانی پر واقف کر دیتا ہے تب اس کو یہ خلافت ملتی ہے، سید محمد بن جعفر مکی (المتوفی ۸۹۱ھ) اپنی کتاب۔ بحر المعانی کے چودھویں مکتوب میں لکھتے ہیں کہ قطب بارہ ہیں ان بارہ قطبوں کا سردار قطب الاقطاب ہے۔ جس کو قطب مدار بھی کہتے ہیں اور اوتاد یہ وتد کی جمع ہے اس کے معنی میخ کے ہیں یہ لوگ میخ آہن کی طرح ہیں جو اپنے مقام پر جمے رہتے ہیں جیسے کہ پہاڑ سبب سکون ہیں اسی طرح اوتاد سبب قیام تمام عالم اور ربع مسکون کے ہیں۔ سید محمد بن جعفر مکی لکھتے ہیں کہ اوتاد چار ہوتے ہیں اور ابدال کے متعلق شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (المتوفی ۶۳۸ھ) فتوحات میں لکھتے ہیں کہ ابدال کو ابدال اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں سے جب کوئی اپنی جگہ سے ہٹتا ہے تو دوسرا شخص اس کی جگہ پر اسی صورت کا قائم ہو جاتا ہے۔ ایسا کہ دیکھنے والا معلوم کرتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے علامہ ابونعیم (المتوفی ۴۳۰ھ) =

ہی قطب مدار کا امر جاری ہوتا ہے اور سیدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام اور ان کے دونوں بیٹے امامان رضی اللہ عنہما بھی اس مقام میں حضرت علی علیہ السلام کے شریک ہیں۔ (مکتوب ۲۵۱)

شاہ ولی اللہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ اس فقیر کو معلوم ہوا کہ بارہ امام رضی اللہ عنہم بعض نسبتوں میں سے اقطاب نسبتی ہیں اور تصوف کا رواج ان کے زمانہ ظاہری کے ختم ہونے کے ساتھ ہی پیدا ہوا ہے۔ (مقالۃ الوضیہ فی النصیحتہ والوصیہ)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں اور بعد حضرت امیر کے حضرت امام حسن امام تھے بعد میں حضرت امام حسین۔ اور امام حسین استحقاق اپنی امامت کا ظاہر کرتے تھے لیکن ان سے بیعت اہل بست وکشاد کی واقع نہ ہوئی اور اکثر آئمہ نے بسبب غلبہ شغل باطن کے درخواست امامت ظاہری کی نہ کی، ابن حجر مکی (المتوفی ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ اسی وجہ سے جب ان سے خلافت ظاہری چلی گئی کیونکہ ملوکیت بن گئی تھی، اسی بنا پر امام حسن کے لیے پوری نہ ہو سکی تو ان کو اس کے عوض میں خلافت وامامت باطنہ دی گئی، یہاں تک کہ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ ہر زمانہ میں قطب الاولیاء ان ہی میں سے ہوتا ہے۔ (صواعق محرقہ ۱۴۳)

رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں کہ ہم سب آئمہ اثنا عشر کو امام ومقتداء دین وقطب ارشاد عقیدۃ رکھتے ہیں اور حضرت علی اور امام حسن چھ مہینے کے لیے امام ظاہر بھی ہوئے اور دیگر آئمہ امام ظاہری نہیں ہوئے، اگرچہ ان تمام آئمہ اہل بیت میں لیاقت امامت ظاہری کی سب معاصرین سے زیادہ تھی۔ (ہدایۃ الشیعہ ۷۷)

اس سے ظاہر ہے یہ حضرات ولایت اور طریقت کے امام تھے، امام زین

= حلیۃ الاولیاء میں حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے نیک لوگ ہر صدی میں پانچ سو ہوں گے اور ابدال چالیس ہوا کریں گے۔ (فتاویٰ جماعتیہ ۵۳۶ ج ۲)

(مفتی غلام رسول) لندن

العابدین علیہ السلام کو واقعہ کربلا کے بعد اہل مدینہ نے متفقہ طور پر کہا کہ ہم لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں لیکن آپ نے جواب دیا کہ میں دنیاوی حکومت کے لیے تمہاری بیعت ہرگز نہیں لوں گا لہٰذا آپ نے ظاہری امامت کو چھوڑ کر باطنی امامت کو اختیار کیا اور سیاسی حالات سے الگ تھلک ہو گئے اور سیاسی لوگوں سے قطع تعلق کر لیا۔ نیز آپ واقعہ کربلا کے بعد ہر وقت مغموم رہتے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں جتنے غم اور صدمے اٹھائے اتنے کسی نے نہیں اٹھائے۔ آپ کی ذات تو کجا وہ لوگ جنہوں نے آپ کے ساتھ یا اہل بیت اطہار کے ساتھ وفاداری یا محبت وعقیدت کا اظہار کیا وہ بھی مصائب میں گرفتار ہوئے چنانچہ جب اموی دور حکومت شروع ہوا تو اس حکومت کے گورنروں نے اپنے خطبوں میں برسر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم (گالی گلوچ) شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضور کے محبوب ترین (حضرت علی) کو گالیاں دی جاتی تھیں سنہ ۵۱ھ میں جب کوفہ کا حاکم زیاد مقرر ہوا اس نے بھی اسی طرز عمل کے پیش نظر ایک دن خطبہ میں حضرت علی پر سب وشتم کیا تو وہاں حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ جو ایک زاہد وعابد صحابی تھے وہ صبر نہ کر سکے۔ انہوں نے زیاد کو کہا تو یہ کام غلط کرتا ہے اور انہوں نے حضرت علی کی تعریف بھی کی جب بھی زیاد خطبے میں بکواس کرتا تو حجر بن عدی اس کو جواب دیا کرتے۔ آخر کار زیاد نے ان کو اور ان کے بارہ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور ان کو دمشق حکومت کے سپرد کر دیا اور دمشق حکومت نے ان کے قتل کا حکم جاری کر دیا، قتل سے پہلے جلادوں نے ان کے سامنے جو بات پیش کی وہ یہ تھی کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم علی سے برأت کا اظہار کرو اور ان پر سب وشتم کرو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا ورنہ قتل کر دیا جائے گا ان لوگوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ نے کہا میں زبان سے وہ بات نہیں نکال سکتا جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرے آخر کار حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے سات

ساتھی قتل کر دیئے گئے، ان میں ایک صاحب عبدالرحمان بن حسان کو زیاد کے پاس بھیجا گیا۔ زیاد نے انہیں زندہ دفن کرا دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے قتل کا علم ہوا تو آپ نے حضرت معاویہ کو کہا کہ اے معاویہ تمہیں حجر بن عدی کو قتل کرتے ہوئے خدا کا ذرا خوف نہ آیا تو حضرت معاویہ نے جواب دیا کہ اس وقت مجھے عقل دینے والا کوئی بھی میرے پاس موجود نہ تھا۔

(البدایہ و النہایہ ۵۰ تا ۵۴ ج ۸، تاریخ کامل ۴۷۲ تا ۴۸۷، تاریخ طبری ۹۹ تا ۱۶۴ اج، شذرات الذہب ۵۷ ج ۱، اخلافت و ملوکیت ۱۶۴ تا ۱۷۴)

اس سے ظاہر ہوا جس نے بھی حضرت علی یا اہل بیت اطہار کے ساتھ عقیدت کا اظہار کیا اسی پر ہی تشدد کیا گیا چنانچہ عامر شعبی (المتوفی ۱۰۳ھ) جو عراق کے ایک بہت بڑے محدث اور بنی مروان کے قاضی تھے کہتے ہیں کہ ہم نے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو پایا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ہم ان سے محبت کرتے ہیں تو قتل ہوتے ہیں اور اگر ان سے دشمنی رکھتے ہیں تو جہنمی ہوتے ہیں (امام جعفر صادق ۲۳۲) اس سے ظاہر ہے کہ جس نے حضرت علی اور آلِ علی علیہ السلام سے اظہار محبت کیا یا ان کی تعریف و توصیف بیان کی یا ان کے حق میں کوئی حدیث یا روایت ذکر کی اس کو ہی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا، چنانچہ احمد بن علی بن شعیب نسائی نے حضرت مولیٰ علی علیہ السلام کی شان اور فضیلت میں ایک کتاب تالیف کی یہ دمشق میں آئے ان سے پوچھا گیا کہ معاویہ کے فضائل کیا ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں معاویہ کے فضائل نہیں جانتا تو شامیوں نے ان کو اتنا مارا کہ جس کی وجہ سے وہ قریب المرگ ہو گئے اور انہوں نے اپنے واقف کاروں کو کہا کہ مجھے مکہ مکرمہ میں پہنچا دو، چنانچہ ان کو مکہ مکرمہ لایا گیا تو مکہ میں ہی ان کی وفات ہو گئی۔

(امام جعفر صادق ۲۳۲)

حقیقت یہ ہے کہ اموی اور عباسی دور حکومت میں محدثین اور مؤرخین ان

کے خوف کی وجہ سے اہل بیت اطہار کی شان میں روایات بیان کرنے سے گھبراتے تھے چنانچہ محمد بن اسماعیل بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) جوکہ حکومت عباسیہ کے دور میں ہوئے ہیں جب انہوں نے جامع صحیح بخاری کو مرتب کر لیا تو کہا: ما وضعت فیہ الا الصیح وما ترکت من الصحاح اکثر۔ کہ میں نے اپنی اس جامع صحیح بخاری میں جو احادیث ذکر کی ہیں وہ صحیح ہیں اور جو میں نے صحیح احادیث چھوڑی ہیں وہ تو ان سے بہت زیادہ ہیں، علامہ عبدالحکیم جندی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اس بات کی طرف اشارہ دیا ہے کہ میں نے جو صحیح احادیث چھوڑی ہیں یہ وہی روایات ہیں جو حضرت علی اور اہل بیت اطہار کی شان میں وارد ہیں۔ امام بخاری حکومت عباسیہ کے خوف ورعب کی وجہ سے ان کو اپنی جامع میں نہیں لا سکے، نیز صاحب تاریخ نواصب نے بحوالہ کتاب الجرح والتعدیل (ابن ابی حاتم رازی) ذکر کیا ہے کہ حافظ ابو عبداللہ سے سوال کیا گیا کہ بخاری نے ابوالطفیل عامر بن واثلہ صحابی کی حدیث کیوں نہیں لی تو کہا لانہ یفرط فی التشیع اس لیے کہ ابوطفیل تشیع میں افراط کرتے تھے۔ انور شاہ دیوبندی کشمیری العرف الشذی میں لکھتے ہیں کہ حارث اعور کو شیعہ کہا گیا ہے: و کذٰلک قیل فی حق ابی الطفیل ای یحبان اور اسی طرح ابی الطفیل صحابی کے حق میں کہا گیا ہے، معنی یہ ہے کہ یہ دونوں علی سے محبت کرتے تھے۔ (تاریخ نواصب ۱۸۲،۱۹۶،ج ۱)

اس سے ظاہر ہے کہ امام بخاری حضرت ابوالطفیل صحابی سے اس وجہ سے روایت نہیں لے رہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت رکھتے ہیں۔ اسی طرح عمرو بن جاحظ (ناصبی) کے نزدیک حضرت انس رضی اللہ عنہ قابل حجت نہیں ہیں کیونکہ حضرت انس بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وفاداری کا اظہار کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے عمرو بن جاحظ نے اپنے دور ناصبیت میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ تم جانتے ہی ہو کہ روئے زمین پر کوئی عثمانی ایسا نہیں ہے اور مگر تمہیں معلوم ہے کہ وہ حضرت علی کی امامت کا منکر ہے اور عثمانی

(ناصبی)[1] ہی تعداد اور فقہاء محدثین کے لحاظ سے اکثر ہیں اور راویوں میں سے کسی شخص کے ساتھ تشیع کا گمان بھی ہو جاتا تو وہ متروک ضعیف اور متہم اہل علم کے نزدیک قرار پاتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے تشیع کو اپنی جلد کی بیماری (اگر ہو) سے بھی زیادہ لپیٹتا اور مستور رکھتا تھا۔ (کتاب العثمانیہ ۱۷۶)

---

[1] نصب کا اصلی معنی برائی اور دشمنی ہے اور اسی سے ناصبی بنا ہے کہ ناصبی بھی حضرت علی سے دشمنی اور آپ کی برائی بیان کرتا ہے چنانچہ محیط المحیط ۸۹۴ میں ہے:

والناصبة والنواصب المتدينون ببغضة على لانهم نصبوا له اى عادوه.

ترجمہ: "نواصب وہ ہیں کہ جو حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ بغض رکھنے کو اپنا دین سمجھتے ہیں اور آپ کے ساتھ دشمنی اور عداوت رکھتے ہیں۔"

جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

النصب هو بغض على و تقديم معاويه. (تدریب الراوی ۲۱۹)

ناصبیت حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ بغض رکھنے اور معاویہ کو ان پر ترجیح دینے کو کہا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جو حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ بغض و عداوت رکھتا ہے وہ ناصبی ہے نواصب و خوارج میں فرق یہ ہے کہ نواصب صرف حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ ساتھ دشمنی رکھتے ہیں اور خوارج ہر اس مسلمان کو کافر کہتے ہیں جو تحکیم کا قائل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے بندے کو بھی حکم (فیصلہ) کرنے والا بنایا جا سکتا ہے لیکن خوارج کہتے ہیں ان الحکم الا للہ فرماں روائی صرف اللہ کے لیے ہے۔ اب نتیجہ یہ نکلا کہ ہر خارجی ناصبی تو ضرور ہے لیکن ہر ناصبی کا خارجی ہونا ضروری نہیں لہٰذا اس لحاظ سے کہ ہر خارجی ناصبی تو ضرور ہے بعض نے کہا ہے:

و اهل النصب هم المتدينون ببغضة على بن ابى طالب كرم الله وجهه سموا بذالك لانهم ناصبوه و عادوه و اظهر واله الخلاف وهم الخوارج.

(تہذیب ابن عساکر ۳۴۹ ج ۴ بحوالہ تاریخ نواصب ۱۴) =

تعداد میں اکثر ہونا اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ جاحظ اپنے ہم عصر تمام نام نہاد اہل سنت کو اپنا ہم عقیدہ سمجھ کر اکثریت کا مدعی ہے اور اس کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ فقہا و محدثین کی اکثریت نام نہاد اہل سنت ہی کی تھی اور یہ ہی لوگ عثمانی (ناصبی) تھے ان میں سے بعض اگرچہ بظاہر علی علیہ السلام کی خلافت کے صحیح ہونے کے قائل تھے لیکن در حقیقت مولا علی علیہ السلام کے دشمنوں کو مجتہد بنا کر منکرین کی صف میں شامل تھے، بہر صورت ناصبی دور میں اہل سنت محدثین بھی ناصبی حکومت کے خوف کی وجہ سے اس آدمی سے روایت نہیں لیتے تھے جو حضرت علی اور آلِ علی سے محبت رکھتا تھا اور ناصبی اس کو رافضی اور شیعہ کہہ کر مجروح قرار دیتے اور یہ بعض محدثین رافضی اور شیعہ راوی سے بھی روایت لے لیتے جبکہ اس روایت میں حضرت علی یا آل علی کی فضیلت نہ ہوتی چنانچہ بخاری، محدث عبدالرزاق سے روایت لیتے ہیں حالانکہ ان کو یحییٰ بن معین شیعہ کہتے ہیں چنانچہ یحییٰ بن معین سے کہا گیا کہ سنا ہے کہ احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ عبید اللہ بن موسیٰ کی حدیث بوجہ تشیع مردود ہے، پس یحییٰ بن معین نے کہا، اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے سوائی کو معبود نہیں ہے۔ عبدالرزاق تشیع میں عبید اللہ سے سو گناہ زیادہ غالی ہے اور میں نے عبید اللہ کی نسبت عبدالرزاق سے کئی گناہ زیادہ روایات سنی ہیں۔ (تاریخ نواصب ۲۳۰)

= ترجمہ: ”نواصب وہ لوگ ہیں جو بعض علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو اپنا دین سمجھتے ہیں
ان کا یہ نام اس لیے پڑ گیا کہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے دشمنی و عداوت کی اور
ان کی مخالفت کا اظہار کیا اور انہیں خوراج بھی کہا جاتا ہے۔“

اب یہاں ناصبیوں کو خارجی کہا گیا ہے تو یہ اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ ہر خارجی ناصبی ہوتا ہے لیکن ہر ناصبی خارجی نہیں ہوتا البتہ یہ بات ضرور ہے کہ خوراج اور نواصب کے درمیان وصف مشترک بغض علی ہے اور حضرت علی کیساتھ بغض رکھنا اور ان پر سب و شتم (گالی گلوچ) کرنا ناصبیوں کا شعار اور نشانی ہے۔ ۱۲

مفتی غلام رسول (لندن)

اس سے ظاہر ہوا کہ ناصبی دورِ حکومت کے محدثین بعض دفعہ رافضیوں سے بھی روایت لے لیتے تھے جبکہ اس روایت میں اہل بیت کی فضیلت مذکورہ نہ ہوتی۔ اسی وجہ سے جاحظ نے دعویٰ کیا تھا کہ تمام عثمانی. خلافت علی کے منکر ہیں جس پر تشیع کا شائبہ پایا جائے اسے ناقابل التفات گردانتے ہیں، اس کی مزید تفصیل جاحظ کے کے معاصر ابن قتیبہ (المتوفی ۲۷۶ھ)[1] بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس سے ان کے زمانے کے مذہبی حالات کا علم ہوتا ہے چنانچہ لکھتے ہیں اور میں نے ان کو بھی دیکھا ہے کہ جب کہ انہوں نے دیکھا کہ روافض کی زیادتی حب علی میں اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقدم کیا ہے اس پر اس کی تقدیم اور نبی کے ساتھ قریبی محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں شرکت اور اس کی اولاد میں سے آئمہ کے لیے علم غیب کے اثبات کا دعویٰ اور ایسی باتیں اور دوسرے پوشیدہ امور جو جہالت او غباوت کے افراط کی وجہ سے

---

[1] اس کا نام عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ ہے اور رکنیت ابو محمد ہے نحو اور لغت کا امام ہوا ہے یہ ابو حاتم سجستانی (المتوفی ۲۵۰ھ) اور اسحاق بن راہویہ (المتوفی ۲۳۸ھ) کا شاگرد ہے۔ ابن کثیر اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ کان ثقة نبيلاً کہ یہ ثقہ اور صاحب فضل و شرف تھا۔ ابن خلکان (۶۸۱ھ) لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ دین دار اور فاضل تھا۔ مسلم بن قاسم کہتے ہیں کان صدو قا من اهل السنة یہ نہایت سچا آدمی تھا۔ اہل سنت و جماعت سے تھا کہا جاتا ہے کہ وہ اسحاق بن راہویہ کا پیرو تھا۔ ابن حزم (المتوفی ۴۵۷ھ) لکھتے ہیں کہ یہ اپنے دین اور علم میں بھروسے کے قابل تھا۔ ابن حجر (المتوفی ۸۵۲ھ) کہتے ہیں کہ یہ نہایت سچا آدمی تھا جب اس کے اہل سنت و جماعت ہونے کی تصریح موجود ہے تو اس کے متعلق یہ کہنا کہ یہ شیعہ تھا یہ غلط ہے اسی طرح بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ ناصبی تھا یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس نے خود اپنے زمانے کے ناصبیوں کی سختی سے تردید کی ہے. حافظ ابن عماد حنبلی (المتوفی ۱۰۸۹ھ) لکھتے ہیں کہ حاکم نے جو ابن قتیبہ پر جرح کی ہے میں کہتا ہوں هذا بغی و تخرص کہ یہ زیادتی اور غیر حقیقی بات ہے۔ (شذرات الذہب ص ۱۷۰ ج ۲) ثابت ہوا کہ مسلم بن قتیبہ نہایت سچا اور ثقہ اور عقیدے کے اعتبار سے اہل سنت و جماعت سے تھا۔ ۱۲ مفتی غلام رسول (لندن)

کذب اور کفر تک لے گئے اور انہوں نے ان (روافض) کا یہ بھی دیکھا کہ خیار سلف کو شتم کرنا ان سے بغض اور بیزاری کا اظہار دیکھا تو اس کے مقابلہ میں علی کرم اللہ وجہہ کی تاخیر اور اس کے حق میں نقصان میں غلو کیا اور اگرچہ تصریح نہیں کی لیکن کنایتہً علی کرم اللہ وجہہ پر ظلم اور ناحق خون ریزی کا الزام لگایا ہے اور قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں مدد کرنے کی علی کرم اللہ وجہہ کی طرف نسبت کی ہے اور اپنی جہالت کی وجہ سے ان کو آئمہ ہدیٰ میں سے نکال کر آئمہ فتن میں شمار کیا ہے اور خلافت کا نام ان کے لیے واجب نہیں سمجھا اس لیے کہ لوگوں نے ان کے ساتھ اختلاف کیا اور یزید بن معاویہ کے لیے خلافت کو ضروری جانا اس لیے کہ (بقول ناصبیوں کے) لوگوں کا اس پر اجماع ہو گیا تھا اور جو شخص یزید کو بغیر اچھائی کے ذکر کرے اسے متہم کرتے ہیں اور بہت سے محدثین نے پرہیز کیا ہے کہ وہ علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل بیان کریں یا ان کا واجب حق ظاہر کریں حالانکہ فضائل علی کی تمام احادیث کے صحیح مخارج ہیں نیز اہل شوریٰ اور علی کو فضیلت میں ایک جیسا سمجھا ہے اس دلیل سے کہ اگر عمر کو علی کی فضیلت معلوم ہوتی تو علی کو ان پر مقدم کرتے اور اس امر کو ان کے درمیان شوریٰ نہ بناتے اور جو کوئی ان کے علم کا ذکر کرے یا ان کے فضائل میں سے کوئی حدیث روایت کرے تو اسے قصداً ترک کر دیتے ہیں، حتیٰ کہ بہت سے محدثین نے فضائل علی بیان کرنے سے پہلو تہی کی ہے اور عمرو بن عاص اور معاویہ کے فضائل جمع کرنے میں عنایت کی ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمرو بن عاص اور معاویہ کے فضائل کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ تنقیص علی مراد ہے۔

اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی علی کرم اللہ وجہہ ہے اور آپ کے نواسوں حسن اور حسین علیہما السلام کا باپ علی کرم اللہ وجہہ ہے اور اصحاب کساء، علی، فاطمۃ الزہراء حسن و حسین علیہم السلام ہیں تو ان ناصبیوں کے چہرے بدل جاتے ہیں اور آنکھیں اجنبی ہو جاتی ہیں اور سینے کی ہڈی پھول جاتی ہے اور اگر کوئی ذکر کرنے والا ذکر کرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا یہ فرمان جس کا میں مولا ہوں اس کے علی مولیٰ ہیں اور تو میرے ساتھ بمنزلہ ہارون کے ہے جیسے وہ موسیٰ کے ساتھ تھے اور اسی طرح کی دوسری احادیث، تو وہ ان کا مخرج تلاش کرنے لگ جاتے ہیں تا کہ وہ روافصہ کے بغض اور علی علیہ السلام کو ملزم بنانے کے لیے ان کی تنقیص کریں اور ان کے حق میں کمی کریں۔ یہ رافضیوں کے سبب کرتے ہیں اور یہ عین جہالت ہے۔ (الاختلاف فی اللفظ ص ۴۷ وص ۴۹)

یہ محدثین کون تھے جن کا ذکر عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ نے کیا ہے۔ یہ وہی ہیں جو حضرت علی علیہ السلام کے فضائل کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے اور مقابلہ میں اموی اور مروانی حکمرانوں کے فضائل بیان کرتے اور یہ لوگ ان صحابہ سے وہ روایات بھی نہیں لیتے جو کہ علی اور آل علی کے فضائل پر مشتمل ہیں یا راوی خود علی اور آل علی سے محبت رکھتا ہے اور ایسی روایات بیان کرتا ہے جو کہ علی اور آل علی کی عقیدت پر مبنی ہیں۔ ان روایات کو مذکورہ بالا محدثین ترک کرتے اور اس کے راوی کو شیعہ کہہ کر مسترد کر دیتے۔ چنانچہ حافظ ابو عبداللہ سے فضل بن محمد کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ روایت میں مصدوق ہے سوائے اس بات کے وہ تشیع میں غالی ہے۔ اس سے کہا گیا تو نے صحیح میں اس سے روایت لی ہے اس نے کہا اس لیے کہ میرے استاد کی کتاب شیعوں کی روایت سے بھری پڑی ہے۔ استاد سے مراد مسلم بن حجاج ہیں جن کی کتاب صحیح مسلم ہے۔ (کتاب الکفایہ فی علم الروایہ ص ۱۳۱)

اب ظاہر ہے کہ یہ محدثین اہل تشیع سے روایات لیتے ہیں لیکن جو علی اور آل علی سے عقیدت رکھتا ہے اس سے وہ روایت نہیں لیں گے جو کہ علی کے فضائل پر مشتمل ہو چاہیے تو یہ تھا کہ جو علی یا آل علی سے دشمنی رکھتا ہے اس سے روایت نہ لی جائے۔ چنانچہ سعید واسطی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کی مجلس میں میں بھی موجود تھا کہ ایک شخص نے امام احمد سے کہا کہ میں نے خواب میں یزید بن ہارون کو دیکھا ہے اور ان سے

پوچھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے انہوں نے جواب دیا مجھے بخش دیا اور مجھ پر رحم کیا اور مجھ پر عتاب بھی کیا میں نے عتاب کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے یزید بن ہارون تو نے حریز بن عثمان سے روایات لکھی ہیں میں نے عرض کیا میں تو اس کی بھلائی کے سوا اور کچھ نہ جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے یزید بن ہارون وہ ابوالحسن علی بن ابی طالب سے بغض رکھتا ہے۔

(تاریخ نواصب ص ۲۰۶)

اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص حضرت علی سے عداوت رکھتا ہو اس سے ہرگز روایت نہ لی جائے لیکن جس زمانہ کی مسلم بن قتیبہ بات کرتے ہیں اس زمانہ میں محدثین ان سے روایت لیتے تھے جو کہ ناصبی تھے۔ اگر کوئی علی سے محبت کرتا یا ان کے فضائل میں کلمات کہتا یا لکھتا تو اس کو مورد طعن بنایا جاتا اور ناصبی لوگ اس پر تشدد کرتے جیسا کہ احمد بن شعیب نسائی کے حوالہ سے گزرا ہے کہ دمشق میں ناصبیوں نے ان کو مارا یہ عباسی دور ہی تھا جس میں ناصبیوں کا زور تھا۔ انہوں نے بھی لوگوں کو اہل بیت کے فضائل بیان کرنے سے روکا۔ بایں وجہ محمد بن اسماعیل بخاری نے اپنی جامع صحیح بخاری میں نہ تو امام جعفر صادق سے روایت لی ہے اور نہ اپنے زمانہ کے آئمہ اہل بیت اطہار علیہم السلام سے روایت لی ہے۔ (تاریخ نواصب ص ۲۰۸)

اسی طرح امام بخاری وہ روایات جو علی اور آل علی کی شان میں مروی تھیں، نہیں لاسکے ان میں سے بعض روایات کو امام احمد بن حنبل (المتوفی ۲۴۱) نے اپنی مسند میں اور مسلم بن حجاج (المتوفی ۲۶۱) نے اپنی صحیح مسلم میں سلیمان بن اشعث سجستانی (المتوفی ۲۷۵ھ) نے اپنی سنن ابو داؤد میں اور محمد بن عیسیٰ ترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ) نے اپنی سنن ترمذی میں اور محمد بن یزید بن ماجہ (المتوفی ۲۷۹ھ) نے اپنی سنن ماجہ میں اور احمد بن علی بن شعیب نسائی (المتوفی ۳۵۳ھ) نے اپنی سنن نسائی

میں اور حاکم (المتوفی ۴۰۵ھ) نے اپنی مستدرک میں ذکر کیا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس حدیث رسول کثرت سے موجود تھی جس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ حدیث رسول کی ترتیب و تدوین کے بانی اول مسلم بن شہاب زہری (المتوفی ۱۲۴ھ) امام زین العابدین علیہ السلام کے شاگرد ہیں۔ ان کے علاوہ یحییٰ بن سعید انصاری (المتوفی ۱۴۳ھ) مدینہ منورہ کے قاضی بھی امام زین العابدین علیہ السلام کے شاگرد ہیں۔ دیگر بڑے بڑے محدثین امام زین العابدین علیہ السلام کے شاگرد تھے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کے متعلق تمام محدثین لکھتے ہیں کہ آپ کثیر الحدیث تھے جب امام زین العابدین کثیر الحدیث تھے تو پھر آپ سے مرویات کا کم مروی ہونا محض ان دونوں حکومتوں کی دخل اندازی کی وجہ سے تھا بلکہ ان حکومتوں کے کھلنڈر حاکم ان حکومتوں کی خوشنودی کے لیے آل رسول علیہ السلام پر درود پڑھنے سے بھی منع کرتے تھے چنانچہ حاشیہ نبراس میں ہے:

> قال بعض المحققين ترك المحدثين لفظ الآل
> عند الصلوٰة على خاتم الارسال لغلبة الاموية و
> العباسية لانهم يمنعون عن ذالك بل يسبون و
> سيعلم الذين ظلموا ای منقلب ينقلبون۔

(حاشیہ نبراس ص ۱۰ حاشیہ نمبر ۱)

بعض محققین نے کہا ہے کہ محدثین نے لفظ آل ختم المرسلین پر درود بھیجتے وقت بنوامیہ اور عباسیہ کے غلبہ کی وجہ سے ترک کر دیا تھا کیونکہ بنوامیہ اور عباسیہ اس سے منع کرتے تھے بلکہ آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب وشتم کرتے تھے اور عنقریب ظالم جان لیں گے کہ کون سی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں یعنی محققین نے کہا ہے کہ محدثین جب رسول اللہ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں تو صرف "صلی اللہ علیہ وسلم" کہتے ہیں جس میں آل کا ذکر نہیں کرتے، جس کی

وجہ یہ ہے کہ جب اموی اور عباسی دور حکومت تھا اور ناصبیوں کا زور تھا تو انہوں نے محدثین کو منع کر دیا کہ جب وہ نبی پر صلوٰۃ بھیجیں تو صرف صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر صلوٰۃ بھیجیں، آل کا ذکر نہ کریں بلکہ آل رسول پر سب وشتم کریں۔ یہ غیر اخلاقی حرکت اموی حکومت کے بانی اول کے دور سے شروع ہوئی تھی جب عمر بن عبدالعزیز (المتوفی ۱۰۱ھ) کا دور حکومت شروع ہوا تو انہوں نے اس قبیح اور گندی حرکت کو بدلا اور حکم دیا کہ خطبہ جمعہ میں جو علی علیہ السلام پر سب وشتم کیا جاتا ہے اس کو بند کیا جائے اور اس کی جگہ یہ آیت پڑھی جائے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى
وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝٩٠ (خلافت وملوکیت ص ۱۷۴)

علامہ عبدالحلیم جندی لکھتے ہیں کہ جس طرح عمر بن عبدالعزیز نے حضرت علی علیہ السلام پر سب وشتم (گالی گلوچ) کو بند کیا۔ اسی طرح آپ نے یہ حکم بھی نافذ کیا کہ آج کے بعد واعظین لوگ جو بنو امیہ کے حکمرانوں پر خطبہ جمعہ میں حمد وثناء کرتے ہیں وہ ختم کر دی جائے۔ (امام جعفر صادق ص ۱۲۱)

- یہ علماء سوء بنو امیہ کے اعلیٰ حکمرانوں کا خطبہ جمعہ میں ذکر کرتے اور ان کی حمد وثناء کرتے اور ان پر رحمتیں بھیجتے اور حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ علماء سوء ان پر صلوٰۃ بھیجتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۱۷)

اور آل نبی و علی علیہ السلام کا ذکر تک نہ کرتے بلکہ ان پر سب وشتم کرتے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دونوں باتوں پر پابندی عائد کر دی کہ نہ علی اور آل علی پر سب وشتم کی جائے اور نہ ہی اموی حکمرانوں کی حمد وثناء کی جائے اور نہ ہی ان پر صلوٰۃ بھیجی جائے۔ بہر صورت اس تحقیق بالا سے ثابت ہوا کہ ناصبیوں نے علی اور آل علی پر صلوٰۃ پڑھنے سے

روکا تھا چونکہ ناصبی لوگ پہلے بھی ہر دور میں رہے اور اب بھی موجود ہیں لہٰذا یہ جو بغض، علی اور آل علی سے رکھتے ہیں اس کا مظاہرہ کسی نہ کسی صورت میں کرتے رہتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ صرف صلی اللہ علیہ وسلم کہنا چاہیے آل کا ذکر نہ کرنا چاہیے اور کبھی کہتے ہیں آئمہ اہل بیت اطہار کے اسماء گرامی کے ساتھ مستقل طور پر علیہ السلام نہ کہنا چاہیے لیکن اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے کہ جب امام حسین اور امام زین العابدین یا دیگر آئمہ اہل بیت کا ذکر کیا جائے تو ان کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام کہنا جائز ہے، چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ لفظ ''سلام'' کا غیر انبیاء کی شان میں کہہ سکتے ہیں اس کی سند یہ ہے کہ اہل سنت کی کتب قدیمہ حدیث میں علی الخصوص ابوداؤد، صحیح بخاری میں حضرت علی و حضرات حسنین و حضرت فاطمہ و حضرت خدیجہ و حضرت عباس کے ذکر کے ساتھ لفظ علیہ السلام کا مذکور ہے۔ البتہ بعض علماء ماوراء النہر[1] نے شیعہ کی مشابہت کے لحاظ سے اس کو منع لکھا ہے لیکن فی الواقع مشابہت بدوں کی امر خیر میں منع نہیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ پہلی کتاب اصول حنفیہ کی شاشی ہے، اس میں نفس خطبہ میں بعد حمد وصلوٰۃ کے لکھا ہے والسلام علی ابی حنیفۃ و احبابہ یعنی سلام نازل ہو حضرت ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ پر اور آپ کے احباب پر اور ظاہر ہے کہ مرتبہ حضرات موصوفین کا جن کا نام نامی اوپر مذکور ہوا ہے۔ حضرت امام اعظم کے مرتبہ سے کم نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اہل سنت کے نزدیک بھی لفظ سلام کا اطلاق ان بزرگوں کی شان میں بہتر ہے اور حدیث شریف سے بھی ثابت ہے

---

[1] علماء ماوراالنہر کے متعلق حضرت شیخ الجامعہ علامہ غلام محمد گھوٹوی (المتوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں کہ ماوراء النہر اور کچھ دیگر علاقوں کے علماء احناف خارجی بھی ہیں اور معتزلہ بھی ان کا قول ہمارے لیے حجت نہیں ہوسکتا۔ (تحقیق الحق ص ۵) اسی وجہ سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی علماء ماوراالنہر کے قول کو قابل حجت نہیں سمجھا اور فرمایا کہ اہل بیت اطہار کے لیے لفظ علیہ السلام کا استعمال کرنا جائز ہے۔ ۱۲

(مفتی غلام رسول۔ لندن)

کہ لفظ علیہ السلام کا غیر انبیاء کی شان میں کہنا چاہیے۔

چنانچہ یہ حدیث ہے علیہ السلام تحیۃ الموتی یعنی اموات کی شان میں علیہ السلام کہنا ان کے لیے تحفہ ہے۔ یعنی بلا تخصیص ہر میت مسلمان کے لیے لفظ علیہ السلام تحفہ ہے تو اہل اسلام میں غیر انبیاء کی شان میں بھی علیہ السلام کہنا شرعاً ثابت ہے۔ خلیل الرحمان برہان پوری کا کلام یہ ہے جو کہ صواعق محرقہ میں لکھا ہے یعنی تیسری آیت یہ ہے کہ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے سلام علی الیاسین، تو ایک جماعت مفسرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس کلام پاک سے مراد یہ ہے کہ سلام علی آل محمد، ایسا ہی کلبی کا قول ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء علیہم السلام کے حق میں سلام فرمایا ہے ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی داخل ہیں یا اس وجہ سے کہ جب اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کے حق میں سلام فرمایا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بطریق اولیٰ سلام ہوا۔ بغوی نے معالم التنزیل میں یہ روایت لکھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ میں فرمایا ہے:

وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾

یعنی سلام ہے اس پر جس نے راہ راست اختیار کی تو اس میں تخصیص انبیاء کی نہیں۔ (ملخصاً فتاویٰ عزیزیہ ص ۲۳۵)

اس سے ظاہر ہے کہ اہل بیت کے آئمہ کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام کہنا جائز ہے اور یہ اہل سنت کا مسلک ہے جو کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

سوال:

زید جو یہاں برطانیہ میں ایک مسجد کا امام ہے، اس نے ایک رسالہ لکھا ہے اس میں وہ لکھتا ہے کہ آئمہ اہل بیت اطہار کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام یا علی علیہ السلام کہنا جائز نہیں ہے۔ نیز زید نے لکھا ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جو علیہ السلام کا جواز لکھا ہے

وہ درست نہیں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے دلائل انتہائی کمزور ہیں نیز زید نے لکھا ہے کہ اصول شاشی میں سلام بالتبع ہے یعنی پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر، صحابہ کرام پر پھر ان کے بعد امام اعظم اور ان کے ساتھیوں پر اور اس طرح بالتبع سلام تو اہل بیت اطہار بلکہ ہر مسلمان پر کہا جا سکتا ہے۔ اہل سنت اس سے منع نہیں کرتے وہ بالاستقلال صلوٰۃ وسلام منع کرتے ہیں لہٰذا اصول شاشی کی عبارت سے حضرت علی علیہ السلام پر بالاستقلال سلام کہنا ثابت نہیں ہوتا۔ (رسالہ ص ۱۰)

جواب:

زید کا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کے دلائل نہایت کمزور ہیں، یہ زید کی صرف جہالت ہی نہیں بلکہ حماقت بھی ہے، آج تک کسی نے اس مسئلہ کے سلسلے میں بحث کرتے ہوئے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کو کمزور نہیں کہا۔ شاہ عبدالعزیز اہل سنت و الجماعت کے بہت بڑے مفسر، محدث، اصولی اور مناظر تھے۔ اہل بیت رسول کی بارگاہ عالیہ میں بھی آپ کو ایک عظیم مقام حاصل تھا، چنانچہ کمالات عزیزی میں ہے کہ جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خواب میں شاہ عبدالعزیز کو فرمایا کہ فلاں شخص نے ایک کتاب لکھی ہے پشتو زبان میں جس میں ہماری مذمت لکھی ہے اور اس کے باپ کا نام اور مقام سکونت اور کتاب کا نام بھی ظاہر فرمایا۔ آپ نے یہ عرض کیا میں زبان پشتو نہیں جانتا ہوں، حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ آپ خواب سے بیدار ہوئے بعد تلاش کتاب دستیاب ہوئی۔ آپ نے اس کا جواب زبان پشتو میں لکھ کر منتشر فرمایا۔

(کمالات عزیزی ص ۱۷)(تاریخ نواصب ص ۵۹)

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے عقیدہ کے لحاظ سے بھی مضبوط اہل سنت والجماعت تھے۔ متعدد شیعہ مذہب والوں سے مناظرے کیے جن میں زبردست

کامیابی حاصل کی۔ چنانچہ اپنے عقیدے کے متعلق خود لکھتے ہیں بندہ ضعیف عبدالعزیز عفی عنہ کہتا ہے کہ فقیر کا مذہب اہل سنت و الجماعت کا مذہب ہے اور جو لوگ اہل سنت و جماعت کے مخالف ہیں خواہ کفار ہوں خواہ اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں، مثلاً روافض اور خوارج اور نواصب وغیرہ جو مخالفین اہل سنت و جماعت سے ہیں فقیر ان سب فرقہ کو باطل جانتا ہے اور ہزار دل سے ان سب فرقہ سے بے زار ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ ص ۲۳۰)

اور مولانا عبدالاول جونپوری لکھتے ہیں کہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ علوم وفقہ حنفی کی خدمت جیسی آپ کی ذات سے ہوئی، ایسی کسی اور سے ہندوستان میں نہیں ہوئی۔ (فقہ اسلامی ص ۲۶۲)

جب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے علم و عمل کے لحاظ سے نہایت مضبوط اور بارگاہ اہل بیت رسول میں بھی آپ کو شرف قبولیت کا مرتبہ حاصل ہے تو زید کا ان کے دلائل کو کمزور کہنا زید کی نہایت بے وقوفی ہے۔ نیز زید کا یہ کہنا کہ اصول شاشی میں جو مصنف اصول شاشی نے ابوحنیفہ پر سلام کہا ہے وہ بالتبع ہے۔ یہ بھی زید کی جہالت ہے کیونکہ زید پہلے تو یہ کہتا ہے کہ یہاں سلام بالتبع ہے یعنی پہلے حضور پر صحابہ کرام پر پھر ان کے بعد امام اعظم اور ان کے ساتھیوں پر حالانکہ مصنف اصول شاشی نے پہلے حضور پر سلام تو نہیں کہا بلکہ پہلے حضور اور صحابہ پر صلوٰۃ کہا ہے۔

چنانچہ اصول شاشی کی عبارت ملاحظہ ہو:

والصلوٰۃ علی النبی و اصحابہ و السلام علی ابی حنیفۃ و احبابہ۔ (اصول شاشی ص ۵)

اب اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مصنف[1] اصول شاشی نے حضور اور

---

[1] آپ کا نام اسحاق بن ابراہیم نظام الدین شاشی ہے، ان کی وفات ۳۲۰ھ میں ہوئی۔ ۱۲۔
مفتی غلام رسول

صحابہ پر صلوٰۃ کہا ہے، سلام نہیں کہا لیکن زید اپنے عدم علم کی وجہ سے کہہ رہا ہے کہ یہاں سلام بالتبع ہے کہ پہلے سلام حضور پر ہے اور پھر سلام ابو حنیفہ پر ہے گویا کہ زید نے اصول شاشی کو دیکھا تک نہیں ہے اور اصول شاشی کے مصنف نے حضور ﷺ پر سلام نہیں بھیجا بلکہ صلوٰۃ (درود) بھیجا ہے۔ نیز یہاں والسلام علیٰ ابی حنیفہ کسی لحاظ سے بھی ترکیب نحوی کے اعتبار سے تابع نہیں بن سکتا کیونکہ والسلام علیٰ ابی حنیفہ علیحدہ مستقل جملہ ہے یہ لفظ نبی کے تابع نہیں ہے۔ اگر سلام لفظ نبی کے تابع ہو تو مرفوع نہیں ہوگا بلکہ مجرور ہوگا اور معنی بھی غلط ہوگا۔ یہ بات ہر طالب علم جانتا ہے جس نے اصول شاشی پڑھی ہے یا دیکھی ہے کہ یہاں سلام ابو حنیفہ پر مستقل طور پر مصنف پیش کر رہے ہیں اسی وجہ سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلی کتاب اصول حنفیہ کی شاشی ہے، اس میں نفس خطبہ میں بعد حمد و صلوٰۃ کے لکھا ہے:

والسلام علی ابی حنیفة و احبابه۔

اب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے کہ بعد حمد و صلوٰۃ کے لکھا ہے تصریح اور وضاحت کر دی ہے کہ والسلام علی ابی حنیفة و احبابه مستقل جملہ ہے تابع نہیں ہے۔ اگر تابع ہوتا تو بعد حمد و صلوٰۃ کے نہ کہتے نیز شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اصول شاشی کی عبارت کو مستقل سلام کہنے پر بطور استشہاد پیش کر رہے ہیں اگر یہاں سلام بالتبع ہوتا تو پھر مستقل سلام پر یہ عبارت اصول شاشی کی شاہد کیسے بنتی جس سے ثابت ہوا کہ شاہ عبدالعزیز کے دلائل کمزور نہیں ہیں بلکہ مضبوط اور مستحکم ہیں۔ زید کا دماغ بوجہ مراق کے ماؤف ہے لہٰذا اس نے یہ کہہ دیا ہے کہ اصول شاشی میں سلام بالتبع ہے۔ اصول شاشی کے شارحین اور ترجمہ کرنے والے بھی لکھتے ہیں کہ یہاں مصنف نے ابو حنیفہ پر سلام مستقل کہا ہے۔ چنانچہ ایک دیوبندی فاضل لکھتے

ہیں کہ یہاں مصنف نے والسلام علی ابی حنیفہ مستقلاً کہا ہے۔ (معلم الاصول ص ۴)

جب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر مستقل طور پر سلام کہنا جائز ہے تو حضرت علی علیہ السلام پر بھی مستقل طور پر سلام جائز ہے۔

سوال:

زید اپنے رسالہ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کو کمزور ثابت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ محض کسی کتاب میں نام کے ساتھ علیہ السلام لکھا ہونا قطعاً اس بات کی دلیل نہیں کہ مؤلف کتاب اس کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ عین ممکن ہے کہ بعد میں کسی کاتب نے اپنی طرف سے لکھ دیا ہو، پھر اسی طرح نقلاً بعد نقل شاہ صاحب تک پہنچ آیا ہو لہٰذا جب تک مؤلف اس مسئلہ میں صراحتاً ذکر کرے محض لکھا ہونا مؤلف کی طرف سے سند کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

جواب:

زید کی یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ زید سند اور دلیل میں فرق نہیں سمجھ سکا۔ چونکہ زید کی معلومات کم ہیں، علم کلام اور علم مناظرہ کے اصولوں سے ناواقف ہے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بہت بڑے مناظر اور متکلم تھے۔ بایں وجہ انہوں نے صحیح بخاری اور سنن ابوداؤد میں علیہ السلام کے لکھے ہوئے کو علیہ السلام کے جواز کے ثبوت کے لیے دلیل نہیں بنایا بلکہ سند بنایا ہے۔ علیہ السلام کے جواز پر دلیل انہوں نے قرآن وحدیث کو بنایا ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن اور حدیث شریف سے بھی ثابت ہے کہ لفظ علیہ السلام کا غیر انبیاء کی شان میں کہنا چاہیے تو گویا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے علیہ السلام کے جواز کا ثبوت قرآن وحدیث سے کیا ہے اور اس کی سند یہ ہے کہ اہل سنت کی

کتب قدیمہ صحیح بخاری اور سنن ابو داؤد میں لفظ علیہ السلام کا مذکور ہے۔ زید کا یہ کہنا کہ کسی کتاب میں لکھا ہوا ہونا یہ سند نہیں بن سکتا یہ زید کی غلطی ہے کیونکہ جب علیہ السلام غیر نبی کے لیے قرآن وحدیث سے ثابت ہے تو اب اس کا کتابوں میں لکھا ہونا اس کے ثبوت کے لیے سند بن سکتا ہے کیونکہ دلیل اور سند میں فرق ہے۔ دلیل کی تعریف ہے:

هو المركب من قضيتين للتادى الى مجهول نظرى۔

(رشیدیہ ص ۱۹)

اور اصولیوں کے نزدیک دلیل یہ ہے جو محض مدلول کے جاننے کا فائدہ دے۔ (ازہر الازہار ص ۳۹۷)

اور سند یہ ہے:

ما يذكر لتقوية المنع و يسمىٰ مستنداً ايضاً
سواء كان مفيدا فى الواقع اولا۔ (رشیدیہ ص ۲۷)

یعنی معلوم کے ذریعے مجہول کو حاصل کرنا یا مدلول کو معلوم کرنا دلیل ہے اور کسی چیز کو منع کی تقویت کے لیے ذکر کرنا خواہ نفس الامر میں مفید ہو یا نہ ہو، سند ہے۔ جب دلیل اور سند میں فرق ہوا تو کتابوں میں علیہ السلام کا مذکور ہونا سند ضرور بن جائے گا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی چونکہ زید سے زیادہ علم رکھتے تھے لہٰذا آپ نے کہا کہ کتابوں میں لکھا ہوا سند ہے۔ زید چونکہ کم علم ہے لہٰذا اس نے کہہ دیا کہ یہ سند نہیں بن سکتا جب ایک چیز قرآن وحدیث سے ثابت ہو تو حدیث میں لکھی ہوئی عبارات اس کے لیے سند بن سکتی ہیں۔ زید کا اعتراض تب ہو سکتا تھا جبکہ مسئلہ علیہ السلام قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہوتا جب یہ مسئلہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے تو پھر بخاری و مسلم میں آئمہ کے ناموں کے ساتھ لکھا ہوا علیہ السلام کے جواز کے ثبوت کی سند ہوگا۔

سوال:

زید نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کو کمزور ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شاہ صاحب کی یہ دلیل انتہائی کمزور ہے اولاً جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جمہور علماء اہل سنت اس کو جائز نہیں کہتے اور ترجیح ہمیشہ جمہور کے قول کو ہوتی ہے لہٰذا اس مسئلہ میں بھی جمہور کے قول کو ہی ترجیح ہوگی۔

جواب:

زید کا یہ کہنا کہ ترجیح ہمیشہ جمہور کے قول کو ہوتی ہے غلط ہے، کیونکہ بعض دفعہ جمہور کی رائے کو ترجیح نہیں ہوتی بلکہ جمہور کے خلاف دوسرے قول کو ہوتی ہے۔ چنانچہ حق الایضاح میں ہے بلکہ گاہے فتویٰ علمائے کبار اگرچہ متاخرین باشد مخالف آئمہ اربعہ و جمہور صحابہ وتابعین نیز آئید فضلا عن ظاہر الروایۃ۔ (حق الایضاح ص ۲۰)

اور علامہ شامی (المتوفی ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

الا ان المتاخرین اختاروا وجوبها من وقت الاقرار وهوالمختار۔

شیخ ابن ہمام (المتوفی ۸۶۱ھ) متاخرین کے اس فتویٰ کے متعلق لکھتے ہیں:

و فتوىٰ المتاخرين مخالفة للأئمة الاربعة و جمهور الصحابة والتابعين۔ (ردالمحتار ص ۵۲۱)

اس سے ظاہر ہے کہ ہمیشہ جمہور کی رائے راجح نہیں ہوتی بلکہ بعض دفعہ دوسرے علماء کی رائے راجح ہوتی ہے تو زید کا یہ کہنا کہ ہمیشہ جمہور کی رائے راجح ہوتی ہے یہ غلط ہے نیز جمہور علماء کی رائے جو زید نے ذکر کی ہے وہ مسئلہ سلام میں نہیں ہے

بلکہ صلوٰۃ میں ہے چنانچہ تاریخ نواصب میں بھی ہے اس سے قبل تو اختلاف فقط صلوٰۃ میں تھا اور علامہ جوینی نے سلام کو بھی اس میں شامل کر دیا اور جوینی نے اپنی طرف سے کچھ دلائل بھی وضع کیے۔ (تاریخ نواصب ص ۱۳۸)

اس سے ظاہر ہے کہ جو اختلاف تھا وہ صرف صلوٰۃ میں تھا، سلام میں نہیں تھا۔ جمہور کی رائے یہ تھی کہ صلوٰۃ غیر نبی پر مستقلاً جائز ہے۔ بہر صورت اختلاف صلوٰۃ میں تھا سلام میں نہیں تھا جوینی نے سلام کو بھی صلوٰۃ میں شامل کر دیا اور کہا کہ دونوں ہی مکروہ ہیں لیکن علامہ جوینی اس پر کوئی دلیل پیش نہ کر سکے بلکہ بقول صاحب تاریخ نواصب کچھ دلائل وضع کر لیے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا کیونکہ اختلاف تو صلوٰۃ میں آ رہا تھا، جمہور کی رائے تھی کہ غیر نبی پر صلوٰۃ مستقلاً مکروہ (تنزیہی) ہے اور دیگر علماء جن میں امام احمد، امام بخاری، ابو داؤد وغیرہ تھے، یہ کہتے تھے کہ صلوٰۃ غیر نبی پر مستقل طور پر جائز ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے غیر نبی کے لیے صلوٰۃ کا باب باندھ کر عبد اللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت کی ہے کہ حضور نے ابی اوفیٰ کے لیے کہا: اللھم صل علیٰ آل ابی اوفیٰ۔ (صحیح بخاری ص ۲۰۳ ج ۱ کتاب الزکوٰۃ)

اور امام بخاری کا غیر نبی کے لیے صلوٰۃ کا باب باندھنا پھر حدیث کا ذکر کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک غیر نبی کے لیے صلوٰۃ مستقلاً جائز ہے چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں کہ امام بخاری کا مسلک ہے کہ غیر نبی کے لیے مستقل طور پر صلوٰۃ جائز ہے۔ (فتح الملہم ص ۱۰۴ ج ۳)

امام ابو داؤد نے باب الصلوٰۃ علیٰ غیر النبی کا باب باندھ کر جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ پر اور میرے خاوند پر صلوٰۃ پڑھیے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

صلی اللہ علیك و علی زوجك۔

تجھ پر اور تیرے خاوند پر اللہ کی صلوٰۃ ہو۔ (سنن ابی داؤد ص ۲۱۴ ج ۱ کتاب الصلوٰۃ)

اس سے ظاہر ہے کہ جب ابو داؤد نے باب ہی صلوٰۃ غیر نبی کے لیے باندھا ہے تو ابو داؤد کے نزدیک صلوٰۃ غیر نبی پر جائز ہے۔ علامہ بدر الدین عینی (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ حدیث آل ابی اوفیٰ کے ساتھ اس نے استدلال کیا ہے جو کہ کہتا ہے کہ مستقل طور پر صلوٰۃ غیر نبی پر جائز ہے اور یہی امام احمد کا قول ہے۔

(عمدۃ القاری ص ۹۵ ج ۷)

اس سے ظاہر ہے کہ اختلاف صلوٰۃ میں ہے سلام میں نہیں ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ مکروہ تنزیہی ہے اور امام احمد، امام بخاری، ابو داؤد وغیرہ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ غیر نبی پر مستقل طور پر جائز ہے اور جمہور نے جو اس حدیث کا جواب دیا ہے کہ غیر نبی پر صلوٰۃ بھیجنا یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جائز تھا، دوسروں کے لیے جائز نہیں ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ جمہور کی یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ تخصیص پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکی۔ بایں وجہ مولانا فخر الحسن گنگوہی نے جو لوگ تخصیص کے قائل ہیں یعنی جمہور، ان کو مبالغون کہا ہے کہ تخصیص کا قول مبالغہ کرنے والوں کا ہے گویا کہ دلیل تخصیص ملتی نہیں یہ ان کے اپنے ذہن کی اختراع ہے۔ نیز مولانا فخر الحسن گنگوہی کہتے ہیں کہ اگر صلوٰۃ کا معنی مطلق دعا اور رحمت ہو تو بقول ابن حجر مستقل طور پر مباح ہے اور اگر وہ تعظیم اور تکریم مراد ہو جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خاص ہے، تو پھر مکروہ ہے۔

(التعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد ص ۲۱۴۔ تاریخ نواصب ص ۱۳۹)

ظاہر ہوا کہ اختلاف صلوٰۃ میں ہے امام احمد۔ امام بخاری، امام ابو داؤد اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ صلوٰۃ غیر نبی پر مستقل طور پر جائز ہے اور جمہور کی رائے ہے کہ مکروہ

تنزیہی ہے اور بقول علامہ فخر الحسن کے یہ مکروہ بھی اس وقت ہے جبکہ صلوٰۃ سے مراد وہ تعظیم اور تکریم ہو جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خاص ہے۔ اگر اس سے مراد دعا اور رحمت ہو تو پھر جمہور کے نزدیک بھی مکروہ نہیں ہے۔

سوال:

زید کہتا ہے کہ مطلقاً مکروہ ہے۔

جواب:

جمہور کی رائے کے مطابق مختار قول مکروہ تنزیہی کا ہے اور مکروہ تنزیہی جائز ہوتا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

وقد يقال اطلق الجائز و اراد به ما يعم المكروه
لكن الظاهر ان المراد المكروه تنزيهي۔

(ردالمحتار ص ۱۲۰ ج ۱)

کہ جائز کا اطلاق مکروہ تنزیہی پر بھی ہوتا ہے۔ جب صلوٰۃ غیر نبی پر مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی جائز ہے تو پھر زید کا اس کو بار بار ناجائز کہنا بھی غلط ہوا۔ نیز جب اختلاف صلوٰۃ میں تھا سلام کو تو پانچویں صدی کے ایک شافعی عالم ابومحمد الجوینی (المتوفی ۴۳۸ھ) نے صلوٰۃ کے حکم میں کر دیا اور انہوں نے جو دلیل پیش کی کہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ و سلام کو اکٹھا رکھا ہے اور سلام، صلوٰۃ کے حکم میں ہے۔ بقول صاحب تاریخ نواصب وہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ دونوں کا اکٹھا ذکر کرنا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں کا معنی اور حکم بھی ایک ہو اور جب دلیل صحیح نہ ہوئی تو ابومحمد جوینی کا قول بھی صحیح نہ ہوا اور سلام میں اختلاف نہ ہوا تو پھر غیر نبی پر سلام کا استعمال مستقل طور پر جائز ہوا

لہٰذا علی علیہ السلام کہنا جائز ہوا۔

سوال:

جب صلوٰۃ مومنوں کی طرف سے ہو گی تو بمعنی دعا ہو گی اور سلام بھی بمعنی دعا ہو گا لہٰذا، سلام، صلوٰۃ کے معنی اور حکم میں ہوا۔

جواب:

اگر صلوٰۃ کا معنی دعا کر کے سلام کو اس کے حکم میں کرنا ہے تو پھر بقول ابن حجر صلوٰۃ کا مستقل طور پر ویسے ہی بولنا جائز ہے جب صلوٰۃ بمعنی دعا مستقل طور پر بولنا جائز ہے تو سلام بمعنی دعا کا مستقل طور پر بولنا بطریق اولیٰ جائز ہوا۔ اب زید، جوینی کے قول کے مطابق اگر سلام کو صلوٰۃ کے حکم میں کر بھی دے تو پھر بھی مستقل طور پر دونوں جائز ہوں گے ناجائز تو تب تھا جبکہ صلوٰۃ بمعنی تعظیم و تکریم ہوتا جو کہ حضور کے ساتھ مختص ہے پھر کہا جاتا کہ یہ تعظیم غیر نبی کے لیے جائز نہیں لیکن اگر بمعنی دعا ہو تو پھر صلوٰۃ کا مستقل طور پر غیر نبی پر بولنا جائز ہے اور جب سلام صلوٰۃ کے حکم میں ہو گا تو اس کا بولنا بھی غیر نبی کے لیے جائز ہو گا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ علی علیہ السلام کہنا جائز ہے۔

سوال:

آپ نے صلوٰۃ کو بھی مستقل طور پر غیر نبی کے لیے جائز کر دیا ہے۔ حالانکہ شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں کہ صلوٰۃ غیر نبی مستقل طور پر جائز نہیں ہے۔

جواب:

شاہ عبدالعزیز نے جو کہا ہے کہ صلوٰۃ غیر نبی پر مستقل طور پر ناجائز ہے وہ صلوٰۃ

بمعنی تعظیم وتکریم خاصہ ہے جو حضور کے ساتھ خاص ہے وہ مستقل طور پر غیر نبی پر ناجائز ہے جیسے کہ ابن حجر کے حوالہ سے گزر چکا ہے اگر بمعنی دعا اور رحمت ہو تو پھر ناجائز نہیں ہے غرضیکہ زید نے اپنے تمام رسالہ میں ۱۷ حوالے ذکر کیے ہیں جن میں سے بعض میں تو صرف صلوٰۃ کے بارے میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے اور بعض میں صلوٰۃ وسلام دونوں ہیں پھر پانچویں صدی تک تو یہ اختلاف صرف صلوٰۃ میں تھا سلام میں نہیں تھا اور سلام مستقل طور پر جائز تھا پھر پانچویں صدی میں ابو محمد جوینی نے اس اختلاف میں سلام کو بھی شامل کر کے سلام کو بھی اختلافی بنا دیا لیکن جوینی اپنے مسلک پر کوئی مضبوط دلیل قائم نہ کر سکا اور نہ ہی سلام صلوٰۃ کے حکم میں ہو سکا لہٰذا زید کے تمام حوالے بے سود ہوئے اور غیر نبی پر سلام مستقل طور پر جائز ہوا۔

سوال:

زید اپنے رسالہ میں لکھتا ہے کہ یہ طرفہ بعد میں شیعہ حضرات (خواہ رافضی ہوں یا تفضیلی ہوں) نے ایجاد کیا ہے کہ وہ آئمہ اطہار کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام اس لیے کہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ان کو انبیاء کرام کے ساتھ برابری ومساوی بلکہ بہتر سمجھتے ہیں۔

جواب:

زید کی یہ بات بھی غلط ہے کہ کیونکہ آئمہ اہل بیت اطہار کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام کہنا یا لکھنا شیعہ نے ایجاد نہیں کیا بلکہ یہ تو قرآن وحدیث سے ثابت ہے جیسے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عزیزیہ میں ذکر کیا ہے کہ ''علیہ السلام'' کہنا شرعاً ثابت ہے جس کی دلیل قرآن وحدیث میں موجود ہے نیز ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ حضور کی اہل بیت حضور کے ساتھ پانچ چیزوں میں مساوی ہے جن میں سے سلام بھی ہے چنانچہ لکھتے

ہیں کہ فخر الدین رازی نے ذکر کیا ہے کہ اہل بیت رسول حضور کے ساتھ جن پانچ چیزوں میں مساوی ہیں ان میں سے سلام بھی ہے:

قال السلام علیك ایھا النبی وقال سلام علی آل یٰسین۔ (صواعق محرقہ ۱۴۷)

جب سلام میں فخر الدین رازی کے قول کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اہل بیت مساوی ہیں تو یہ مسلک اہل سنت و جماعت ہوا نہ کہ مسلک شیعہ ہوا لہٰذا زید کا کہنا کہ یہ مسلک شیعہ ہے، غلط ٹھہرا۔

سوال:

اگر حضور کے ساتھ اہل بیت سلام میں مساوی ہیں تو اسی طرح ان پانچ چیزوں میں سے ایک صلوٰۃ بھی ہے یعنی اہل بیت حضور کے ساتھ صلوٰۃ بھی مساوی ہیں جیسے مستقل طور پر حضور کے لیے صلوٰۃ ہے اسی طرح اہل بیت حضور کے لیے مستقل طور پر صلوٰۃ بھی ہے تو اب تم صلوٰۃ میں کیوں کہتے ہو کہ یہ حضور کے لیے مستقل ہے اور اہل بیت کے لیے تبعاً ہے۔ جیسے کہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ صلوٰۃ بالاستقلال غیر نبی کے لیے نہیں ہے۔

جواب:

صلوٰۃ اور سلام میں فرق جب آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ الخ نازل ہوئی تو حضور کی خدمت میں صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم کو التحیات سے سلام کا علم تو ہو گیا ہے لیکن صلوٰۃ کا علم نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم مجھ پر صلوٰۃ پڑھو تو یوں پڑھو:

اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد۔

(صواعق محرقہ ۱۴۴ عون المعبود شرح ابی داؤد ۲۲۷)

اب قرآن میں حکم تھا کہ صلوٰۃ صرف نبی پر پڑھو لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر اور میری آل دونوں پر پڑھو یعنی درود میں ہر حالت میں حضور کی اولاد کو حضور کے ساتھ رکھو یعنی جدا نہ کرو چونکہ ظاہری طور پر یہاں سے تبعیت سمجھی جارہی تھی لہٰذا مسئلہ صلوٰۃ میں تبعیت کا قول کیا گیا ہے اور تبعیت مساوات کے منافی نہیں ہے اور نہ ہی شاہ عبدالعزیز کے قول سے تضاد لازم آتا ہے۔ بہر صورت زید کا یہ کہنا کہ شیعہ اہل بیت اطہار کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام اس لیے کہتے ہیں تاکہ حضور کے ساتھ اہل بیت کو برابر سمجھیں یہ شیعہ نہیں کہتے بلکہ یہ اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے کہ مسئلہ علیہ السلام میں حضور کی اہل بیت حضور کے مساوی ہے۔ زید جتنی باتیں کرتا ہے اس کی یہ تمام باتیں کم علمی کا سبب ہیں، اہل سنت حضور کی اہل بیت کو سلام کے مسئلہ میں حضور کے مساوی سمجھتے ہیں بہتر نہیں سمجھتے یہ شیعہ کا مسلک نہیں ہے بلکہ اہل سنت کا ہے۔

سوال:

زید کہتا ہے کہ اگر شاہ عبدالعزیز صاحب کی یہ دلیل تسلیم کرلی جائے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ لفظ علیہ السلام کا غیر انبیاء کی شان میں کہنا چاہیے تو پھر اہل بیت کی تخصیص کیا ہے ہر مسلمان میت کے لیے کہہ سکتے ہیں کیونکہ دعویٰ خاص اور دلیل عام ہے دونوں کی باہم مطابقت نہیں۔ (رسالہ صفحہ ۱۰،۱۱)

جواب:

شاہ صاحب نے کب کہا ہے کہ اہل بیت کے لیے ہی خاص ہے، دعویٰ بھی یہ

تھا کہ غیر نبی کے لیے سلام جائز ہے اور دلیل میں بھی یہ تھا کہ غیر نبی کے لیے سلام ہے۔ امام حسین علیہ السلام کا ذکر تو صرف اس لیے کیا کہ سائل نے اس کا ذکر کر دیا تھا۔ لہٰذا شاہ صاحب نے بھی ذکر کر دیا، بہر صورت دعویٰ دلیل مطابق ہیں شاہ صاحب زید سے دعویٰ دلیل کی مطابقت کا علم زیادہ رکھتے ہیں لہٰذا زید کا یہ کہنا کہ شاہ صاحب کی کلام میں دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں ہے غلط ہے زید کو چاہیے کہ ہر میت کے لیے سلام کا لفظ استعمال کیا کرے۔ شاہ صاحب اس کو منع نہیں کریں گے نیز ہم کہتے ہیں کہ دعویٰ اور دلیل دونوں مطابق ہیں کیونکہ دونوں عام ہیں کہ غیر نبی پر سلام جائز ہے اور یہ شرعاً ثابت ہے۔ رہا امام حسین علیہ السلام یا آئمہ اہل بیت اطہار کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام کہنا یا ذکر کرنا مناط حکم ہے کیونکہ کسی حکم کی علت اور ہوتی ہے اور مناط حکم اور مثال کے طور پر جہاں تک مردار کھانے کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں شرعی امر یہ ہے کہ یہ حرام ہے لیکن کسی چیز کے بارے میں تحقیق کرنا کہ وہ مردار ہے یا نہیں تاکہ اس پر امر شرعی کا اطلاق کیا جا سکے یہ مناط حکم ہے۔ یعنی وہ چیز یا صورت حال جس سے شرعی امر کا تعلق ہوا اور وہ شرعی امر اس پر منطبق ہوتا ہو گویا کہ یہ چیز یا صورت حال امر شرعی کے لیے مناط ہے۔ زیر بحث مسئلہ میں (غیر نبی پر سلام کہنا یا لکھنا ایک امر شرعی ہے) امام حسین یا امام زین العابدین یا دیگر آئمہ اہل بیت اطہار کے ناموں پر سلام کہنا مناط حکم سے ہے نہ کی علت ہے ان دونوں میں فرق ہے کیونکہ کسی حکم کی علت اور ہوتی ہے اور مناط حکم اور علت تو اسے کہا جاتا ہے جو حکم کا سبب[1] بنے یا حکم سے شارع کا جو مقصود ہے۔

---

[1] سبب اور دلیل میں فرق یہ ہے کہ مسبب میں سبب کی کچھ نہ کچھ تاثیر ضرور ہوتی ہے بخلاف دلیل کے کہ بسا اوقات مدلول میں اس کی کوئی تاثیر نہیں ہوتی ہے۔ اس وقت اس کا فائدہ محض مدلول کو جاننے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اور علت یہ ہے جس کی طرف وجوبِ حکم کی نسبت بغیر کسی واسطہ کے =

وہ اس پر دلالت کرے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی دلیل شرعی ہوتا کہ اس کے واسطہ سے حکم میں پائے جانے والے مقصود شارع کو سمجھا جا سکے اور مناط حکم وہ مسئلہ ہے جس پر حکم لاگو ہوتا ہے لیکن یہ مسئلہ نہ تو حکم کی دلیل ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی علت اور کسی شی کے مناط حکم ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ چیز جس سے حکم متعلق ہو یعنی جس کے تدارک کے لیے حکم نازل ہوا ہو لیکن حکم اس کی وجہ سے نازل نہیں ہوتا کہ اسے علت حکم کہا جا سکے یا بالفاظ دیگر مناط حکم۔ حکم شرعی کی غیر نقلی حیثیت یا حکم شرعی کے غیر نقلی پہلو کا دوسرا نام ہے اور اس کی تحقیق علت کی تحقیق کے بالکل مغائر ہوتی ہے کیونکہ تحقیق علت کے لیے تو نص کے فہم کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے اور یہ فہم جو نقلیت کے لیے ہوتا ہے۔ اس کو مناط نہیں کہتے بلکہ مناط نقلیت کے علاوہ ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ صورت حال یا مسئلہ ہے جس پر حکم شرعی منطبق ہو رہا ہے۔ اس کی مزید وضاحت یوں سمجھیے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ پانی جس سے طہارت کے لیے وضو صحیح ہوتا ہے وہ مطلق پانی ہے۔ اس صورت میں حکم شرعی یہ ہوگا کہ جب پانی مطلق ہو تو اس سے وضو صحیح ہوگا لیکن یہ تحقیق کرنا کہ کونسا پانی مطلق ہے اور کونسا مطلق نہیں ہے کہ اس سے وضو کرنا جائز یا ناجائز ہونے کا شرعی حکم لگایا جا سکے تو یہ تحقیق مناط کی تحقیق ہے۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے کہا ہے کہ غیر نبی پر سلام کہنا ایک امر شرعی ہے پھر اس کے لیے دلیل قرآن و حدیث سے ذکر کی جس دلیل نے اس حکم پر جو شارع کا مقصود تھا دلالت کی اور اس دلیل شرعی کے واسطہ سے ہی حکم میں پائے جانے والے مقصود

= کی جائے اور شرط اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کسی چیز کا صرف وجود متعلق ہو لیکن اس کے ساتھ وجوب کا تعلق نہ ہو اور علامت یہ ہے جس کے ذریعے صرف حکم کا وجود معلوم ہو وجوب حکم یا وجود حکم کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو اور مزید تفصیل اصول فقہ میں ملاحظہ کیجیے۔ ۱۲ مفتی غلام رسول

شارع کو سمجھا گیا اور یہ مقصود اسی وقت ہی سمجھا جاتا ہے جبکہ دونوں (دعویٰ، دلیل) مطابق ہوں چونکہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جو دلیل ذکر کی تھی اس سے بھی مقصود شارع سمجھا جاتا تھا لہٰذا دعویٰ دلیل مطابق ہوئے اور آئمہ اہل بیت اطہار کے ناموں پر علیہ السلام کا لانا وہ تو شاہ عبدالعزیز محدیث دہلوی نے بطور مناط حکم کے ذکر کیا ہے۔ زید کا اس پر سوال اٹھانا کہ اس سے دعویٰ دلیل (یا علت وحکم) مطابق نہیں رکھتے۔ زید کی کم علمی کا نتیجہ ہے کیونکہ آئمہ اہل بیت اطہار پر سلام کا ذکر بطور علت حکم نہیں ہے بلکہ بطور مناط حکم ہے۔ زید نے علت حکم اور مناط حکم میں فرق نہیں سمجھا لہٰذا اس نے اپنی جہالت مرکبہ کی وجہ سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر بار بار اس اعتراض کا اعادہ کیا کہ دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام ہے مطابقت نہیں ہے حالانکہ دعویٰ دلیل دونوں عام ہونے کی وجہ سے مطابق تھے کہ غیر نبی پر سلام جائز ہے اور شرعاً ثابت ہے اور آئمہ اہل بیت اطہار کے ناموں پر سلام کا تذکرہ بطور مناط حکم تھا نہ کہ بطور حکم اور دلیل اعتراض تب ہو سکتا تھا جبکہ بطور حکم اور دلیل ہوتا جب بطور تحقیق مناط ہے تو مطابقت اور عدم مطابقت کا اعتراض بنیادی طور پر غلط ہوا۔

بہر صورت ثابت ہوا کہ غیر نبی ہر مسلمان پر مستقل طور پر سلام کہنا جائز ہے جب عام (غیر نبی) مسلمانوں کے لیے سلام کہنا جائز ہوا تو امام حسین علیہ لسلام پر بطریق اولیٰ جائز ہوا جن کے لیے نص بھی وارد ہو چکی ہے نیز جب مسئلہ سلام اہل بیت اطہار کے حق میں منصوص ہے تو اس میں تفرد نہ ہوا لہٰذا زید کا یہ کہنا کہ شاہ صاحب اس مسئلہ میں منفرد ہیں غلط ہے، نیز تقریباً ۱۲ سو سال سے اصول شاشی میں علماء ابو حنیفہ پر مستقل سلام پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے رہیں گے تو اس میں شاہ صاحب کے منفرد ہونے کا کیا مطلب، یہ زید کی جہالت ہے۔ اس مسئلہ میں شاہ صاحب کے منفرد ہونے کا دور کا واسطہ بھی نہیں

بہر صورت امام حسین اور امام زین العابدین و دیگر آئمہ اہل بیت اطہار کے اسماء گرامی کے ساتھ مستقل طور پر سلام کہنا اور لکھنا جائز ہے۔

سوال:

زید نے اپنے رسالہ میں شاہ عبدالعزیز کے دلائل کو کمزور ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر یہ جملہ **والسلام علی من اتبع الھدیٰ** اہل بیت پر علیہ السلام کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے تو پھر ان پر نیز ہر مسلمان پر صلوٰۃ بھی جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ

نیز:

هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ۔

ان دونوں آیتوں میں مسلمانوں پر صلوٰۃ ہے تو کیا وجہ ہے اس دلیل کے ہوتے ہوئے ان پر صلوٰۃ کیوں جائز نہیں اگر کہا جائے کہ اہل سنت بالاستقلال صلوٰۃ غیر انبیاء پر جائز نہیں کہتے جیسا کہ خود شاہ صاحب بھی لکھتے ہیں لہٰذا یہ جائز نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اہل سنت جسے صلوٰۃ بالاستقلال جائز نہیں کہتے یوں ہی سلام مستقل جائز نہیں کہتے کیا وجہ ہے صلوٰۃ میں تو جمہور اہل سنت کی بات تسلیم کر لی اور سلام میں تسلیم نہیں کی جبکہ جمہور علماء صلوٰۃ کی طرح سلام بھی مستقلاً غیر نبی پر نہیں کہتے جمہور کی ایک بات کو ماننا یہ دو رنگی چال کیسی؟ (رسالہ ۱۱)

جواب:

زید کا یہ کہنا کہ پھر ان پر نیز ہر مسلمان پر صلوٰۃ ہے ہم کہتے ہیں کہ امام احمد، امام بخاری، امام ابوداؤد اور دیگر علماء کے نزدیک مستقل طور پر غیر نبی پر صلوٰۃ جائز ہے نیز اگر صلوٰۃ کا معنی دعا اور رحمت لیا جائے تو پھر بھی بقول ابن حجر ہر مسلمان غیر نبی پر صلوٰۃ ہوگی۔ صلوٰۃ کا معنی خاص تعظیم ہو جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ مختص ہے تو پھر جمہور کی رائے کہ مطابق بالتبع غیر نبی پر جائز ہے اور زید کا یہ کہنا کہ جمہور کی رائے کے مطابق بالتبع غیر نبی پر جائز ہے اور زید کا یہ کہنا کہ جمہور کے نزدیک تو صلوٰۃ و سلام میں فرق نہیں۔ شاہ عبدالعزیز کیوں فرق کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ پانچویں صدی سے پہلے پہلے صرف صلوٰۃ میں علماء محققین اور جمہور کا اختلاف تھا۔ پانچویں صدی میں ابومحمد جوینی نے سلام کو بھی صلوٰۃ کے ساتھ منسلک کر دیا جس کو علماء محققین اور شاہ عبدالعزیز تسلیم نہیں کرتے کیونکہ صاحب تاریخ نواصب کے قول کے مطابق ابومحمد جوینی کی دلیل وضعی اور جعلی ہے لہٰذا جب سلام میں اختلاف ہی نہیں تھا بلکہ یہ تو بالاتفاق تمام کے نزدیک جائز تھا۔ اب صرف ابومحمد جوینی کے کہنے پر اس کو اختلافی کیوں بنایا جائے جبکہ جوینی کی دلیل بھی وضعی اور اختراعی ہے یہ وجہ تھی کہ شاہ عبدالعزیز نے صلوٰۃ و سلام میں فرق بحال رکھا۔ زید کو چونکہ نفس مسئلہ کے پس منظر کا علم نہیں ہے لہٰذا اس نے کہنا شروع کر دیا کہ شاہ عبدالعزیز نے دورنگی چال چلی ہے اصلی بات یہ ہے کہ زید خود دورنگی چال چلتا ہے۔ اس کا ظاہر اور ہے اور باطن اور ادھر اپنے آپ کو حنفی بھی کہتا ہے پھر حنفیہ کے قول کو تسلیم نہیں کرتا اگر وہ حنفی ہے تو پھر حنفیہ کی اصول کی پہلی کتاب اصول شاشی میں لکھا ہوا ہے کہ ابوحنیفہ پر مستقل طور پر سلام ہے جب ابوحنیفہ پر مستقل طور پر سلام ہو سکتا ہے تو امام حسین اور امام

زین العابدین پر بھی ہوسکتا ہے. زید کو چاہیے کہ اگر وہ حنفی ہے تو آئمہ احناف کی بات بھی تسلیم کرے ۔ دورنگی چال چھوڑ دے اور اپنی اصلاح کرے اور مذہب حنفیہ کے اصول وفروع کو تسلیم کرے۔

سوال:

زید نے تفسیر ابن کثیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک خط میں لکھا کہ بعض لوگ آخرت کے اعمال سے دنیا جمع کرتے ہیں اور بعض مولوی وعظ میں اپنے خلیفوں اور امیروں کے لیے صلوٰۃ کے وہی الفاظ بولتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تھے جب تیرے پاس میرا یہ خط پہنچے تو ان سے کہہ دینا کہ صلوٰۃ صرف نبیوں کے لیے ہے اور عام مسلمانوں کے لیے نہیں اس کے سوا جو چاہیں دعا کریں۔ (تفسیر ابن کثیر ۲۱۶، سورہ احواب در سالہ ۳)

جواب:

زید نے جو رسالہ لکھا ہے اس میں کچھ حوالہ جات ضیائے حرم سے لیے ہیں اور کچھ اردو تفاسیر سے نقل کیے ہیں، زید نے خود کہا ہے کہ میں نے حوالہ جات جمع کیے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ زید اس مسئلہ کی اصل حقیقت سے نابلد اور ناواقف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اموی دور حکومت شروع ہوا تو مرکزی حکومت کی طرف سے یہ حکم جاری کیا گیا کہ علی اور آل علی پر جمعہ کے خطبوں میں سب وشتم (گالی گلوچ) کیا جائے تو اس وقت کے قصاصین (واعظین) اور علماء سوء نے یہی طرز عمل شروع کر دیا نیز علامہ عبد الحلیم جندی لکھتے ہیں کہ ان علماء سوء نے اموی حکمرانوں کی حمد وثناء شروع کر دی جب عمر بن عبد العزیز کا دور حکومت شروع ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ یہ حمد وثناء جو اموی حکمرانوں پر

کی جاتی ہے اس کو بند کیا جائے۔ (امام جعفر صادق ۱۲۰)

چنانچہ اس کو بند کیا گیا نیز عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ حضرت علی پر جو سب دشتم کی جارہی ہے۔ اس کو بھی بند کیا جائے۔ (خلافت و ملوکیت ۱۷۴)

اور عمر بن عبد العزیز نے یہ بھی کہا کہ صلوٰۃ نبیوں کے لیے ہے۔ عوام کے لیے نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ۳۱۶)

اب اس سے ظاہر ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے صلوٰۃ اموی حکمرانوں پر جو ہو رہی تھی اس کو بند کیا ہے جو کہ عوام تھے اہل بیت رسول عوام سے نہیں ہیں پھر ہم زید سے پوچھتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے تو کہا تھا کہ صلوٰۃ صرف نبیوں کے لیے ہے تو تم نماز میں اہل بیت پر کیوں صلوٰۃ پڑھتے ہو۔ امام شافعی کے نزدیک اگر اہل بیت پر صلوٰۃ نماز میں نہ پڑھی جائے تو نماز نہیں ہوتی۔ جس سے ظاہر ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے صلوٰۃ صرف اموی حکمرانوں پر ناصبیوں کے زمانے میں جو ہو رہی تھی اس کو بند کیا نہ کہ اہل بیت پر بھی صلوٰۃ کو بند کیا اور صلوٰۃ کے متعلق جو ابن عباس کی روایت ہے کہ نبی کے بغیر کسی پر صلوٰۃ نہ پڑھی جائے وہ ضعیف ہے جو قابل استدلال نہیں ہے۔[1]

پھر ہم زید سے یہ پوچھتے ہیں کہ بالتبع اور مستقل کی بحث تمام سے پہلے کس نے

---

[1] کیونکہ ابن عباس کی مروی روایت کی تمام سندیں ضعیف ہیں۔ والا سانید عن ابن عباس لینة (شفا) ملا علی القاری لکھتے ہیں۔ ای ضعیفة لا یصلح شئ منها للاحتجاج علی عدم جواز الصلوٰة علی غیرہ ﷺ (شرح شفا ص ۸۳۲ ج ۳) یعنی ابن عباس کی مروی روایت کی تمام سندیں ضعیف ہیں ان میں سے کوئی بھی اس بات کے قابل نہیں ہے کہ اس کے ساتھ غیر نبی پر صلوٰۃ کے ناجائز ہونے پر استدلال کیا جائے۔ جب ابن عباس کا قول ضعیف ہے اور قابل استدلال نہیں تو اب زید کا ابن عباس کے قول کو بطور استدلال پیش کرنا باطل ہوا۔ ۱۲ (مفتی غلام رسول، لندن)

بیان کی ہے اور اس کی تصریح اور تنقیح کس کتاب میں ہے زید چونکہ اس مسئلہ کے پس منظر سے واقف نہیں ہے لہٰذا اس نے بلا دلیل شاہ عبد العزیز محدث دہلوی پر تنقید کی ہے۔ اصل حقیقت کی طرف صاحب تاریخ نواصب نے اشارہ دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ (علیہ السلام) کو بھی نواصب نے خواہ مخواہ الجھا کر غلط رنگ دے دیا اور شیعہ سنی نزاعی مسائل میں سے ایک سمجھ رکھا ہے لیکن یہ سب باتیں نواصب کی جہالت کی ہیں۔

(تاریخ نواصب ص ۱۳۴)

اس سے ظاہر ہوا کہ عمر بن عبد العزیز نے جو صلوٰۃ کی غیر نبی پابندی لگائی تھی وہ اموی حکمرانوں کے لیے تھے علی اور آل علی کے لیے نہیں تھی۔ نواصب نے روایات میں گڑبڑ کی کبھی اس مسئلہ کی نسبت علماء ماوراء النہر کی طرف کی اور کبھی جمہور کی طرف لہٰذا پہلے یہ نسبت غلط ہے۔ اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر جمہور کے قول کے مطابق وہ بھی غیر نبی پر صلوٰۃ بمعنیٰ دعا اور رحمت جائز، ہے جیسے کہ ابن حجر کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔

سوال:

زید نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ صلوٰۃ اور سلام انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ خاص ہے، غیر نبی پر صلوٰۃ وسلام ناجائز ہے لہٰذا علی علیہ السلام کہنا بھی ناجائز ہے۔

جواب:

یہ بات کہ صلوٰۃ اور سلام انبیاء اور ملائکہ کا خاصہ ہے نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ ہی صحیح حدیث مرفوع سے ثابت ہے۔ بایں وجہ علامہ آلوسی بغدادی (المتوفی ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

> لکن نازع فیه صاحب المعتمد من الشافعیة
> بانه لا دلیل علی الخصوصیة۔ (روح المعانی ص ۸۶ جزء ۲۲)

کہ اصحاب شوافع میں سے صاحب معتمد نے اس مسئلہ میں سختی سے کہا ہے کہ اس خصوصیت پر کوئی دلیل نہیں ہے یعنی لوگوں نے جو کہا ہے کہ لفظ صلوٰۃ اور سلام انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ خاص ہے اس خاص ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکی لہٰذا زید کا یہ کہنا کہ صلوٰۃ اور سلام انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ ہی خاص ہے۔ آئمہ اہل بیت اطہار پر بولا نہیں جا سکتا غلط ٹھہرا۔

سوال:

زید نے اپنے رسالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی پر بھی سلام کا لفظ بولنا جائز نہیں ہے کیونکہ صلوٰۃ وسلام کا لفظ شیعہ اہل بیت کے ناموں پر بولتے ہیں، چنانچہ ہمیں ان کی مخالفت کرنی چاہیے تاکہ ان کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے۔

جواب:

زید کا یہ کہنا کہ اگر آئمہ اہل بیت اطہار کے ناموں پر سلام بولا جائے تو اس سے شیعہ کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، یہ غلط ہے کیونکہ اگر کسی اچھے کام میں شیعہ کی مشابہت لازم آبھی جائے تو کوئی ممانعت نہیں ہے، چنانچہ فتاویٰ عزیزیہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ مشابہت امر خیر میں منع نہیں ہے کیا اگر شیعہ نماز پڑھیں گے تو ہم نہیں پڑھیں گے اور علامہ آلوسی بھی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:

> ولا یخفی ان کراھة التشبه بأھل البدع مقررة
> عندنا ایضا لکن لا مطلقا بل فی المذموم و فیما قصد
> به التشبه بهم فلا تغفل۔ (روح المعانی ص ۸۵ جز ۲۲)

کہ یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ اہل بدعت (شیعہ وغیرہ) کے ساتھ مشابہت کا

مکروہ ہونا ہمارے نزدیک بھی ثابت ہے لیکن مطلقاً نہیں بلکہ امر مذموم میں مشابہت مکروہ ہے نیز یہ کہ کراہت اس وقت ہے جبکہ مشابہت مقصود بھی ہو تمہیں اس سے غافل نہ رہنا چاہیے۔ علامہ آلوسی کی کلام کا مطلب ظاہر ہے کہ اہل بدعت (شیعہ وغیرہ) کے ساتھ مشابہت برے کاموں میں منع ہے نہ کہ اچھے کاموں میں بھی مشابہت منع ہے۔ اگر وہ نیک کام کرتے ہیں تو کیا اہل سنت و جماعت وہ نیک کام نہیں کریں گے نیز مشابہت اس وقت منع ہوتی ہے جب مشابہت مقصود بھی ہو۔ اگر مشابہت میں قصد نہ ہو تو پھر بھی مشابہت لازم نہ آئے گی۔ اگر اہل سنت و جماعت امام حسین یا امام زین العابدین کے نام پر لفظ سلام بولتے ہیں (یا لکھتے ہیں) تو بولتے وقت وہ یہ قصداً ارادہ نہیں کرتے کہ ہم اس لیے بول رہے ہیں کہ شیعہ بولتے ہیں بلکہ اہل سنت کا مقصد صرف امام حسین علیہ السلام کی ذات پاک سے ہے۔ شیعہ کے ساتھ مشابہت مقصود نہیں ہے، جب مشابہت لازم نہ آئی تو امام حسین یا امام زین العابدین یا دیگر آئمہ اہل بیت اطہار کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام کہنا بھی منع نہ ہوا لہٰذا زید کا یہ کہنا کہ ہم کو شیعہ کی مخالفت کرنی چاہیے اس مسئلہ میں اس کا یہ قول غلط ہے۔ علامہ آلوسی نے فلا تغفل کا لفظ استعمال کر کے زید کو اپنی اصلاح کرنے کی تلقین کی ہے کہ زید کو اپنے تقویٰ کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ یہ تقویٰ نہیں بلکہ یہ تو ناصبیت ہے جس کے گندے جراثیم زید کے خون میں سرایت کر گئے ہیں۔

بہر صورت امام احمد، امام بخاری، امام ابوداؤد اور دیگر علماء نے صلوٰۃ کے بارے میں بھی کہا ہے کہ یہ غیر نبی کے لیے مستقل طور پر جائز ہے اور رہا سلام وہ تو جائز ہی جائز ہے لہٰذا آئمہ اہل بیت اطہار کے ناموں کے ساتھ سلام کا لفظ بولنا اور لکھنا جائز ہے یہاں پر ہم نے نواصب اور زید کی اصلاح کے لیے اس مسئلہ (علیہ السلام) کے بارے میں کچھ اختصار کے ساتھ ذکر کر دیا ہے اور تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے زیادہ مناسب مقام پر

ذکر کی جائے گی چونکہ اہل بیت اطہار کی عزت وعظمت عین ایمان ہے لہٰذا اہل بیت اطہار کے اسماء گرامی جب ذکر کیے جائیں تو ہر طرح سے ان ناموں کی بھی عزت کرنی چاہیے نیز امام فخر الدین رازی، ابن حجر مکی اور دیگر علماء نے کہا ہے کہ مسئلہ سلام میں حضور کی اہل بیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مساوی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد پاک کے ناموں کے ساتھ بھی علیہ السلام کہنا چاہیے۔

اب آخر میں ہم اہل بیت اور آئمہ اہل بیت اطہار اور امام زین العابدین کی تعلیمات کا کچھ تذکرہ کرتے ہیں کیونکہ ان کی تعلیمات ہی اسوۂ حسنہ ہیں بالخصوص سادات کرام جن کو شرافت نسبی حاصل ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں، ان پر یہ زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگی حضور اور اہل بیت اور آئمہ اہل بیت اطہار کی تعلیمات کے مطابق بسر کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب اقدس کی عزت کا خیال کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے اہل بیت کو خدا سے ڈرنے کا حکم کرتا ہوں اور یہ بھی حکم کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں اور اپنی امت کو اہل بیت کی اقتداء کی وصیت کرتا ہوں۔ میرے اہل بیت روز قیامت میرا دامن پکڑے ہوں گے اور ان کے تابعداران کا دامن تھامے ہوں گے۔ میرے اہل بیت تمہیں گمراہی کے دروازے میں داخل نہ کریں گے اور ہدایت کے دروازے سے باہر قدم نہ رکھنے دیں گے اور اس سے ظاہر ہے کہ سادات کرام کو ایسے عمل کرنے چاہئیں کہ وہ اسوۂ حسنہ ثابت ہوں تاکہ لوگ ان کی اتباع کریں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ سادات عملی صورت میں اتنے پیچھے ہوں کہ وہ لوگ جو از قسم خوارج ونواصب ہیں سادات کرام کو مورد طعن بناتے رہیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ سادات پر بوجہ اولاد رسول ہونے کے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگی شرع کے مطابق گزاریں۔

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور کی کوئی عجیب بات جو آپ نے دیکھی ہو وہ سنائیں. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کون سی بات عجیب نہ تھی، ہر بات ہی عجیب تھی، ایک دن، رات کو تشریف لائے نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور رونا شروع کر دیا. یہاں تک کہ آنسو سینہ مبارک تک بہنے لگے پھر رکوع فرمایا اس میں بھی اسی طرح روتے رہے پھر سجدہ کیا اس میں بھی اسی طرح روتے رہے پھر سجدہ سے اٹھے اس میں بھی اسی طرح روتے رہے، یہاں تک کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر صبح کی نماز کے لیے آواز دی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اتنے روئے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر میں شکر گزار نہ بنوں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں ایسا کیوں نہ کرتا حالانکہ آج مجھ پر یہ آیتیں اتری ہیں:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (آل عمران کا اخیر رکوع)

یہ متعدد روایات میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو اس قدر لمبی نماز پڑھا کرتے تھے کہ کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آجاتا تھا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اتنی مشقت اٹھاتے ہیں حالانکہ آپ بخشے بخشائے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (حکایات صحابہ ص ٦٧)

جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود معصوم ہونے کے ہر وقت عبادت اور ذکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے، اسی طرح آپ کی صاحبزادی سیدۃ النساء فاطمتہ الزہرا سلام اللہ علیہا بھی ہر وقت ذکر خداوندی اور عبادت میں مصروف رہتیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فاطمتہ الزہراء کی عبادت کا یہ حال تھا کہ اکثر ساری ساری رات نماز میں گزار دیتی تھیں۔ آپ کے صاحبزادے سیدنا حسن مجتبیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی

والدہ ماجدہ کو (گھر کے کام دھندوں سے فرصت پانے کے بعد) صبح سے شام تک محراب عبادت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کرتے نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ اس کی حمد وثناء کرتے اور دعائیں مانگتے دیکھا کرتا تھا۔ یہ دعائیں وہ اپنے لیے نہیں بلکہ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے مانگتی تھیں۔ خاتونِ جنت ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اتباع ہر وقت پیش نظر رکھتی تھیں۔ گھر کا کام کاج بھی خود کرتی تھیں، اس دنیا میں رہ کر بھی دل کا لگاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تھا۔ اسی وجہ سے آپ کو بتول بھی کہا جاتا ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مالِ غنیمت آیا جس میں کچھ غلام اور لونڈیاں بھی آئیں۔ حضرت علی المرتضیٰ کو معلوم ہوا تو انہوں نے سیدہ فاطمہ سے فرمایا کہ فاطمہ چکی پیستے پیستے تمہارے ہاتھوں میں آبلے (گٹھے) پڑ گئے ہیں اور چولہا پھونکتے پھونکتے تمہارے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا ہے۔ آج حضور کے پاس مال غنیمت میں سے بہت سی لونڈیاں آئی ہیں جاؤ حضور سے کم از کم ایک لونڈی ہی مانگ لاؤ۔ حضرت سیدہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں لیکن شرم وحیا کی وجہ سے بات نہ کر سکیں۔ واپس آ کر حضرت علی کو کہا کہ آپ بھی ساتھ چلیں۔ پھر لونڈی کے متعلق بات کروں گی۔ چنانچہ دوسرے دن حضرت علی المرتضیٰ بھی ساتھ گئے۔ دونوں نے ایک لونڈی کے متعلق درخواست کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تم کو اس وقت لونڈی نہیں دے سکتا۔ حضرت علی اور فاطمتہ الزہراء واپس آ گئے۔ دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود حضرت فاطمہ الزہراء کے گھر تشریف لائے فرمایا۔ اصحاب صفہ اور بدر کے شہیدوں کے بیٹے تم سے مدد کے زیادہ حقدار ہیں، پھر فرمایا بیٹی فاطمہ جس چیز کا تم مطالبہ کر رہی ہو اس سے بہتر چیز تم کو بتایا ہوں کہ ہر نماز کے بعد دس دس بار سبحان اللہ، الحمدللہ اور اللہ

اکبر پڑھ لیا کرو اور سوتے وقت ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ عمل تمہارے لیے غلام اور لونڈی سے زیادہ اچھا ہے۔ سیدہ فاطمہ نے عرض کیا میں اللہ اور اس کے رسول سے اسی حال میں راضی ہوں اور بعض روایات میں آیا ہے کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ یہ تینوں کلمے اور ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد و ھو علی کل شی قدیر بھی آیا ہے۔ یہ وظیفہ تسبیح فاطمہ کے نام سے مشہور ہے۔ غرضیکہ فاطمۃ الزہراء دن رات عبادت الٰہی میں مصروف رہتی تھیں آپ دن کو روزہ رکھتی تھیں اور تمام رات قیام فرمایا کرتی تھیں۔ حضرت علی المرتضیٰ فرماتے ہیں کہ فاطمہ کو دیکھتا تھا کہ کھانا پکاتی جاتی تھیں اور ساتھ ساتھ خدا کا ذکر کرتی جاتی تھیں۔ حضرت سلمان فارسی کا بیان ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء گھر کے کام کاج میں لگی رہتی تھیں۔ وہ چکی پیستے وقت بھی قرآن پاک پڑھتی رہتی تھیں۔ حضرت علی المرتضیٰ یہ بھی فرماتے ہیں کہ فاطمہ اللہ کی بے انتہا عبادت کرتی تھیں لیکن گھر کے کام دھندوں میں فرق نہ آنے دیتی تھیں۔ جس طرح خاتونِ جنت ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتی تھیں اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ بھی بے حد عبادت گزار تھے۔ امام حاکم نے زبیر بن سعید سے روایت کی ہے کہ میں نے کسی ہاشمی کو نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ عبادت گزار ہو، امام ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی ہے کہ علی بڑے روزہ دار اور عبادت گزار تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ان کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمۃ الزہراء اپنے ہاتھوں سے چکی پیسا کرتی تھیں اور حضرت علی خود پانی ڈھو ڈھو کر لایا کرتے تھے۔ قوت لا یموت کے لیے مزدوری سے بھی عار نہیں کرتے تھے۔ کئی مرتبہ کھجوروں کی اجرت پر مزدوری کی، لباس، خوراک، رہن سہن، ہر بات میں کمال درجے کی سادگی تھی۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ قبول اسلام کے بعد

حضرت علی نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنی شروع کر دی۔ ایک دن حضرت ابوطالب نے انہیں نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا بیٹا یہ کیا دین ہے جس پر تو چل رہا ہے۔ انہوں نے کہا ابا جان! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں، ان کی تصدیق کی ہے اور ان کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ ابوطالب نے کہا محمد (ﷺ) تمہیں بھلائی کے سوا کبھی کسی چیز کی طرف نہیں لائیں گے تم ان کے ساتھ لگے رہو۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا الہی میں نہیں جانتا کہ تیرے نبی کے سوا اس امت میں مجھ سے پہلے کسی نے تیری عبادت کی ہو۔ اس فقرے کو تین بار کہا پھر سات بار یہ کہا کہ میں نے سب لوگوں سے پہلے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ حضرت علی کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب نماز کا وقت آجاتا تو بدن میں کپکپی آجاتی اور چہرہ زرد ہو جاتا۔ کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے۔ فرمایا کہ اس امانت کا وقت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر اتارا تو وہ اس کے تحمل سے عاجز آگئے اور میں نے اس کا تحمل کیا ہے۔ (حکایات صحابہ ص ۶۹)

حضرت علی شب بیدار اور بہت بڑے عبادت گزار تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی نماز عصر قضا ہو گئی تو اس کی ادائیگی کے لئے سورج واپس پلٹ آیا۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک بار حضور ﷺ کے ہمراہ حضرت علی بھی تھے۔ سفر سے واپسی تھی، منزل صہبا میں ٹھہرے حضور ﷺ نے حضرت علی کے زانوئے مبارک پر سر رکھ کر نیند فرمائی۔ عصر کا وقت تنگ ہو گیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ حضرت علی نے خیال کیا اگر عصر پڑھتا ہوں تو حضور ﷺ کی نیند میں خلل آتا ہے اگر نہیں پڑھتا تو نماز قضاء ہوتی ہے۔ آخر کار فیصلہ یہ کیا نماز قضاء ہوتی ہے تو ہو مگر حضور ﷺ کی نیند میں خلل نہیں آنا چاہیے۔ سورج غروب ہو گیا، حضور بیدار ہوئے فرمایا پریشانی کیوں ہے؟ حضرت علی نے سبب ذکر

کیا۔ حضور نے جناب الٰہی میں عرض کی، خدایا علی کی عصر تیرے حبیب کی خدمت میں قضا ہوئی ہے چنانچہ سورج واپس اپنے مقام پر آیا، حضرت علی نے عصر وقت پر ادا کی پھر سورج غروب ہوا اور شواہد النبوت میں یہ روایت بھی ہے کہ حضرت علی اپنے زمانہ خلافت میں ایک بار زمین بابل میں پہنچے۔ راہ طے کرنے کی عجلت میں نماز قضاء ہوگئی۔ آپ نے دعا فرمائی سورج لوٹ کر آیا آپ نے معہ ہمراہیوں کے نماز ادا فرمائی۔ یوں ہی امام حسن علیہ السلام بھی تمام کمالات کے مجسمہ اور بلند اخلاق کے مالک اور بہت بڑے عبادت گزار تھے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ایک رات میں خانہ کعبہ میں عبادت کر رہا تھا کہ ایک صاحب دیکھے، کمبل سے منہ لپیٹے ہوئے باب کعبہ پر مناجات فرما رہے ہیں اور ان کی زبان پر ایسے کلمات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کوئی گنہگار ہے، اسی طرح گریہ وزاری میں تمام رات گزار دی۔ صبح ایک آہ سرد بھر کر روتے ہوئے روانہ ہوئے، میں ان کے پیچھے پیچھے چلا اور میں نے عرض کیا حضور اپنی صورت تو دکھائیے وہ ٹھہرے اور منہ سے کمبل اٹھا کر فرمایا. میں حسن رسول اللہ کا بیٹا ہوں۔ حسن بصری فرماتے ہیں میں نے دوڑ کر قدم پکڑ کر عرض کیا، ابن رسول اللہ! مجھے یہ بتائیے یہ گریہ وزاری کس لیے ہے، آپ تو وہ ہیں کہ آپ کے دامن فیض سے بڑے بڑے سیاہ کار پناہ لیں گے۔ امام حسن نے رو کر فرمایا اے حسن بصری وہ درگاہ شاہ بے نیاز کی ہے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے وہ اماں جان کو فرمایا کرتے تھے:

یافاطمته اعملی اعملی اعملی۔

ترجمہ: "بیٹی فاطمہ عمل کرو، عمل کرو، عمل کرو۔"

حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس جواب کا مجھ پر اتنا اثر پڑا کہ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا شہزادہ حسن علیہ السلام تشریف لے جا چکے تھے۔ میں روتا ہوا

واپس حرم میں آ گیا۔ آپ نے پیادہ پچیس حج کیے۔ لوگوں نے عرض کی حضور سواریاں موجود ہوتے پیادہ کیوں تشریف لے جاتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ اپنے مولیٰ کے گھر کی طرف سوار ہو کر جاؤں۔ باوجودیکہ اس سفر میں پاؤں مبارک متورم ہو جاتے جس طرح امام حسن علیہ السلام تمام کمالات کے مالک تھے اسی طرح امام حسین علیہ السلام بھی تمام کمالات کے مالک، صابر و شاکر، بہت زیادہ عابد و زاہد تھے۔ جب انسان پر کوئی تکلیف آتی ہے تو انسان کو اس وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کا خیال نہیں رہتا لیکن امام حسین علیہ السلام کی ذات وہ ہے کہ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ عزیز و اقارب سامنے میدانِ کرب و بلا میں ذبح ہو گئے، خود بھی زخمی ہو کر گر پڑے ہیں مگر اس وقت بھی نماز کو ترک نہیں فرمایا، چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ مقام کربلا میں ہر چہار طرف سے دشمن کی فوج نے یلغار کر کے امام حسین علیہ السلام کو گھیر لیا اور آپ پر تیروں کی بارش کر دی۔ یہاں تک کہ ایک تیر زہر میں بجھا ہوا حضرت امام کی مقدس پیشانی پر لگا۔ تیر لگتے ہی خون کا فوارہ چہرہ انور پر بہہ نکلا نیز دشمنوں نے نیزوں اور تلواروں سے آپ کا تمام جسم مبارک زخمی کر دیا۔ آپ بہتر (۷۲) زخم کھا کر زمین پر بیٹھ گئے اور ایک شیطان (سنان) نے سینہ اقدس پر نیزہ مارا اور شمر مردود آپ کے سینہ اقدس پر بیٹھ گیا۔ امام حسین نے فرمایا اے ظالمو! آج جمعہ کا دن ہے اور سورج ڈھل گیا ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ میرے نانا جان کی امت کے خطیب یا تو منبروں پر میرے نانا جان کا خطبہ پڑھ رہے ہوں گے یا نماز جمعہ ادا کر رہے ہوں گے۔ افسوس اس وقت حسین بن علی ایسی بے بسی کے عالم میں ہے کہ نماز جمعہ بھی ادا نہیں کر سکتا، لیکن اے شمر تو میرے سینے سے ہٹ جا تا کہ میں جس حال میں ہوں خدا کا فرض ادا کروں. چنانچہ امام حسین نے تیمم فرما کر نماز ادا کی۔ قرأت پڑھ لی رکوع بھی کر لیا، سجدہ بھی کر لیا،

آپ کا سر مبارک سجدہ میں ہی تھا کہ پھر سنان ملعون نے نیزہ مارا اور شمر خبیث نے تلوار ماری۔ آپ شہید ہو گئے۔ پھر خولی شیطان نے آگے بڑھ کر سر اقدس کو تن مبارک سے جدا کر دیا۔ اب ظاہر ہے کہ اتنے مصائب اور تکالیف برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ امام حسین علیہ السلام نے نماز کو ترک نہیں فرمایا۔ اسی طرح امام زین العابدین علیہ السلام جو کربلا سے لے کر آخر زندگی تک مصائب میں مبتلا رہے تمام زندگی کبھی تبسم بھی نہیں فرمایا۔ ایک لمحہ بھی خدا کی یاد سے غفلت نہیں ہوئی بلکہ امام مالک کے قول کے مطابق کثرت عبادت کی وجہ سے ہی تو امام زین العابدین کو زین العابدین کہا جاتا ہے۔ جب نماز شروع فرماتے تو دنیا و مافیہا سے توجہ ہٹ جاتی۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ آپ روزانہ بلاناغہ ایک ہزار رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ وضو فرماتے تو خوف الٰہی سے آپ کا چہرہ زرد پڑ جاتا تھا اور آپ کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ مکان میں آگ لگ گئی مگر آپ نماز میں مشغول رہے۔ لوگوں نے آگ بجھا کر عرض کیا حضور آپ کا مکان جلتا رہا اور آپ نماز پڑھتے رہے۔ ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ میں جہنم کی آگ کے خیال میں اس قدر محو ہو گیا تھا کہ مجھے اس دنیا میں آگ کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ امام زین العابدین جیسے کہ عابد و زاہد تھے اسی طرح آپ صابر و شاکر بھی تھے اور آپ نہایت سخی اور فیاض تھے۔ اگر سمندر سیاہی بن جائے تو دنیا کے تمام درخت قلمیں بن جائیں جن و انسان آپ کی تعریف لکھنا شروع کر دیں تو یہ تمام چیزیں ختم ہو سکتی ہیں لیکن آپ کی تعریف پھر بھی ختم نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو اہل بیت کی محبت عطاء فرمائے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ

والسلام علی سیدنا محمد افضل الانبیاء
والمرسلین و علی آلہ الطیبین الطاہرین و
اصحابہ الکاملین الواصلین۔

مفتی غلام رسول
۱۰ نومبر ۱۹۹۳ء (بوقتِ شب)
دارالعلوم قادریہ جیلانیہ
والتھم سٹو (لندن)

* * *

[illegible]

والمساكنة [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

* * *

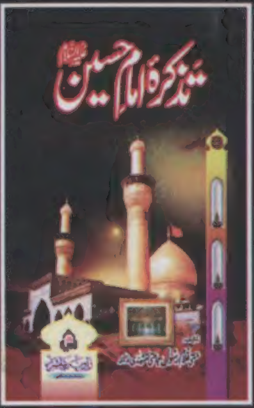
تذکرہ امام حسین

امام حسن
اور
خلافت راشدہ

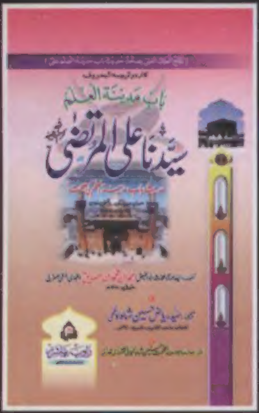
باب مدینۃ العلم
سیدنا علی المرتضیٰ

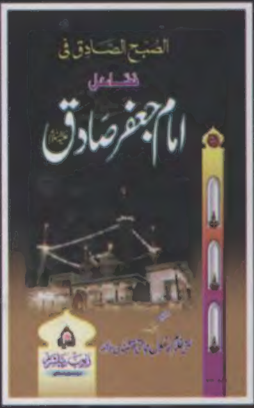
الصبح الصادق فی
امام جعفر صادق

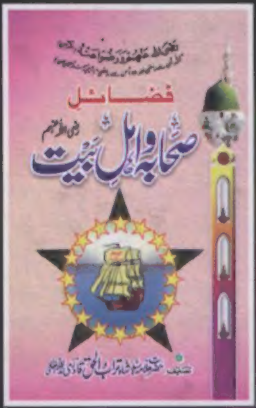
فضائل
صحابہ و اہل بیت

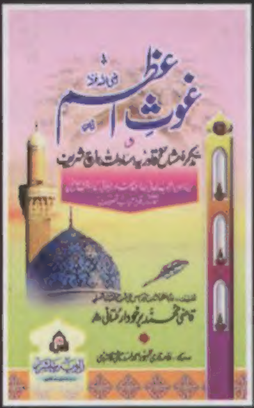

غایۃ التبجیل وترک القطع
فی التفضیل
مسئلہ افضلیت

زاویہ پبلشرز
دربار مارکیٹ ، لاہور
Voice:042-37248657 Fax:042-37112954
Mobile: 0300-9467047 - 0321-9467047 - 0300-4505466
Email : zaviapublishers@gmail.com